النساء

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

سورت کا تعارف:

اِس سورت کا نام النساء ہے جو اِس کا عنوان نہیں بلکہ صرف نام ہے، مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اور اِس کی ۱۷۶ آیات ہیں۔ سورت کے مضامین سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اُس مرحلے میں نازل ہوئی ہوگی جب:

- قتال فرض کیا گیا تھا۔
- سرایا کے ساتھ ساتھ اب آمنے سامنے لڑائیوں کا بھی مرحلہ آگیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِس کی اجازت آچکی تھی۔
- مسلمانوں کو بیواؤں اور یتیموں کے مسائل کا سامنا درپیش تھا جو اپنے حل کے لیے فوری توجہ کا متقاضی تھا۔
- یہود ابھی مدینہ میں موجود تھے اور اُن کے ساتھ لڑائیوں کا مرحلہ شروع نہیں ہوا تھا۔
- قریش کے ساتھ جنگ کی بحرانی حالت میں مسلمان داخل ہو چکے تھے اور اُنہیں کہا گیا تھا کہ سختی کے ساتھ اپنی احتیاطی تدابیر پر عمل پیرا رہیں، دشمن سے غافل نہ ہوں، بغیر اشد ضرورت کے غیر مسلح نہ نکلیں اور یہ کہ ہر لمحہ دشمن کے اچانک حملے کے لئے تیار رہیں۔

اِن باتوں سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ سورہِ مبارکہ یہودی قبیلے بنی نضیر کے مدینہ سے نکالے جانے سے پہلے اور اُحد کی لڑائی کے قریب کے زمانے میں نازل ہوئی ہے۔ اِس لئے کہ ایک طرف تو یہ بحرانی کیفیت جنگ اُحد کے بعد شروع ہوئی اور دوسری طرف بیواؤں اور یتیموں کے مسائل بھی اِس لڑائی کے بعد پیدا ہوئے نیز یہودیوں سے لڑائیوں کا سلسلہ بھی بنی نضیر کے نکالے جانے کے بعد شروع ہوا۔

سورت کی پہلی آیت عورتوں اور یتیموں کے بارے میں مفصل بحث کے لئے ایک جامع اور دقیق مقدمے کے طور پر فرماتی ہے کہ: تمہارا رب ایک ہے، ایک ہی نفس سے تمہیں پیدا فرمایا گیا، اُسی نفس سے اُس کا جوڑا پیدا کیا گیا اور یہی جوڑا انسانوں کی نژاد اور نسل کے پھیلنے کا ذریعہ بنا۔ اِس طرح لوگوں کو ایک عظیم حقیقت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور اُن کو کہا گیا ہے کہ: تمام انسانوں کی نسل اور نژاد ایک ہے، سب ایک ہی وسیع گھرانے کے افراد ہیں اور اِن کی رگوں میں ایک ہی خون گردش کر رہا ہے۔

یوں بے عدالتی، نسلی تعصب اور اُن تمام غلط اعتقادات کی جڑیں کاٹ دی گئیں جن کی بنیاد پر ایک قوم دوسری قوم پر یا ایک ملت دوسری ملت پر برتری کا احساس رکھتی ہے؛ اپنے آپ کو برتر اور دوسری کو کمتر نسل کی نظر سے دیکھتی ہے۔

پہلی آیت سے تریالیسویں (۴۳) آیت تک عورتوں، یتیموں، بیواؤں، مہر، میراث، جنسی بے راہروی اور اُس کی سزا، عورتوں کو قابل وراثت مال سمجھنے، مہر کے واپس ہتھیا لینے کی کوشش، وہ رشتہ دار جن کا آپس میں نکاح حرام ہے، خانگی زندگی میں مرد اور عورت کی ذمہ داریاں اور اُن کا مقام، میاں بیوی کے درمیان ناچاقی ختم کرنے کے طور طریقے اور آخر میں غسل اور تیمم کے بارے میں رہنمائیاں دی گئی ہیں۔ یہ ساری بحث اِس طریقے سے کی گئی ہے کہ درمیان میں ضمنی طور پر بہت سارے دیگر مسائل بھی چھیڑے گئے ہیں اور مناسب رہنمائی کی گئی ہے۔

اِس کے بعد آیت نمبر چوالیس (۴۴) سے لے کر آیت نمبر ستاون (۵۷) تک اہلِ کتاب کے کئی قبیح اور شنیع اعمال بیان کئے گئے ہیں تاکہ مسلمان اُن عادات کو اپنانے سے احتراز کریں۔ اِس بحث میں اہلِ کتاب کی جن برے اعمال اور کمزوریوں کی نشان دہی کی گئی ہے وہ یہ ہیں: اُن کا دین کا علم ناقص اور ادھورا تھا، خود گمراہ ہو گئے تھے اور دوسروں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اللہ کے دین میں تحریف کے مرتکب ہو رہے تھے، منافقت کی راہ پر چل نکلے تھے اور اُن کے ظاہر و باطن میں گہرا فرق پایا جاتا تھا۔ شرک کے مرتکب ہو رہے تھے، گناہوں میں غرق ہونے کے باوجود اپنی تعریف و توصیف، اپنی غلطیوں کے لئے مذہبی توجیہات ڈھونڈنا، اللہ اور اُس کے دین پر افتراء بازی، اوہام اور خرافات پر یقین رکھتے تھے۔ ظالم حکمرانوں کی خدمت میں لگے رہتے تھے اور کافروں کو مومنوں سے بہتر سمجھتے تھے۔

اِس کے بعد آیت نمبر اٹھاون (۵۸) سے ستر (۷۰) تک اسلامی نظام کے اُصول و مبادی بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ: امانت اُس کے اہل لوگوں کے حوالے کیا کریں، لوگوں کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلے کریں اور اپنے معاملات اللہ اور اُس کے رسول کی طرف پھیر دیا کریں۔ جو شخص اپنے تنازعات کے حل اور فصل کے لئے طاغوت کی طرف رجوع کرتا ہے اُس کا ایمان مقبول نہیں ہے اور وہ مومن نہیں بلکہ منافق ہے۔ ایمان صرف اُس شخص کا قبول کیا جائے گا جو اپنے تنازعات دین کی طرف پھیرتا ہے اور دین کے حکم پر دل سے راضی اور فرمان بردار ہوتا ہے۔

آیت نمبر اکہتر (۷۱) سے آیت نمبر ایک سو چار (۱۰۴) تک جہاد اور جہاد سے متعلق مسائل پر بہت جامع بحث کی گئی ہے۔ جنگ کے دوران احتیاطی جنگی تدابیر کے بارے میں، منافقین کے حوالے سے، یہ کہ کون اللہ کی راہ میں جہاد کی صلاحیت رکھتا ہے، اللہ کی راہ میں اور مظلوموں کے نجات کے لئے ایک مومن کے فرائض کیا ہیں اور یہ کہ جہاد کے حوالے سے مومن

اور منافق کے طرزِ عمل میں فرق کیا ہوتا ہے۔ یہ بھی سمجھایا گیا ہے کہ منافقین کے بارے میں کیا رویہ اپنانا چاہیے، دشمن کے ساتھ معاہدوں کا کیا التزام کیا جائے، جو لوگ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے اُن کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے اور یہ کہ جنگ کے دوران دشمن کے زیرِ انتظام علاقوں میں رہنے والے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے سے بچا جائے۔ اُس شخص کی سزا بتائی گئی ہے جو کسی مومن کو عمداً قتل کر دے۔ مجاہد اور قاعد (بیٹھ جانے والے) کے مقام و منزلت میں موجود گہرا فرق، ہجرت سے جان بچا کر کفر کی سلطانی میں زندگی گزارنے پر راضی ہونے والے کی بُری عاقبت، مہاجرین کو تسلی اور اطمینان، حالت سفر اور خوف میں نماز کی ہیئت اور آخر میں دشمن کے مسلسل تعاقب میں تھکن اور درماندگی کے احساس سے اجتناب بھی اِن آیات کے بحث کے اساسی موضوعات ہیں۔

اِس کے بعد آیت نمبر ایک سو پانچ (۱۰۵) سے آیت نمبر ایک سو چھبیس (۱۲۶) تک لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے بارے میں یہ وصیت کی گئی ہے کہ: اللہ کے دین کے مطابق فیصلے کیا کریں، کسی خائن کو بچانے کی کوشش نہ کریں اور کسی گناہگار کے فائدے کے لئے بحث و تکرار کا حصہ نہ بنیں۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی غلطی کا اعتراف کریں اور اللہ سے معافی مانگیں، اپنی غلطی پر دوسرے کو مطعون کرنے کا جرم نہ کریں اور اُن جرگوں اور بحث و مباحثے سے گریز کریں جو کسی ظالم اور گناہگار کی حمایت کے لئے منعقد کئے گئے ہوں۔ بتایا گیا ہے کہ اُس شخص کی عاقبت انتہائی مخدوش ہے جو اسلام اور مومنوں کے راستے سے الگ کوئی راہ اپنے لئے منتخب کرے اور خبردار کیا گیا ہے کہ گناہ سرزد ہونے کے بعد سزا سے بچنے کے لئے اسلام سے روگردانی نہ کر بیٹھنا۔ ساتھ ہی تسلی دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کے علاوہ ہر گناہ معاف کر دیتا ہے، یہ شیطان ہی ہے جو تمہیں گناہ اور شرک کی طرف راغب کرتا ہے، اُس نے تو قسم ہی اِسی بات کی کھائی ہوئی ہے۔ یہ بات اچھی طرح جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کے دین میں اعتبار ایمان اور عمل کو حاصل ہے، نہ کہ زبانی دعوے، خواہشوں اور تمناؤں کو۔ سب سے بہتر انسان وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا فرمان بردار ہو، نیک اور صالح ہو اور اپنے جد ابراہیمؑ کی طرح حق کی طرف مائل ہو۔

آیت نمبر ایک سو اٹھائیس (۱۲۸) سے لے کر ایک سو چھتیس (۱۳۶) تک ایک مرتبہ پھر پہلے والے موضوع کی طرف رخ پھیرا جاتا ہے اور عورتوں کے بارے میں مزید رہنمائیاں ہمارے سامنے رکھی جاتی ہیں۔ اِن میں عورتوں کی نسبت سے عدل و قسط کا قیام، اگر بیوی کو اپنے شوہر سے کچھ شکایات ہیں تو اُن کے درمیان صلح صفائی کی کوشش اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو بھلے طریقے سے آپس میں علیٰحدگی، ہمیشہ عدل پر استقامت، اور اللہ کے لئے حق کی شہادت دینا، عدل اور گواہی کے بارے

میں اپنی ہویٰ وہوس کی متابعت نہ کرنا اور رشتہ داری، لالچ اور ترحم کی بنیاد پر عدل اور حق کی گواہی کو پامال کرنے سے اجتناب کرنے کی ہدایات شامل ہیں۔

اِس کے بعد آیت نمبر ایک سو باون (۱۵۲) تک پھر منافقین کا ذکر ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ: اُنہیں کبھی ایمان کا ساتھ دینے میں اپنا فائدہ نظر آتا ہے تو کبھی کفر کا پلہ بھاری پڑتا دکھائی دیتا ہے۔ یوں وہ کبھی کافروں کے ساتھ دوستی کرتے ہیں، اُن کی معیت میں عزت تلاش کرتے ہیں اور ایسی مجالس کا حصہ بنتے ہیں جہاں اللہ کی آیات کا مذاق اُڑایا جاتا ہے مگر جب مسلمانوں کا پلہ بھاری لگتا ہے تو اُن کے ساتھی نظر آنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اِسی طرح کافروں کے غلبہ کے دوران اُن کے ساتھ اخلاص اور وفاداری کا ثبوت دینے لگ جاتے ہیں اور اللہ کے ساتھ دھوکہ کرتے ہیں۔ اِن کے ہر کام میں ریاکاری کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے، کفر اور ایمان کے درمیان متذبذب ہیں، نماز میں کسل مندی دکھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اِن کے رابطے کمزور پڑ گئے ہیں۔ یہ اللہ پر ایمان اور عملی اطاعت کو لازم وملزوم نہیں سمجھتے اور چاہتے ہیں کہ دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیں۔

اِس کے بعد آیت نمبر ایک سو پچھتر (۱۷۵) تک اہلِ کتاب کا ذکر درج بالا مباحث کے لئے ایک عملی نمونے کے طور پر لایا جاتا ہے اور اُن کی شخصیت و کردار میں اُن کے درج ذیل قابلِ نفرت عادات اور افعال کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ خارقِ عادت معجزات کا مطالبہ، غائب (اللہ) کے بجائے حاضر (بچھڑے) کو معبود بنانا، اپنے وعدوں سے پھر جانا اور پیغمبروں کی مخالفت حتّٰی کہ اُن کے قتل تک پر کمربستہ ہو جانا۔ نیز اپنے جعلی مذہب کے لئے شدید اندھا تعصب رکھنا، ظلم کرنا، اللہ کے راستے سے لوگوں کو پھیرنا، سود کھانا اور لوگوں کا مال ناجائز طریقوں سے ہتھیانا، دین میں غلو اور شرک کرنا، وہ پیغمبر جس کے یہ کل تک قتل کے درپے تھے آج اُسے الوہیت میں شریک کرنا اور اُسے خدا کا جانشین بلکہ خود خدا بنانا۔

سورت کے آخر میں پہلی بحث کی تکمیل کے لئے ایک ایسے شخص کی وراثت کی تقسیم کی وضاحت کی جاتی ہے جس کے وارثوں میں نہ باپ ہو اور نہ اولاد۔

ابنِ جریر نے عبداللہ بن مسعود کا ایک قول نقل کیا ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ: سورۃ النساء میں پانچ آیتیں ایسی ہیں جنہیں میں تمام دنیا اور مافیہا کے عوض نہیں دوں گا۔ وہ آیات یہ ہیں:

إِن تَجۡتَنِبُواْ كَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُكَفِّرۡ عَنكُمۡ سَيِّـَٔاتِكُمۡ وَنُدۡخِلۡكُم مُّدۡخَلاً كَرِيمًا ﴿٣١﴾

اگر تم میری بڑی بڑی ممانعتوں (گناہوں) سے مجتنب رہے، تو تمہاری بُرائیاں جھاڑ دوں گا اور داخل ہونے کی قابلِ عزت جگہ میں داخل کر دوں گا۔ (النساء۳۱)

إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَظۡلِمُ مِثۡقَالَ ذَرَّةٖۖ وَإِن تَكُ حَسَنَةٗ يُضَٰعِفۡهَا وَيُؤۡتِ مِن لَّدُنۡهُ أَجۡرًا عَظِيمٗا ﴿٤٠﴾

بے شک اللہ ایک ذرے کے برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا اور اگر وہ کوئی نیکی ہے تو اُسے دگنا کر دیتا ہے اور اپنی طرف سے بہت بڑا اجر عطا فرماتا ہے۔ (النساء۴۰)

- - - - وَلَوۡ أَنَّهُمۡ إِذ ظَّلَمُوٓاْ أَنفُسَهُمۡ جَآءُوكَ فَٱسۡتَغۡفَرُواْ ٱللَّهَ وَٱسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ ٱلرَّسُولُ لَوَجَدُواْ ٱللَّهَ تَوَّابٗا رَّحِيمٗا ﴿٦٤﴾

اور اگر یہ اُس وقت تمہارے پاس آجاتے جب اپنے اوپر ظلم کر بیٹھے تھے، پھر اللہ کی مغفرت کے خواستگار ہوتے اور پیغمبر بھی اُن کے لئے معافی مانگتا، تو اللہ کو مہربان توبہ قبول کرنے والا پاتے۔ (النساء۶۴)

وَمَن يَعۡمَلۡ سُوٓءًا أَوۡ يَظۡلِمۡ نَفۡسَهُۥ ثُمَّ يَسۡتَغۡفِرِ ٱللَّهَ يَجِدِ ٱللَّهَ غَفُورٗا رَّحِيمٗا ﴿١١٠﴾

اور جس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے یا وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھے، پھر اللہ سے مغفرت طلب کرے تو اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔ (النساء۱۱۰)

إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَغۡفِرُ أَن يُشۡرَكَ بِهِۦ وَيَغۡفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَآءُۚ وَمَن يُشۡرِكۡ بِٱللَّهِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلَٰلَۢا بَعِيدًا ﴿١١٦﴾ ۔ (النساء۱۱۶)

یقیناً اللہ یہ معاف نہیں کرے گا کہ اُس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے اور اِس سے کم کوئی بھی چیز جس کسی کے لئے چاہے گا، معاف کر دے گا اور جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے گا وہ بہت دور کی گمراہی میں پڑ گیا۔

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَـٰنِ ٱلرَّحِيمِ

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُواْ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن نَّفۡسٍ وَٲحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنۡہَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡہُمَا رِجَالاً كَثِيرًا وَنِسَآءً‌ۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ٱلَّذِى تَسَآءَلُونَ بِهِۦ وَٱلۡأَرۡحَامَ‌ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلَيۡكُمۡ رَقِيبًا ﴿١﴾

(۱) اے لوگو! اپنے اُس رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک نفسِ واحد سے پیدا کیا اور اُس سے اُس کا جوڑا پیدا کیا اور دونوں سے بہت سارے مرد و زن پھیلائے۔ اُس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جس کے نام پر تم آپس میں تقاضا کرتے ہو اور اپنی رشتہ داری کی نسبت بھی، بے شک اللہ تم پر نگران ہے۔

---

(۱)۔ اس آیت میں چند اساسی مطالب بیان کئے گئے ہیں:

- تمام انسانوں کا خالق اور پالنے والا ایک ہی ہے۔
- تمام انسانوں کی پیدائش ایک ہی جان سے شروع ہوئی ہے، اِسی ایک نفس سے اُس کا جوڑا پیدا کیا گیا ہے اور پھر اِن دونوں سے انسانوں کی پیدائش کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ تمام انسانوں کے ماں باپ ایک ہی جوڑا ہے، اِن کی رگوں میں ایک ہی خون گردش کر رہا ہے، اِن کا نسب ایک ہے اور سب ایک ہی گھرانے کے افراد ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ اِن کی نسلیں جدا جدا اور نسب ایک دوسرے سے مختلف ہوں، کالوں کا باپ الگ اور سفید فاموں کا الگ ہو، عرب کسی ایک اور عجمی کسی دوسرے باپ کی اولاد ہوں۔
- وہ ہستی جو تمہاری خالق اور پالنہار ہے اُس کی نسبت خبر دار رہیں اور اُس کی لحاظ کریں۔ وہی تمہارے سارے مطالبوں اور ضرورتوں کی مرجع ہے اور تمہاری ضرورتیں پوری کرتی اور حاجات رفع کرتی ہے۔ تمہارا آپس میں ایک دوسرے سے مدد کا مطالبہ یا دوسرا کوئی بھی تقاضا اُسی ہی کے واسطے سے ہوتا ہے۔
- اپنے آپس کے تعلقات میں اِس بات کا خیال رکھو کہ تم سب درحقیقت ایک ہی گھرانے کے افراد ہو۔ اِس رشتہ داری کا پاس رکھو اور اپنے آپ کو دوسروں سے بلند تر نہ سمجھو۔ اپنے بھائی کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھو اور اُس پر ظلم و تعدی نہ کرو۔
- تمہارا معاملہ اُس رب کے ساتھ ہے جو تمہارے سب کئے کرائے پر نگران ہے۔

اگرچہ بعض مفسرین نے ارحام سے وہ ذوی الارحام مراد لئے ہیں جو قریبی رشتہ دار سمجھے جاتے ہیں مگر آیت کے پہلے حصے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اِس سے مراد وہ عمومی رشتہ داری ہے جو ایک ہی مشترک ماں باپ کی اولاد ہونے کے ناتے تمام انسانوں کے درمیان موجود ہے۔ اِسی طرح (تسآءلون) سے مراد ایک دوسرے سے بہت کچھ اور بار بار مانگنا یا مدد طلب کرنا ہے۔ ہم ہر چیز اللہ کے نام یا اُس کے واسطے سے مانگتے ہیں، ایک دوسرے سے طلب کرتے وقت بھی اور مجرد مانگنے کے عمل کے دوران بھی؛ یہ چیز تمام انسانوں کی فطرت میں رکھی گئی ہے۔ ہندو اور بدھ بت کے آگے، مسیحی مریم اور عیسیٰ علیہما السلام کے مجسموں کے آگے اور زردشتی آگ کے سامنے خدا ہی کے نام پر جھولی پھیلاتے ہیں۔ خدا سے مانگنا ہر کسی کی فطرت کا تقاضا اور حکم ہے مگر اللہ کو پہچاننے میں غلطی کر بیٹھے ہیں۔

نفس واحد سے بعض لوگوں نے یہ مراد لیا ہے کہ تمہیں ایک ہی جنس سے پیدا کیا گیا ہے۔ یعنی تم سب کی پیدائش کا مادہ ایک ہے اور ایک ہی جنس سے تعلق رکھتے ہو، مگر اِس کا دقیق معنٰی یہ ہے کہ ایک ہی واحد جان سے اُس کا جوڑا پیدا کیا اور پھر اُن دونوں سے اُن کی اولاد پیدا کی گئی۔

آیت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ایک نفس پیدا کیا گیا پھر اُسی نفس سے ایک جوڑا (زوج) اور پھر اِس جوڑے سے انسان کے توالد و تناسل کا سلسلہ شروع ہوا۔ انسانوں کی پیدائش کے بارے میں قرآن کا یہ بیان اُس واہیات اور بے بنیاد نظریئے کی جڑیں کاٹ دیتا ہے جو انسانوں کو مختلف نسلوں میں بانٹتا ہے اور ہر نسل اور نژاد کے لئے الگ الگ اجداد ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اِس مبارک آیت میں ایک ایسے بنیادی سوال کا جواب دیا گیا ہے جو ہر شخص کے دل میں کھٹکتا ہے۔ وہ یہ کہ انسانوں کی پیدائش کا سلسلہ کس طرح چل پڑا ہے؟ کسی ایک ہی ماں باپ سے یا مختلف اجداد سے؟ اور یہ کہ یہ پہلا جوڑا چاہے ایک تھا یا کئی مختلف جوڑے تھے، اُن کی پیدائش کے سلسلے کی ابتداء کیسے ہوئی؟ پہلے ہی دن سے ایک مکمل جوڑا پیدا ہوا ہے یا آہستہ آہستہ ایک حالت سے ارتقاء کرتے ہوئے دوسری حالت تک پہنچا ہے؟ انسان کے علاوہ باقی جانداروں خصوصاً وہ جو انسانوں کی طرح ماں اور باپ سے پیدا ہوتے ہیں، کی پیدائش کا سلسلہ کس طرح شروع ہوا؟ جو سوال انسان کے بارے میں اُٹھتے ہیں وہ دوسرے جانداروں کے بارے میں بھی اُتنے ہی جواب طلب ہیں۔ اِس مبارک آیت میں اِسی سوال کا جواب دیا گیا ہے اور اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان پہلے ہی دن سے انسان پیدا ہوا ہے۔ وہ ایک ہی نفس تھا جو ایک جوڑے میں بدل گیا اور پھر اِس جوڑے سے اُس کی نسل کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ جواب ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ باقی جانداروں کی پیدائش کا سلسلہ بھی ایسے ہی چلا ہو گا یعنی ہر نوع کے لئے پہلے ایک نفس پیدا کیا گیا ہو گا، پھر اُس سے اُس کا جوڑا اور پھر یہی جوڑا اُس کے توالد و تناسل کا ذریعہ بنا ہو گا۔

یہ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ انسانوں کا پہلا جوڑا، آدم اور حوا علیہما السلام واحد نفس یعنی ایک ہی زندہ مخلوق پیدا کی گئی۔ ایسا نہیں تھا کہ دو الگ الگ مجسمے بنائے گئے پھر اُن میں روح پھونکی گئی۔

اِس آیت کی دقیق تشریح اور (واحد نفس) سے اِس کے جوڑے کی پیدائش کی ماہیت اِس آیت میں بیان ہوئی ہے:

وَٱللَّهُ خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَٰجًا ۚ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِۦ ۚ وَمَا يُعَمَّرُ مِن مُّعَمَّرٍ وَلَا يُنقَصُ مِنْ عُمُرِهِۦٓ إِلَّا فِى كِتَٰبٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرٌ ﴿١١﴾ فاطر ۱۱

اور اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر تمہیں جوڑا جوڑا بنایا، نہ کوئی عورت حاملہ ہوتی ہے اور نہ کچھ جنتی ہے مگر یہ کہ اُس کے علم کے ساتھ اور نہ کسی عمر کے مالک کی عمر دراز ہوتی ہے اور نہ اُس کی عمر کم ہوتی ہے مگر وہی جو کتاب میں ثبت ہوتی ہے اور اللہ کے لئے یہ کام سہل ہے۔

اس آیت سے چند باتیں وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتی ہیں:

- انسان کی پیدائش کا پہلا مادہ مٹی ہے۔
- مٹی سے اُس کا نطفہ بنا ہے۔
- پھر اِس نطفے سے اُس کا جوڑا بنا ہے۔ یعنی وہ واحد نفس وہی مٹی سے بنا ہوا وہ نطفہ تھا جس سے اُس کا (زوج اور جوڑا) پیدا کیا گیا اور پھر اُس جوڑے سے اُس کی نسل کا سلسلہ چل نکلا۔

اِس مبارک آیت کے اِس صریح اور قاطع بیان کی موجودگی میں جو کوئی اِس بات میں شک کرتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش نطفے سے شروع ہوئی، تو لگتا ہے وہ قرآن پر یقین نہیں رکھتا اور قرآن کے مقابلے میں کسی دوسرے کے قول پر اعتماد کر رہا ہے۔

اِس آیت میں قرآن کا ایک اور علمی اعجاز ہمارے سامنے آتا ہے اور وہ یہ کہ سائنس کی دنیا میں انیسویں صدی تک کسی کو یہ علم نہیں تھا کہ ایک زندہ جسم دو زندہ اجسام میں تقسیم ہو سکتا ہے۔ اُنیسویں صدی میں جا کر یہ علم حاصل ہوا کہ زندہ مخلوقات میں سے کچھ ایسی بھی ہیں جن کی نسل کشی نر و مادہ کے ملاپ کے ذریعے نہیں ہوتی بلکہ اُن میں سے ایک وجود دو میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ امیبا (Amoeba) اِس کی ایک مثال ہے اور بیسویں صدی میں جا کر یہ حقیقت بھی معلوم ہوئی کہ بعض جوڑا بچوں (Identical Twins) کی پیدائش بھی ایسی ہی ہوتی ہے۔ اُس صورت میں ماں باپ کا ابتدائی مشترکہ نطفہ رحمِ مادر میں دو میں تقسیم ہو جاتا ہے جن میں سے ہر ایک خلیہ ایک مکمل بچے کی صورت میں نشو و نما پالیتا ہے اور یہ کہ انسان کے جسم میں خلیات کی پیدائش بھی اِسی طریقے سے عمل میں آتی ہے۔

دوسری زندہ مخلوقات کی پیدائش بھی اللہ تعالیٰ کی عام سنت کے مطابق اِسی طرح اُن کے علیٰحدہ علیٰحدہ نطفوں سے شروع ہوئی ہوگی۔

آدم اور حوا علیہا السلام کی پیدائش کے بارے اسرائیلی روایات کہتی ہیں کہ: پہلے آدمؑ کا مجسمہ بنایا گیا، پھر اُسے آگ پر رکھ کر پکایا گیا (بالکل ایسے ہی جیسے کوئی کمہار برتن بناتا ہے اور پھر آگ پر رکھ کر پکالیتا ہے)۔ جب آدمؑ کا مجسمہ بن کر تیار ہوا تو اُس میں روح پھونکی گئی اور آدم زندہ ہوا اور پھر باقی ماندہ گارے یا آدم کی پسلی سے اُس کا جوڑا بنایا گیا۔

عام مسلمان بلکہ بعض مفسرین بھی اِن اسرائیلی روایات کے زیرِ اثر آئے اور جہاں کہیں اُن کو اِس سے مشابہہ کوئی لفظ نظر آیا تو اُس کی تعبیر اِنہی اسرائیلی روایات کی روشنی میں بیان کر ڈالی۔

مثال کے طور پر یہ حدیث:

إن المرأة خلقت من ضلع وإن أعوج شيء في الضلع أعلاه فإن ذهنت تقيمه كسرته وإن استمتعت بها استمتعت بها و فيها عوج۔

عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی کا سب سے ٹیڑھا حصہ اُس کی اونچائی ہوتی ہے، اگر تم اُسے سیدھی کرنے کی کوشش کرو گے تو اُسے توڑ دوگے اور اگر اُس سے نفع حاصل کرنا چاہو تو اِس حال میں اُسے استعمال کروگے کہ اُس میں کجی رہے گی۔

یہاں نہ تو حوا علیھا السلام کا نام لیا گیا ہے اور نہ ہی یہ کہا گیا ہے کہ آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کی گئی ہے بلکہ کہا گیا ہے کہ ہر عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ تمام عورتیں مردوں کی پسلیوں سے پیدا نہیں کی گئی ہیں بلکہ وہ مردوں کی طرح ماں باپ کے نطفوں سے پیدا کی جاتی ہیں۔ لہٰذا پسلی سے عورتوں کے پیدا ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پسلی کی ہڈی عورت کے بدن کا مادہ ہے بلکہ اِس سے عورتوں کی فطری اور نفسیاتی بناوٹ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اِس حدیث کا دوسرا حصہ خود ہی اِس کی وضاحت کرتا ہے۔ تمام محققین اِس پر متفق ہیں کہ اِس کے ساتھ عورتوں کی طبیعتوں کی اُن انفرادیتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن کی مردوں سے رعایت مطلوب ہے۔ تاکہ وہ اُن انفرادیتوں کو قبول کریں اور اُنہیں لازماً رفع کرنے کی کوشش نہ کریں۔ یہ وہ خصوصیات ہیں جن کے بغیر عورتیں اپنی گھر گھرہستی کی ذمہ داریاں احسن طریقے سے نہیں نبھا سکتیں؛ یہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی حکمت کے تحت اُنہیں ودیعت کی ہیں۔ مذکورہ روایت میں اختیار کیا گیا یہ اسلوبِ بیان اِسی طرح ہے جس طرح سورۂ انبیاء میں آیا ہے:

خُلِقَ ٱلْإِنسَـٰنُ مِنْ عَجَلٍ ۚ سَأُو۟رِيكُمْ ءَايَـٰتِى فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ ﴿٣٧﴾

انسان عجلت (جلدی) سے پیدا کیا گیا ہے، میں عنقریب تمہیں اپنی آیات سکھا دوں گا تو جلدی نہ کرو۔

ہر کوئی سمجھتا ہے کہ یہاں جلدی اور عجلت سے انسان کی پیدائش کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عجلت کوئی مادہ ہے اور انسان اُس مادہ سے پیدا کیا گیا ہے بلکہ اِس کا معنی اِس کے علاوہ اور کوئی نہیں کہ انسان کو عجول اور جلدی کرنے والا پیدا کیا گیا ہے۔ اُس کی فطرت اور خمیر میں عجلت اور جلدی رکھی گئی ہے۔ مذکورہ حدیث میں بھی ضلع سے عورت کی پیدائش انہی معنوں میں ہے۔ عورتوں کے جذبات کا حاسہ (عاطفہ) بہت قوی ہوتا ہے، جلد اور بہت چھوٹی بات پر ناراض ہو جاتی ہیں، آنسو اُن کی پلکوں ہی پر دھرے رہتے ہیں، جلدی ہی رونے لگ جاتی ہیں؛ اِن ہی کی مانند اور بھی خصوصیات رکھتی ہیں۔ یہ چیزیں اُن کی فطرت میں جان کر رکھی گئی ہیں اور اُن کو زیب دیتی ہیں۔ جس قدر کسی عورت کا عاطفہ قوی ہوتا ہے اُتنی ہی وہ عورت بہتر (شاندار) ہوتی ہے، اُتنی ہی اپنی اولاد سے زیادہ محبت رکھتی ہے، اُن کی اچھی نگہداشت کرتی ہے اور اُتنی ہی اپنے شوہر سے زیادہ محبت کرتی ہے لہٰذا مرد کو چاہیے کہ اِس کجی کو گوارا کرلے اور بلاضرورت اِس کو سیدھا کرنے کی کوشش نہ کرے۔ تأسف ہے کہ اِس سے بعض لوگوں نے غلط مطلب لیا ہے اور اِس کی وجہ یہی اسرائیلی روایات ہیں جو اِس بارے میں پھیل گئی ہیں۔

اور یا مثلاً یہ الفاظ کہ:لما صور الله آدم:جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو صورت دی۔ اِنہوں نے آدم کو صورت دینے کی ایسی تعبیر کی ہے گویا اللہ تعالیٰ نے آدم کا مجسمہ بنادیا۔ بالکل اُسی طرح جس طرح اسرائیلی روایات نقشہ کشی کرتی ہیں حالانکہ قرآن نے تمام انسانوں کے بارے یہی لفظ استعمال کیا ہے جیسے کہ فرماتا ہے:

هو الذى يصوركم في الارحام كيف يشاء: اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہیں ماؤں کے رحموں میں جس طرح چاہا؛ صورت بخشی۔

کیا یہاں ماں کے رحم میں انسان کی صورت گری کا یہ مطلب ہے کہ اُس کا مجسمہ بنالیا؟ قرآن کی آیات کی رو سے تو آدم علیہ السلام کی صورتگری اِسی طرح ہے جیسے اللہ اُس کی اولاد کو صورت بخشتا ہے اور اُس میں روح پھونکنا اسی طرح ہے جیسے اُس کی اولاد میں ماں کی رحم میں روح پھونکنے کا ذکر ہے۔

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُۥ مِن سُلَـٰلَةٍ مِّن مَّآءٍ مَّهِينٍ ﴿٨﴾ ثُمَّ سَوَّىٰهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِن رُّوحِهِۦ ۖ وَجَعَلَ لَكُمُ ٱلسَّمْعَ وَٱلْأَبْصَـٰرَ وَٱلْأَفْـِٔدَةَ ۚ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿٩﴾

پھر اُس کی نسل حقیر پانی کے نچوڑ سے پیدا کی، پھر اُسے برابر کیا اور اُس میں اپنی روح پھونک دی اور تمہیں کان، آنکھیں اور دل دیئے، تم میں سے بہت کم شکر ادا کرتے ہیں۔

آیات اور احادیث تو یہ بات کرتی ہیں کہ آدم علیہ السلام کی اولاد بھی اِسی طرح پیدا ہوتی ہے کہ ایک نطفہ ہوتا ہے جو علقہ بن جاتا ہے، وہ گوشت کا ایک ٹکڑا بن جاتا ہے، اُس کی صورتگری ہو جاتی ہے اور پھر اُس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ پھر وہ ایک بچے کی صورت دنیا میں آجاتا ہے، جوان ہو جاتا ہے اور پھر بوڑھا ہو کر موت کی آغوش میں اُتر جاتا ہے۔ آدم علیہ السلام تو اِنہی کا جد ہے اُس کی صورت گری اور اُس میں روح پھونکنا کیونکر اِن سے مختلف ہو سکتا ہے؟ قرآن تو دونوں کی پیدائش کو ہم رنگ قرار دیتا ہے، ہم رنگ الفاظ میں بیان کرتا ہے اور صرف اِس ایک فرق کی نشان دہی کرتا ہے کہ آدم علیہ السلام ماں باپ کے بغیر پیدا کئے گئے تھے؛ تم اپنی طرف سے دوسری تفریقات پیدا کرنے کی کوشش کیوں کرتے ہو؟

اور یا قرآن کی اِس آیت کی مثال لے لیجئے:

قَالَ يَـٰٓإِبۡلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَن تَسۡجُدَ لِمَا خَلَقۡتُ بِيَدَيَّ ----- (ص ۷۵)

اُس نے فرمایا: اے ابلیس! کس چیز نے تجھے اُسے سجدہ کرنے سے روکا جسے میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔

یہاں اِنہوں نے (خلقت بیدی) کے الفاظ آدم علیہ السلام کی خاص اور انفرادی پیدائش پر محمول کئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے بنایا حالانکہ قرآن دوسری چیزوں کی خلقت کے بارے میں بھی اسی کے مانند الفاظ استعمال کرتا ہے:

أَوَلَمۡ يَرَوۡاْ أَنَّا خَلَقۡنَا لَهُم مِّمَّا عَمِلَتۡ أَيۡدِينَآ أَنۡعَـٰمًا فَهُمۡ لَهَا مَـٰلِكُونَ ﴿٧١﴾

جس طرح اِس آیت میں (ما عملت ایدینا) کے الفاظ عام خلقت بیان کرتی ہے نہ کہ کوئی خاص اور منفرد خلقت۔ اور اِس سے کوئی بھی یہ غلط معنٰی نہیں لیتا کہ اللہ تعالیٰ یہ چیزیں اپنے ہاتھوں سے بناتا ہے اِسی طرح خلقت بیدی سے یہ مراد لینا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے آدم علیہ السلام کا مجسمہ بنایا؛ ایک قبیح اور عظیم لغزش ہے۔ یہ شک وہی کرے گا جو اللہ تعالیٰ کو نہیں جانتا، پیدائش کے حوالے سے اُس کے سنن پر غور نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ کی خلقت کی اِس روزمرہ کی ترتیب وترکیب سے آنکھیں بند کرتا ہے۔ اِن الفاظ کی ایسی تعبیر کرنے والا اللہ کی تشبیہ انسان کے ساتھ کرتا ہے اور وہ بھی ایک کمہار کے ساتھ۔ اپنے ذہن میں کمہار سے مشابہت رکھنے والے کسی خدا کی تصویر بنائے بیٹھا ہے اور گمان کرتا ہے کہ اُس نے آدم علیہ السلام کو اِس طرح اپنے ہاتھ سے بنایا ہو گا جس طرح کوئی کمہار گھڑے بناتا ہے۔ انتہائی تعجب کی بات ہے کہ ایک انسان روز اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کس طرح اور کس ترتیب سے پیدا فرماتا ہے اور کس طرح اُنہیں بناتا ہے۔ کس طرح ایک حالت سے دوسری حالت میں ترقی دے کر

اُن کی نشو و نما کرتا ہے مگر اِس کے باوجود اتنی بڑی غلطی کرتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش کو الٰہی سنن کے خلاف اور ایک کمہار کے کام سے مشابہہ سمجھتا ہے۔

اللہ کی نہ تو ذات میں کوئی مثل موجود ہے نہ صفات میں اور نہ ہی اعمال میں؛ پس پیدائش کے فعل میں بھی اللہ کو کسی مخلوق کے ساتھ تشبیہ نہیں دینی چاہیے۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کے فعل کو انسان کے فعل کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ جس طرح انسان اپنے ہاتھوں سے ایک کام انجام دیتا ہے یعنی گارا لیتا ہے، اُس سے اینٹیں بنالیتا ہے اُنہیں اوپر تلے رکھ کر اُن سے دیوار بنالیتا ہے؛ اللہ تعالیٰ بھی ایسا ہی کرتا ہو گا تو وہ ایک بہت بڑی گمراہی میں پڑ گیا ہے۔ در حقیقت اُس نے اللہ کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دی ہے، حالانکہ قرآن فرماتا ہے: لیس کمثلہ شئ: اللہ کی مانند چیز کوئی نہیں ہے۔

جس وقت میں یہ حصہ لکھ رہا تھا اُن دنوں ایک معروف پادری ایڈریان روجرز کی گفتگو سن رہا تھا جو ڈارون کی تھیوری پر سختی کے ساتھ تنقید کر رہا تھا، اُسے کلیسا کا خطرناک دشمن قرار دے رہا تھا اور اُس کی اِس بات کو انتہائی شدت اور سختی کے ساتھ رد کر رہا تھا کہ انسان بندر سے ارتقاء پذیر ہوا ہے۔ ڈارون کے نظریہ ارتقاء(evolution)، بقائے نوع(survival of species) اور بقائے اصلح(survival of the fittest) تینوں پر شدت سے نکیر کرتے ہوئے اُسے دیوانے، پاگل اور ذہنی بیمار کے الفاظ سے یاد کر رہا تھا اور اِس بات پر اصرار کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے ہاتھوں سے اور اپنی صورت کی مانند ہیئت پر بنایا ہے۔ اپنی گفتگو کے دوران اللہ کو (باپ اللہ) اور عیسیٰ علیہ السلام کو (اللہ کے بیٹے) کے نام سے یاد کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا: مسیح نے ہمارے لئے اپنے خون کی قربانی دی ہے اور سولی پر چڑھ گئے ہیں تاکہ اُن کا خون اور قربانی تمام مسیحیوں کے لئے فدیہ بن جائے۔

میں دل میں سوچ رہا تھا کہ لگتا ہے ڈارون کو اِن کشیشوں اور اِن کی خرافات نے یہ نظریہ پیش کرنے پر اُبھارا ہے۔ یہ لوگوں کو جس خدا کا تعارف کرا رہے ہیں، انسان کی مانند خدا، ایک انسان کا باپ خدا، وہ جو عیسیٰ علیہ السلام جیسا ایک بیٹا رکھتا ہے اور یا عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں چھوٹا ہو گیا۔ جو اِس پر راضی ہوا کہ اُس کا خون بہایا جائے، صلیب پر چڑھایا جائے اور یہ تمام مذاق اپنے اوپر یا اپنے بیٹے پر برداشت کر لے۔ وہی جو انسان کو گارے سے اِس طرح بنالے جس طرح کوئی کمہار مٹی سے برتن یا مجسمے بناتا ہے تو ایسا خدا نہ تو ڈارون کی مانند مجنون کے لئے قابلِ قبول ہے اور نہ ہی عیسیٰ علیہ السلام کی مانند پیغمبر کے لئے۔ یہ ڈارون کی تکفیر کر رہے ہیں اور اِن کے اجداد نے عیسیٰ علیہ السلام کی تکفیر کی تھی۔

ڈارون اور اُس کا نظریہ دراصل اِن کی اِن خرافات کے خلاف ایک رد عمل تھا۔ یہ خرافات کی ایک انتہا پر ہیں اور وہ دوسری انتہا پر۔ انسان نہ خدا ہے اور نہ بندر، خدا خدا ہے، انسان انسان اور بندر بندر ہے۔ انسان نہ تو بندر سے ارتقاء کر کے انسان بنا ہے اور نہ ہی

ایسے پیدا ہوا ہے کہ پہلے اللہ کی صورت پر اُس کا مجسمہ بنایا گیا ہو، آگ پر رکھ کر پکایا گیا ہو اور پھر اللہ نے اپنی روح کا ایک حصہ اُس میں ڈال دیا ہو جس سے وہ زندہ ہو گیا ہو۔ بلکہ انسان اُس کی روح اور اُس کا جسم سب مخلوق ہیں؛ ایک منفرد مخلوق جو دوسری مخلوقات سے صرف اپنی انسانیت کے ناطے مختلف ہے نہ کہ اپنے مادۂ تخلیق میں۔ اگر اُس کی انسانیت نکال دی جائے تو نہ صرف یہ کہ وہ ایک حیوان ہے بلکہ اُن میں سے سب سے بدتر حیوان ہے۔ دوسروں کی طرح مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور زندگی اور موت میں اُن سے مشابہہ ہے۔

مسیح علیہ السلام وہ واحد شخصیت نہیں ہیں جسے جاہل اقوام نے اپنے دھوکے باز اور خود غرض مذہبی اکابرین کے کہنے پر خدا اور خدا کا بیٹا بنایا۔ بہت ساری جاہل اقوام اپنی شخصیات کو خدا قرار دیتی رہی ہیں؛ یہود، بدھ اور ہندو سب یہی کرتے رہے ہیں۔ بہت ساری اقوام نے اِسی طرح زمین و آسمان کے خالق خدا کو زمین پر بلکہ اپنے گاؤں میں اُتارا ہے اور ایک مجسمے حتیٰ کہ کسی قبر میں سمویا ہے؛ اُسے خدا قرار دے کر اپنے آپ کو خدا کے لاڈلے اور محبوب بنا رکھا ہے اور اپنے گاؤں کی مٹی کو مقدس خاک مشہور کر رکھا ہے۔ بہت سی مصلح شخصیات اور اللہ کے پیغمبر ایسے گزرے ہیں جن کو ایک حکومت باغی قرار دے کر سزائے موت سنا دیتی ہے مگر جب اقتدار بدل جاتا ہے اور دوسری حکومت آتی ہے تو اُسی باغی کو معبود قرار دے دیتی ہے۔ ایسی ہی ہے اِن کی سیاست؛ ایک پیغمبر کو باغی اور باغی کو معبود بنا دیتی ہے۔

مسلمانوں میں بھی ایک گروہ ایسا پیدا ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کو انسان کے ساتھ اور انسان کو اللہ کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے۔ یہ بھی ایڈریان روجر کشیش کی بات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر تخلیق کیا ہے۔ یہ عقیدہ اِنہوں نے اسرائیلی روایات سے لیا ہے اور اُس کے لئے روایات میں ایسی تاویلیں تلاش کی ہیں جن کی بدولت وہ اِس خرافات عقیدے کو اسلامی رنگ دیتے ہیں۔ یہ لوگ پیغمبر علیہ السلام کی اِس حدیث سے استناد کرتے ہیں:

إذا ضرب احد کم فلیجتنب الوجه ولا یقل قبح الله وجهک ووجه من أشبه وجهک فان الله عز و جل خلق آدم علیه السلام علی صورته۔ رواہ احمد

اگر کسی نے دوسرے کو مارا تو اُسے چاہیے کہ منہ پر نہ مارے اور یہ نہ کہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارا اور تمہارے طرح کا منہ رکھنے والے کا منہ کالا کرے، اِس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اُس کے شکل وصورت پر پیدا فرمایا ہے۔

اِس حدیث کے بارے میں جس کا مفہوم انتہائی واضح ہے اور کسی بھی صاف دل رکھنے والے کے لئے اِس میں کوئی ابہام نہیں ہے، اسرائیلی روایات کے زیرِ اثر کج فہم لوگ کہتے ہیں کہ: (صورته) میں ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔

اگر درج بالا حدیث پر تھوڑا سا بھی غور کر لیا جائے تو واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ یہ دو آدمیوں کی آپس میں لڑائی کا ذکر ہو رہا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکیمانہ ہدایت فرما رہے ہیں کہ لڑائی کے وقت ایک دوسرے کو منہ (چہرے) پر نہ ماریں۔ ایسا نہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارا اور تمہاری طرح کے دوسروں کا منہ کالا اور قبیح کرے، اِس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اُس کی مانند شکل وصورت پر پیدا کیا ہے۔ یہ تو ہم جانتے ہی ہیں کہ دشمنی اور جھگڑے کے وقت ہر انسان اپنے مخالف کے منہ اور چہرے کی نسبت اپنے دل میں نفرت، کینے اور کراہت کا احساس کرتا ہے۔ مخالف فریق کی نفرت کے آثار بھی اُس کے چہرے پر ظاہر ہو جاتے ہیں، آنکھوں میں قہر اور غصے کی نشانیاں ظاہر ہو جاتی ہیں اور اُس کا غصہ اور نفرت مخالف کے منہ اور چہرے ہی کی طرف رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے داخلی جذبات کا اظہار بھی کچھ اِس سے ملتے جُلتے پیرائے میں کرتا ہے کہ: تمہاری آنکھیں نکال دوں گا، ناک کاٹ ڈالوں گا، تمہارا منہ کالا یا آنکھیں اندھی ہو جائیں، تمہارا یہ گندہ منہ یوں اور یوں ہو جائے۔ جب الفاظ سے تسلی نہیں ہوتی تو ہاتھ اُٹھاتا ہے اور ارادہ کرتا ہے کہ اُس کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ رسید کرے، یا مکہ مار کر اُس کا منہ توڑ دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جھگڑے میں مشغول فریقین کی جذباتی حالت کو سامنے رکھتے ہوئے اُن کے غصے کو فرو کرنے کے لئے ہدایت دیتے اور نصیحت کرتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے اپنا بندہ اور تم سب کا جدِ امجد آدم علیہ السلام اِس شکل وصورت پر پیدا فرمایا تھا جو تمہارے اِس مقابل کی ہے۔ تمہارے ساتھ لڑائی اور جھگڑے میں برسرِپیکار یہ تمہارا اپنا بھائی ہے؛ اپنے باپ کا احترام کرتے ہوئے اِسے چہرے پر نہ مارنا اور نہ ہی اِس کے چہرے کے بارے میں ہتک آمیز بات کرنا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِن حکیمانہ باتوں کی رعایت کی جائے اور آپس میں تنازعات میں اُلجھتے وقت اِن کا خیال رکھ لیا جائے تو بہت سارے فتنوں اور لڑائیوں کی راہ روکی جا سکے گی۔ مگر ملاحظہ کریں؛ کج فہم لوگ اِس حکمت سے بھرپور رہنمائی کو کن معنوں میں اور کس مقصد کے لئے استعمال کرتے ہیں؟

یہ آیت ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ انسانوں کا پہلا جوڑا آدم اور حوا علیہما السلام بھی نفسِ واحد یعنی ایک ہی زندہ مخلوق سے پیدا کئے گئے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ دو علیٰحدہ علیٰحدہ مجسمے بنائے گئے ہوں اور پھر اُن دونوں میں روح پھونکی گئی ہو۔

اگر کوئی پوچھے کہ کیا ماں کے رحم سے باہر بھی کسی زندہ مخلوق کا پیدا ہونا ممکن ہے تو اُس کا جواب ہے کہ ہاں! یہ ممکن ہے۔ تمام پودوں اور بناتات کے نطفے زمین میں نشوونما پاتے ہیں اور پرندے اور دوسرے بہت سے حیوانات ماں کے رحم سے باہر انڈوں میں پرورش پاتے ہیں۔ حیوانات میں تو ماں کے رحم سے باہر پرورش پانے کے لاتعداد مثالیں موجود ہیں۔ اِن میں سے ایک مثال مچھلیوں کی بھی ہے، مچھلیوں کے بچے ماں کے پیٹ میں نہیں بلکہ باہر پیدا ہوتے ہیں۔ اِن کے نر اور مادہ کے نطفے باہر ہی ایک

دوسرے سے ملتے ہیں، وہ اِس طرح کہ مادہ کسی کونے کُھدرے میں انڈے دے دیتی ہے جن پر نر اپنامادۂ منویہ پھیلا دیتا ہے۔ اِس طرح دونوں کے نطفے آپس میں مل جاتے ہیں اور یوں بچے ماں کے رحم سے باہر ہی پیدا ہو جاتے ہیں۔

ہم قرآنی آیات اور پیغمبر علیہ السلام کی احادیث کی روشنی میں جان داروں کی پیدائش کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی پیدائش کے بعد روئے زمین پر وہ عوامل اور شرائط مہیا کئے جو زندہ مخلوقات کی پیدائش اور اُن کی نشو و نما کے لئے ضروری تھے۔ اِن شرائط کو ہم زندگی کی بہار کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں۔ جس طرح ہر موسمِ بہار میں مردہ جاندار زمین سے سر نکال لیتے ہیں، اُگ کر درخت اور پودے بن جاتے ہیں، اِسی طرح روئے زمین پر زندہ مخلوقات کی پیدائش کا سلسلہ بھی زندگی کی اُس بہار میں شروع ہوا۔ یہی وہ وقت تھا جب اللہ تعالیٰ نے مختلف موجودات کے نطفے پیدا کئے، اِن نطفوں سے اُن کے ازواج اور جوڑے بنائے اور اِس طرح زمین میں اِن کی نشو و نما اور بقا کا راستہ ہموار کیا۔

ابو ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: پیغمبر علیہ السلام نے مجھے ہاتھ سے پکڑا اور مجھے کہا: اللہ تعالیٰ نے شنبے کے دن خاک (مٹی) پیدا کی، یک شنبے کو پہاڑ، دوشنبے کے دن نباتات، سہ شنبے کے دن مکروہ، چہار شنبے کے دن نور، پنج شنبے کے دن (کیڑے مکوڑے) حشرات، اور جمعے کے دن پیدائش کے آخر میں دن ڈھلے شام اور عصر کے درمیان آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔

عن ابی هريرة، قال اخذ رسول الله بيدی فقال: "خلق الله، غز و جل، التربة يوم السبت۔ و خلق فيها الجبال يوم الاحد۔ و خلق الشجر يوم الاثنين۔ و خلق المكروه يوم الثلاثاءِ۔ و خلق النور يوم الاربعاءِ۔ و بث فيها الدواب يوم الخميس۔ و خلق آدم، عليه السلام، بعد العصر من يوم الجمعة۔ فی آخر ساعة من ساعات الجمعة فيما بين العصر الی الليل۔"

یہ حدیثِ مبارکہ روئے زمین پر پیدائش کے مختلف مراحل کی وضاحت کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ زمین پر مٹی کا پیدا ہونا پیدائش کا مقدمہ تھا اُس کے بعد پھر نباتات پھر باقی چیزیں اور آخر میں انسان پیدا ہوا ہے۔

جو لوگ قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے کے منکر ہیں اُن کے جواب میں قرآن انسان کی پہلی مرتبہ پیدائش، اُس کی آج یہ روزمرہ کی پیدائش اور زمین اور مٹی سے نباتات کی روزمرہ روئیدگی بطورِ دلیل پیش کرتا ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیدائش کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی موجودہ مشہود سنت پہلی اور دوسری پیدائش کی دلیل ہے۔ اِس بنیاد پر ہم ابتدائی پیدائش کے بارے میں استفسار کرنے والے کو کہتے ہیں کہ: وہ پیدائش بھی ایسی ہی تھی جیسے اللہ اب بھی روزانہ زندہ اجسام پیدا کرتا ہے۔ یعنی یہ کہ جس طرح آج وہ ہر جاندار کو نطفے سے پیدا کرتا ہے اسی طرح ابتداء میں بھی اُس نے اُنہیں نطفے سے پیدا کیا، مگر پہلے ماں کے رحم سے باہر اور اب ماں کے رحم کے اندر۔

وَءَاتُواْ ٱلۡيَتَٰمَىٰٓ أَمۡوَٰلَهُمۡۖ وَلَا تَتَبَدَّلُواْ ٱلۡخَبِيثَ بِٱلطَّيِّبِۖ وَلَا تَأۡكُلُوٓاْ أَمۡوَٰلَهُمۡ إِلَىٰٓ أَمۡوَٰلِكُمۡۚ إِنَّهُۥ كَانَ حُوبٗا كَبِيرٗا ﴿٢﴾

(۲)اور یتیموں کے مال اُن کے حوالے کرو، اور ناپاک کو پاک کے ساتھ تبدیل نہ کرو اور اِن کے مال اپنے مال تک ہڑپ نہ کیا کرو۔ بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

(۲)۔ یہاں یتیموں کے اموال کے بارے میں کچھ ہدایات دی گئی ہیں:

- اُن کے مال پورے کے پورے اُن کے حوالے کرو۔
- اُن کی اچھی چیزیں لے کر اُس کے بدلے ناکارہ اور گھٹیا مال نہ دینا۔
- اور یہ بھی نہ ہونے پائے کہ مشترک زندگی گزارنے اور اکٹھے مصارف کرنے کے بہانے اُن کے مال کو ہڑپ کر جاؤ قبل اِس کے کہ تمہارے مال صرف ہوں۔
- یتیموں کا مال کھانا عظیم گناہ ہے چاہے حیلے تراش کر کیا جائے یا بغیر کوئی بہانہ بنائے۔

وَإِنۡ خِفۡتُمۡ أَلَّا تُقۡسِطُواْ فِي ٱلۡيَتَٰمَىٰ فَٱنكِحُواْ مَا طَابَ لَكُم مِّنَ ٱلنِّسَآءِ مَثۡنَىٰ وَثُلَٰثَ وَرُبَٰعَۖ فَإِنۡ خِفۡتُمۡ أَلَّا تَعۡدِلُواْ فَوَٰحِدَةً أَوۡ مَا مَلَكَتۡ أَيۡمَٰنُكُمۡۚ ذَٰلِكَ أَدۡنَىٰٓ أَلَّا تَعُولُواْ ﴿٣﴾

(۳)اور اگر یتیموں کی بابت عدل نہ کر سکنے کا اندیشہ رکھتے ہو، تو اُن عورتوں سے اپنے پسند کی دو دو، تین تین اور چار چار اپنے نکاح میں لے لو۔ لیکن اگر عدل نہ کر سکنے کا اندیشہ ہو تو پھر صرف ایک ہی ہونی چاہیے یا پھر کوئی لونڈی جو تمہارے اختیار میں آئی ہوئی ہو، یہ انصاف سے نہ ہٹنے کے زیادہ قریب ہے۔

(۳)۔ اِس آیت کے بارے میں درج ذیل نکات ذہن میں رکھیں:

- اگر یتیم ایسے ولی کی سرپرستی میں رہ گئے ہوں کہ اُن کا آپس میں نکاح جائز ہو مثلاً چچازاد، تو اُس صورت میں ولی کو اجازت ہے کہ ہمدردی کی بنیاد پر یہ کام کر گزرے۔ تاہم بے عدالتی نہ کرے اور اپنا شوق پورا کرنے یا یتیم کا مال ہڑپ کرنے کی نیت سے نہ کرے۔
- اگر ناانصافی کرنے کا اندیشہ رکھتا ہے تو پھر یہ کام نہ کرے اور دوسری عورتوں میں سے کوئی نکاح میں لے لے۔
- مگر اِن دوسری عورتوں سے مراد کون سی عورتیں ہیں؟ یتیموں سے متعلق ہیں یا نہیں ہیں؟ ایک ہی آیت میں ذکر کرنے سے یہی مراد لگتا ہے کہ یتیموں اور اِن عورتوں کے درمیان لازماً کوئی ربط موجود ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یتیموں کے ساتھ سب سے بڑی ہمدردی یہ ہے کہ اُن کی مائیں بغیر سرپرست کے نہ رہ جائیں پس چاہیئے کہ کوئی آگے بڑھ کر اُنہیں نکاح میں لے لے۔ اِس نکاح سے ایک طرف تو وہ خلا پُر ہو جائے گا جو باپ کی موت سے یتیموں کا مقدر ہو چکا ہے اور دوسری طرف بیواؤں کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ یہ ایک بہت بڑی ناانصافی ہے کہ کسی کا باپ اسلام کی راہ میں شہید ہو جائے یا چاہے اپنی موت ہی مر جائے مگر نہ تو اُس کے بچے کا کوئی کفیل باقی رہے اور نہ اُس کی بیوہ کا۔ نہ کوئی یتیم کے بارے میں ذمہ داری کا احساس کرنے والا ہو نہ بیواؤں کے بارے میں، پس بیواؤں اور یتیموں کے مسائل کا بہترین حل یہی ہے کہ بیواؤں کے ساتھ نکاح کر لیا جائے۔ یتیموں کی بحث کے درمیان میں تعددِ ازواج کی بات یہی مطلب بیان کرتی ہے کہ یہ اجازت اسی مسئلہ کے حل کے لئے دی گئی ہے۔ یہی کچھ پیغمبر علیہ السلام کی سنت سے بھی معلوم ہوتا ہے اور صحابہ کرام کے عمل سے بھی۔ ہر لڑائی کے بعد سب سے پہلے اسی موضوع پر گفتگو کا اہتمام کیا جاتا تھا کہ اپنے شہید ساتھیوں کے یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کا کیا انتظام کیا جائے حتیٰ کہ میدان جنگ میں اِس بات کا فیصلہ کیا جاتا تھا کہ کس کس بیوہ کا نکاح کس کے ساتھ مناسب ہو گا تا کہ اُس کے یتیم بچوں کی بہتر پرورش اور کفالت کی ذمہ داری اُٹھائی جا سکے۔ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ پیغمبر علیہ السلام کی باقی بیبیاں بیوہ تھیں اور ایسے ہی اہداف کے لئے اُن کے ساتھ نکاح کیا گیا تھا۔
- ویسے بھی عورتوں کی تعداد مردوں کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ عام طور پر لڑکوں کی نسبت لڑکیاں زیادہ پیدا ہوتی ہیں اور جنگوں میں بھی عورتوں کی نسبت مرد زیادہ مارے جاتے ہیں۔ جنگوں میں آلودہ ہر قوم مردوں کی نسبت عورتوں کی تعداد کے زیادہ ہونے کے مسائل کا شکار رہتی ہے۔ روسیوں کے خلاف جہاد کے دوران ڈیڑھ ملین افغان شہید ہوئے جن میں سے اکثر مرد تھے۔ ایران عراق جنگ میں بھی ایک ملین ایرانی مارے گئے جن کی غالب اکثریت مردوں پر

مشتمل تھی۔اِن دونوں ممالک میں لڑائی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے اِس مسئلے کا اور کیا حل ہو سکتا ہے؟کیا مغرب کی طرح زنا کو جائز قرار دینا؟متعہ اور وقتی نکاح کے ذریعے؟کہ تعدد ازواج کی اجازت دے کر؟زنا کے بارے میں تو آج دنیا کا فرد فرد یہ جانتا ہے کہ اِس کا انجام کتنا خطرناک ہوتا ہے اور انسانوں کے لئے کتنی مشکلات کا باعث بنتا ہے۔ایڈز کی خطرناک بیماری بھی اِسی کا شاخسانہ ہے۔متعہ اور وقتی نکاح کی اجازت دے کر بھی ایران اِس مسئلے کا حل نہ نکال سکا اگر چہ ایک لاکھ سے زیادہ ایرانی عورتیں افغانوں نے بھی نکاح میں لے لیں مگر ایران کا یہ مسئلہ جوں کا توں موجود ہے۔اِس بڑے مسئلے کا واحد حل وہی ہے جو اسلامی شریعت نے پیش کیا ہے اور اِس مبارک آیت میں اُس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔اسلام نہ صرف اِس کی اجازت دیتا ہے بلکہ اسے ہمت اور جرأت اور یتیموں اور بیواؤں کے ساتھ ہمدردی کی نشانی سمجھتا ہے۔مگر ساتھ ہی یہ شرط بھی لگاتا ہے کہ ایک سے زیادہ شادیاں بھی عدل ہی کی بنیاد پر ہوں اور ایک ہی شادی پر اکتفاء کا عامل بھی عدل ہی ہو،اسی لئے ساتھ ساتھ کے دونوں فقروں میں عدل کا ذکر آیا ہے۔

وہ بیوقوف لوگ جو تعدد ازواج کے بارے میں اسلام پر گرفت اور اعتراضات کرتے ہیں اور اِسے عدل وانصاف کے منافی سمجھتے ہیں؛اِس سوال کا جواب تلاش کرنے سے عاجز ہیں کہ بیواؤں اور یتیموں کا مسئلہ کیسے حل ہو گا؟مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی تعداد بڑھ جائے تو کیا کرنا چاہیے؟اِن کو نہ تو مغرب میں زنا کے جواز پر کوئی اعتراض ہے اور نہ اِس بات پر کہ ایک قانونی بیوی کے ہوتے ہوئے کوئی دسیوں غیر قانونی تعلقات رکھتا ہو۔اِنہیں تو مغرب میں زنا کو اِس درجے کا کاروبار بنا دینے پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے کہ اُن کی حکومتوں کی بھی حاصلات کا ایک معتد بہ حصہ فحاشی سے حاصل ہونے والے ٹیکس سے آتا ہے۔صرف لندن شہر میں عصمت فروشی کے ستر ہزار سرکاری اجازت نامے جاری کئے جاتے ہیں اور وہ فاحشائیں حکومت کو ٹیکس ادا کرتی ہیں۔تعجب ہے کہ زنا کو تو جائز قرار دیا جائے اور وہ قانونی اور اخلاقی نکاح ناجائز ہو جس کی اسلام عدل کی شرط کے ساتھ اجازت دیتا ہے۔جب کہ اسلام کی نظر میں نکاح نام بھی اُس وابستگی کا ہے جو مرد اور عورت کی رضامندی سے واقع ہوتی ہے۔اگر کوئی عورت اپنی آزاد مرضی سے ایک ایسے شخص کے ساتھ نکاح کرنا چاہتی ہے جس کی دوسری بیویاں بھی موجود ہیں تو اِس میں دوسرے لوگوں کے اعتراض کی کیا مجال باقی رہ جاتی ہے؟

سمجھ نہیں آتی کہ وہ لوگ اپنے آپ کو اسلام کی اِس بات پر اعتراض کرنے کا حق کس طرح دیتے ہیں جو ایک قانونی بیوی کے ہوتے ہوئے بہت سارے غیر قانونی جنسی تعلقات پر کوئی اعتراض نہیں رکھتے۔دوسری طرف کمیونسٹ ہیں جو ایک خاندانی نظام کے قیام ہی کو انفرادی ملکیت کی طرح کا ایک غیر کمیونسٹانہ فعل سمجھتے ہیں۔اُن کی دانست میں تو اِس معاملے میں

بھی انفرادی ملکیت کا تصور ختم کیا جانا چاہیے۔ وہ چاہتے ہیں کہ خاندان کا ادارہ ہی ختم ہو جائے، آزاد جنسی تعلقات کو فروغ حاصل ہو، اولاد کسی خاندان کی نہیں بلکہ معاشرے کی ملکیت گردانی جائے اور حکومت اُن کی پرورش کی ذمہ داری اُٹھائے۔ یعنی بچپن ہی سے اُن کو گود لے لے اِس لئے کہ ماں کی گود میں پرورش پا کر اُن کے اندر انفرادی ملکیت کے افکار اور رجحانات فروغ پاتے ہیں۔ مگر آئیں ذرا دیکھیں کہ آزاد جنسی تعلقات کے نتائج کیا نکلے، آج "علم" اِس کے بارے میں رائے کیا رکھتا ہے اور اسے کن لاعلاج سماجی اور اجتماعی مشکلات کا سبب اور بیماریوں کی وجہ قرار دیتا ہے۔ لاتعداد دوسری جسمانی اور ذہنی و نفسیاتی بیماریوں کے علاوہ سائنس ایڈز جیسا لاعلاج مرض اسی بڑی مصیبت کا نتیجہ سمجھتی ہے اور کہتی ہے کہ اکثر بڑے بڑے جرائم پیشہ وہ ہیں جن کی پرورش ماں کی گود میں نہیں ہوئی ہوتی۔ جن کے سر پر کبھی باپ کی شفقت اور محبت کا ہاتھ نہیں پھیرا گیا ہوتا، کسی ایسے سرپرست سے محروم رہ گئے ہوتے ہیں جس سے سچی محبت، لطف و کرم اور تصادقانہ رحم کا درس ملتا۔

پرندوں کی مثال لے لیجئے، وہ پرندے جن کی نر اور مادہ کی تعداد برابر ہوتی ہے جوڑا جوڑا بن کر رہتے ہیں، اپنا علیحٰدہ خاندان تشکیل دیتے ہیں، اُن کا اُٹھنا بیٹھنا، اُڑنا پھرنا اکٹھے ہوتا ہے مثلاً مینا، فاختہ اور چڑیا وغیرہ۔ دوسری طرف وہ پرندے جن کے نروں کی تعداد ماداؤں سے کم ہوتی ہے وہ ایک سے زیادہ مادائیں رکھتے ہیں مثلاً مُرغی کی مثال لے لیجئے۔ بُرا نہ لگے تو اپنے مشاہدے کا ایک واقع ذکر کر لوں: چہار آسیاب میں ایک گھر میں رہتے ہوئے ایک دن صحن میں نکلا تو ایک مُرغے پر نگاہ پڑی جو اکیلا صحن میں پھر رہا تھا باقی مرغیاں گھر سے باہر تھیں۔ اُسے انگور کا ایک دانہ ملا، چونچ میں اُٹھا کر چند ثانیے توقف کیا پھر ایک مخصوص آواز نکالی۔ باہر سے ایک مُرغی دوڑتی ہوئی اُس کے پاس آئی تو اُس نے انگور کا وہ دانہ زمین پر ڈال دیا جسے مُرغی نے اُٹھا کر کھا لیا۔ دوسری طرف حال یہ ہے کہ وہ کئی مُرغیوں کے پالنے کی ذمہ داری اُٹھائے ہوئے تھا۔ اُن کی نگہداشت اِس کے ذمے تھی، شام کو اُنہیں اُن کی کوٹھڑی میں بھیجتا تھا، اپنے مضبوط پنجوں سے اُن کے لئے زمین کھودتا تھا۔ نہ معلوم کتنے دنوں بعد اُسے انگور کا ایک دانہ ملا تھا اور نہ معلوم کتنا اُس کا دل اُسے کھانے کو چاہتا ہو گا مگر بلند ہمتی، مردانگی اور اپنے جوڑوں کی نسبت نوازش اور ترحم کے جذبے سے مغلوب ہو کر اُن میں سے ایک کو بلا کر اُس کے سامنے ڈال دیا۔ میں سوچتا رہ گیا کہ کیا انسانوں کے نر بھی اس قدر ہمت، مردانگی اور لطف و کرم رکھتے ہیں؟

آیت کے آخری حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ عدمِ عدالت کے اندیشے سے لونڈی یا ایک ہی بیوی پر قناعت کی صورت میں ظلم کے ارتکاب سے بھی بچا جا سکتا ہے اور یوں بیوی اور بچوں کے حقوق بھی آسانی سے پورے کئے جا سکتے ہیں۔

تاہم یہ بات کہ پیغمبر علیہ السلام کو نو(۹) بیبیاں رکھنے کی اجازت کیوں دی گئی تھی؟اِس کی کیا وجوہات ہیں؟ کس زمانے میں اور پیغمبر علیہ السلام کی زندگی کے کس مرحلے پر اِس کی اجازت دی گئی تھی؟ اِن سب سوالات کا جواب درج ذیل ہے:

سب کو علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ السلام نے پچیس(۲۵)سال کی عمر میں شادی کی۔ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپؐ کی پہلی بی بی چالیس(۴۰)سالہ بیوہ تھیں۔ اُن کی وفات تک آپؐ نے دوسری شادی نہیں کی یعنی پچاس(۵۰)سال کی عمر تک آپؐ کی وہی ایک بیوی رہیں، اُن کی وفات کے بعد آپؐ نے سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ نکاح کر لیا۔ آپؓ بھی بیوہ تھیں اور اولین ایمان لانے والوں میں سے تھیں، اپنے پہلے شوہر کے ساتھ حبشہ ہجرت کر چکی تھیں اور ہجرت کی سختیاں جھیل چکی تھیں۔ نہ تومالدار تھیں اور نہ ہی جمال اور جوانی رکھتی تھیں؛ آپؓ کا صرف ایک ہی امتیاز تھا اور وہ تھا مضبوط ایمان اور ایمان کی راہ میں دی گئی قربانیاں۔ پیغمبر علیہ السلام کی صرف ایک بی بی جوان اور دوشیزہ رہی ہیں، باقی تمام بیوہ تھیں اور کسی خاص مصلحت کی خاطر نکاح میں لی گئی تھیں۔ اُمید ہے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کی تفصیل باقی رشتوں کے سمجھنے میں بھی معاون ثابت ہو گی:

حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی تھیں۔ آپؓ کے پہلے شوہر جنگِ بدر میں شامل رہے تھے۔ اُن کی وفات کے بعد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھیوں ابو بکر اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس گئے اور اُن کو حفصہؓ کے ساتھ نکاح کرنے کی پیشکش کی مگر اُنہوں نے معذرت کر لی۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِس مشکل کا ذکر پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ کیا اور آپؐ نے اِس وجہ سے حفصہ رضی اللہ تعالیٰ سے نکاح کرنے کا ارادہ کر لیا کہ اپنے قریبی اور مخلص ساتھی کے ایک ایسے مسئلے کا حل تلاش کریں جو دوسروں سے حل نہ ہو سکا۔

اِسی طرح زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر بدر کی لڑائی میں شہید ہوئے، وہ عمر رسیدہ خاتون تھیں، بھلائی کے کاموں کے لئے اتنی مشہور تھیں کہ لوگ اُسے "بے کسوں کی ماں" کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ پیغمبر علیہ السلام نے اُن کے ساتھ اِس لئے نکاح کر لیا کہ ایک طرف ایک بدری مجاہد کے ساتھ ہمدردی کا اظہار ہو جائے اور دوسری طرف ایک نامور، باایمان اور نیک عورت کا مسئلہ حل ہو جائے۔ یہ نیک بی بی اُس کے بعد صرف دوسال زندہ رہیں۔

اِسی طرح اُمِ سلمہؓ جس کی چھ اولادیں تھیں، آپؓ کے شوہر جنگِ اُحد میں زخمی ہوئے۔ اُس کے بعد ایک دوسری لڑائی میں اُن کا پُرانا زخم کھل گیا اور اُسی سے وفات پا گئے۔ پیغمبر علیہ السلام اُن کی موت پر اتنے غمگین ہوئے کہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اُن کی وفات کے چار مہینے بعد اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام دیا، اُنہوں نے اپنا عذر اِن الفاظ میں پیش کیا کہ: میں عمر رسیدہ ہوں، کئی بچوں کی ماں ہوں، میں نہیں چاہوں گی کہ آپؐ کے لئے اَذیت کا باعث بن جاؤں۔ مگر پیغمبر علیہ السلام کی خواہش

تھی کہ یہ نکاح کر کے مسلمانوں کے لئے اپنے دینی بھائیوں کی نسبت وفاداری اور بیواؤں اور یتیموں کی پرورش کا ایک نہ بھولنے والا اُسوہ پیش کریں، پس آپؐ نے امِ سلمہؓ کو تسلی دی اور یوں یہ نکاح انجام پا گیا۔ پیغمبر علیہ السلام کے سارے نکاح اسی طرح تھے۔

اِن شادیوں میں ایک دوسری بڑی مصلحت بھی پوشیدہ تھی اور وہ یہ کہ پیغمبر علیہ السلام کی بیبیوں کی وساطت سے دین کا ایک معتد بہ حصہ مسلمانوں تک پہنچا ہے۔ وہ باقی تمام عورتوں کے لئے مربین کی حیثیت رکھتی تھیں، باقی عورتیں اُن سے دین سیکھا کرتی تھیں۔ اگر آپ روایات کی کتابیں دیکھیں تو صاف پتہ چل جائے گا کہ اُن کے صفحے صفحے پر امہات المومنین سے نقل کردہ روایات موجود ہیں۔

بعض لوگوں کو یہ شکایت ہے کہ اسلام نے غلامی کی تائید کیوں کی ہے؟ مردوں کو لونڈیاں رکھنے کی اجازت کیوں دی ہے؟ یہاں تک کہ بغیر نکاح کے اُن کے ساتھ مباشرت کی بھی اجازت دی ہے حالانکہ غلامی تو عدل کے خلاف ہے، انسانوں کے درمیان برابری کے خلاف ہے اور طبقاتی نظام کی ایک نشانی ہے۔ تو پھر ایسا کیوں ہے کہ ایک طرف اسلام عدل کا دعویٰ کرتا ہے اور دوسری طرف غلامی کو بھی جائز قرار دیتا ہے؟

اِن بے خبر معترضین کے جواب میں ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ تمہیں ابھی تک یہ شعور حاصل نہیں ہوا کہ غلامی کے ختم کرنے کا سلسلہ تو اسلام اور صرف اسلام نے شروع کیا۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے نہ صرف وسیع و عریض اسلامی خلافت بلکہ تمام دنیا سے غلامی کی بساط لپیٹ دی۔ اسلام نے اُس وقت غلامی کے خلاف آواز اُٹھائی جب مغرب اِس کا تصور تک نہیں کر سکتا تھا۔ یورپ اور امریکہ اسلام کے تقریباً بارہ سو سال بعد غلامی کے خاتمے پر رضامند ہوئے اور ابراہام لنکن کے زمانے میں جا کر امریکہ میں غلامی کو لغو قرار دے کر غلاموں کی آزادی کا اعلان کیا گیا۔ یہ اعلان بھی سالہاسال تک کاغذ کے ٹکڑے پر کھینچی گئی چند لکیروں سے آگے نہ بڑھ سکا اور عملاً غلام پہلے کی طرح غلامی کی زندگی گزارتے رہے۔ اُن میں سے بے شمار آزادی کے بعد دوبارہ اپنے مالکوں کے پاس جا بیٹھے اِس لئے کہ وہ ابھی ذہناً آزادی کی زندگی گزارنے کے لئے تیار ہی نہیں ہوئے تھے اور نہ ہی معاشرے میں اُن کے لئے آزاد زندگی گزارنے کے لوازم برابر کئے گئے تھے۔ اگر آپ حقائق ٹٹولیں تو جان لیں گے کہ امریکہ میں جتنے بھی غلام تھے وہ آزادی پا کر دہقان اور چرواہوں میں بدل گئے، زمینوں کے مالکان سے وابستہ ہوئے اور ایک عرصہ تک زمینوں کے ساتھ اکٹھے اُن کی خرید و فروخت ہوتی رہی۔ بورژوائی نظام کے آنے پر زمینوں سے وابستہ یہ دہقان ایسے کاریگروں میں بدل گئے جن کے ہاتھوں کے چھالوں کی اور بدن کے پسینے کی کمائی کارخانہ داروں کی جیبیں بھرنے لگی۔ سرمایہ دارانہ نظام

میں تو غلاموں، دہقانوں اور مزدوروں کی آزادی کی بات صرف وہ شخص کر سکتا ہے جو آزادی کے معنی اور مفہوم سے نابلد ہو۔ اِس کے برعکس اسلام نے غلاموں کی آزادی کے لئے ایک حکیمانہ راستہ اپنایا جو کہ درج ذیل تھا۔

- غلاموں اور اُن کے مالکان کو کہا گیا کہ تم آپس میں بھائی ہو، ایک ہی خاندان کے افراد اور ایک ہی باپ دادا کی اولاد ہو۔
- مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ غلام کو غلام کہہ کر نہیں بلایا جائے گا وہ تمہارا بھائی ہے، بھائی کہہ کر اُسے مخاطب کیا کرو۔ اُس کی طاقت سے بڑھ کر کام اُس سے نہ لیا جائے اور کھانے میں اُسے اپنے ساتھ اکٹھے بٹھا کر شریک کیا کرو۔
- لونڈیوں کو نکاح میں لے سکتے ہو، اِسے عار اور طعنہ نہ سمجھو اور یہ کہ نکاح کے بغیر بھی اُن کے ساتھ مباشرت کر سکتے ہو۔ اِس طرح اُن کی ایک طبیعی اور انسانی ضرورت کو جواب ملا مگر ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کی گئی کہ اگر اُنہیں یہ بات منظور نہیں تو جبراً اِس پر مجبور نہ کیا جائے۔
- یہ فیصلہ کیا کہ کسی آزاد انسان کو غلام بنانے کا حق کسی کو حاصل نہیں ہے اور یہی در حقیقت غلامی کو لغو قرار دینے کی طرف ایک بنیادی قدم تھا۔
- معاشرے میں موجود غلاموں کی آزادی کے لئے لوگوں کو عام ہدایت یہ دی گئی کہ: غلام کو آزادی دینا بڑے ثواب کا کام ہے اور خاص طور پر مختلف گناہوں کا کفارہ غلام کی آزادی قرار دی گئی۔
- مالکوں کو کہا گیا کہ: اگر تمہارا کوئی غلام آزادی کا طالب ہو تو یا تو اُسے فی سبیل اللہ آزاد کیا جائے اور یا کوئی معاوضہ لے کر آزاد کیا جائے۔
- اسلامی حکومت کو مکلف کیا کہ اپنی محصولات کا ایک حصہ غلاموں کی آزادی کے لئے مختص کرے۔

یہ وہ حکیمانہ تدابیر تھیں کہ نہ صرف تھوڑے عرصے میں غلامی کی جڑیں کٹ گئیں بلکہ کل کے غلام آج کی بڑی بڑی شخصیتیں بن گئیں اور وسیع و عریض علاقوں کے حکمران اور والی مقرر کئے گئے۔

یہ سب کچھ اِس حال میں وقوع پذیر ہوا کہ یورپ، امریکہ اور دوسرے غیر اسلامی ممالک میں ابھی غلامی کا بازار گرم تھا اور انسانوں کی برابری کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ رہی یہ بات کہ اسلام نے پورے حجاز پر تسلط قائم کرتے ہی غلامی کو حرام قرار کیوں نہیں دیا اور تمام غلاموں کی آزادی کا حکمنامہ جاری کیوں نہیں کیا؟ اِس کا جواب ایک طرف تو اُس وقت کے اجتماعی نظام کے ظروف و شرائط میں تلاش کیا جائے اور دوسری طرف اسلام کے اُس خاص طرزِ عمل میں جو ہر اجتماعی مسئلے کے حل کے

لئے اُس میں اختیار کیا جاتا رہا۔ اسلام نے ہمیشہ بعض خاص اجتماعی برائیوں کے خاتمے کے لئے ایک تدریجی طریقہ استعمال کیا ہے؛ رفتہ رفتہ اُن برائیوں کی بیخ کنی کی ہے۔ وہ ابتداء میں ایسی تبدیلیوں کے لئے ذہن بناتا ہے، زمین تیار کرتا ہے، مقدماتی لوازم برابر کرتا ہے پھر ایک ایک کر کے اُس کی جڑیں قطع کرتا ہے اور آخر میں جا کر اُس خاردار پودے کو جڑ سے نکال پھینکتا ہے۔ شراب اور جوئے کے بارے میں اسلام نے یہی اسلوب اپنایا یعنی تدریجی طریقے سے اِن برائیوں کی بیخ کنی کی اور اسی طرح غلامی کے لئے بھی یہی طریقہ اپنایا۔ پہلے کہا: تمام انسان ایک دوسرے کے بھائی، ایک ہی اللہ کے بندے اور ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں پھر اعلان کیا کہ غلام کو آزاد کرنا فلاں فلاں گناہوں کا کفارہ ہے۔ اس کے بعد حکم جاری کیا کہ: کوئی کسی "آزاد" انسان کو غلام نہیں بنا سکتا؛ کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی آزاد انسان کے گلے میں غلامی کا طوق ڈال دے۔ پھر کہا کہ ہر غلام کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے مالک کے ساتھ مکاتبت کرے یعنی اپنی آزادی قیمت دے کر خرید لے۔ اور آخر میں جا کر یہ ہدایت بھی کر دی کہ حکومت اپنی سرکاری محصولات کا ایک حصہ غلاموں کی آزادی کے لئے مختص کرے۔

غلاموں کی آزادی اور غلامی کو ختم کرنے کا یہ طریقہ اِسی طرح ہے جیسے کوئی حکومت جاگیرداری (فیوڈل) نظام کے خاتمے کے لئے اور زمینوں کی منصفانہ تقسیم کے لئے یہ فیصلہ کرے کہ زیادہ زمین رکھنے والے مالکان سے زمین قیمتاً خرید لے اور بے زمین ہاریوں میں تقسیم کرے۔ جبکہ جبراً زمینیں ضبط کرنے سے اِس لئے احتراز کرے کہ ہو سکتا ہے اِس طرح کسی ایسے شخص پر ناجائز زیادتی ہو جائے جس نے جائز طریقوں سے دولت اور زمینیں حاصل کی ہوئی ہوں۔ اسلام نہیں چاہتا کہ کسی بھی بہانے کسی بھی شخص پر زیادتی ہو اور اُس کا جائز حق پائمال کیا جائے۔

وَءَاتُواْ ٱلنِّسَآءَ صَدُقَـٰتِهِنَّ نِحۡلَةً ۚ فَإِن طِبۡنَ لَكُمۡ عَن شَىۡءٍ مِّنۡهُ نَفۡسًا فَكُلُوهُ هَنِيٓـًٔا مَّرِيٓـًٔا ﴿٤﴾

(۴) عورتوں کو اُن کے مہر خندہ پیشانی سے دو، لیکن اگر اپنی مرضی سے اُنہوں نے اُس میں سے کچھ حصہ چھوڑ دیا تو بے فکر ہو کر مزے مزے سے کھاؤ۔

---

(۴)۔ مہر عورت کی قیمت نہیں ہے۔ یہ اُس کے باپ کو نہیں دی جا سکتی خود اُسی عورت کو دی جائے گی۔ صراحت کے ساتھ کہا گیا ہے کہ مہر عورتوں کو دو۔ یہ صرف ایک تحفہ اور ہدیہ بھی نہیں ہے بلکہ عورتوں کا حق ہے، اُن کے لئے ایک حکیمانہ ضمانت ہے اور شوہر کی طرف سے بلاوجہ طلاق دینے کا راستہ روکتا ہے تاکہ وہ صرف اپنے شوق کی تکمیل کے لئے دوسری شادیاں نہ کرتا پھرے۔

پس اسلام عورت کو یہ اختیار دے دیتا ہے کہ شوہر سے ایک مناسب مہر وصول کر سکے۔ اِس کی انتہائی حد بھی شریعت نے مقرر نہیں کی ہے بلکہ اِسے شوہر اور بیوی کی استطاعت پر چھوڑ دیا ہے مگر شوہر کو پابند ضرور کر دیا ہے کہ وہ اُس کا مہر طے شدہ مقدار کے مطابق ادا کرنے کا مکلف ہو گا جبکہ عورت اپنی آزاد مرضی سے اُس کا کوئی حصہ معاف کر سکتی ہے۔ یہ در حقیقت عورتوں کے لئے ایک اور امتیاز ہے۔ اِن کا نان نفقہ اور اخراجات بھی مرد کے ذمے ہیں اور مہر لینے کا اختیار بھی اِنہیں ہی دیا گیا ہے۔ حالانکہ اُسے اپنے دوسرے رشتہ داروں سے بھی میراث ملتی ہے، شوہر سے بھی اور اُن پر کوئی اقتصادی ذمہ داری بھی نہیں ڈالی گئی۔

وَلَا تُؤْتُوا۟ ٱلسُّفَهَآءَ أَمْوَٰلَكُمُ ٱلَّتِى جَعَلَ ٱللَّهُ لَكُمْ قِيَـٰمًا وَٱرْزُقُوهُمْ فِيهَا وَٱكْسُوهُمْ وَقُولُوا۟ لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿٥﴾

(۵) اور اپنے وہ مال جن کو اللہ نے تمہارے قیام کا ذریعہ بنایا ہے، نادانوں کے حوالے نہ کرو، بلکہ اُس میں اُن کے رزق و روزی اور پوشاک کا انتظام کرو اور اُنہیں اچھی نصیحت کرو۔

---

(۵) یہ اموال در حقیقت تم سب کے مشترک ذرائع بقاو قیام (resources) ہیں اگر چہ کچھ کسی ایک اور کچھ کسی دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔ یہ تمہاری زندگی کو سہارا دینے کا ذریعہ ہیں، اِنہیں نادانوں کے تصرف میں نہ دو۔ یتیموں کا مال اُس وقت تک اُن کے حوالے نہ کرو جب تک وہ بلوغ اور عقل کی پختگی تک نہیں پہنچ پاتے۔ اِس دوران اُن کے مال کسی ایسے اچھے کام میں لگادو جس کی آمدنی سے اُن کے خرچے، خوراک اور پوشاک کا انتظام ہوتا رہے۔ اُن کی تربیت پر خصوصی توجہ دو، اُنہیں نیک کاموں اور نیک باتوں کی وصیت کرو اور اگر وہ اپنا مال اپنے تصرف میں لینا چاہیں اور تمہیں تنگ کریں تو بھلے طریقے سے اُنہیں سمجھاؤ، زبردستی نہ کرو اور نامناسب باتوں سے بچو۔

آیت میں یتیموں کے بجائے سفہاء کے الفاظ استعمال کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ نہ صرف یتیم کو اُن کے مال حوالے نہ کیے جائیں بلکہ اُن کے بھی حوالے نہ کیے جائیں جن سے نادانی کی وجہ سے مال ضائع ہونے کا خطرہ ہو یا وہ فضول خرچ ہیں اور غلط راستوں میں خرچ کرتے ہیں۔

وَٱبۡتَلُواْ ٱلۡيَتَـٰمَىٰ حَتَّىٰٓ إِذَا بَلَغُواْ ٱلنِّكَاحَ فَإِنۡ ءَانَسۡتُم مِّنۡهُمۡ رُشۡدً۬ا فَٱدۡفَعُوٓاْ إِلَيۡهِمۡ أَمۡوَٲلَهُمۡ‌ۖ وَلَا تَأۡڪُلُوهَآ إِسۡرَافً۬ا وَبِدَارًا أَن يَكۡبَرُواْ‌ۚ وَمَن كَانَ غَنِيًّ۬ا فَلۡيَسۡتَعۡفِفۡ‌ۖ وَمَن كَانَ فَقِيرً۬ا فَلۡيَأۡڪُلۡ بِٱلۡمَعۡرُوفِ‌ۚ فَإِذَا دَفَعۡتُمۡ إِلَيۡهِمۡ أَمۡوَٲلَهُمۡ فَأَشۡهِدُواْ عَلَيۡهِمۡ‌ۚ وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ حَسِيبً۬ا ﴿٦﴾

(۶)۔ اور اُس وقت تک یتیموں کو جانچتے رہو کہ وہ نکاح (کی عمر) تک پہنچ جائیں تو اگر اُن میں سمجھ بوجھ پاؤ تو اُن کے مال اُن کے سپرد کر دو۔ اور اُن کے بڑے ہو جانے کے اندیشے سے جلدی اور اسراف کے ساتھ اُن کے مال خرچ نہ کرو اور تم میں سے جو غنی ہو تو وہ پرہیز کر لے اور جو محتاج ہو تو وہ معروف کی حد تک اِس میں تصرف کرے۔ اور جب اُن کے مال اُن کے حوالے کرنے لگو تو اِس پر گواہ بنا لیا کرو اور حساب کرنے کے لئے اللہ ہی کافی ہے۔

---

(۶)۔ یہاں یتیم کے اولیاء کو چند ہدایات دی گئی ہیں:

- یتیموں کی پرورش کے دوران اُن کی جانچ پرکھ کرتے رہیں، کبھی کوئی ایک اور کبھی دوسری ذمہ داری دیتے رہیں، چھوٹی چھوٹی چیزوں کی خرید و فروخت میں شامل کرتے رہیں۔ اِس طرح اُن کی اچھی تربیت ہو جائے گی اور بلوغت پر پہنچنے کے بعد اپنے مال اور کاروبار کی بہتر دیکھ بھال کرنے کے لئے ذہناً اور عملاً تیار ہوں گے نیز ضروری تجربہ بھی حاصل کر چکے ہوں گے۔
- یہ ذمہ داری اُس وقت تک نبھاتے رہیں کہ یتیم بلوغ اور نکاح کی عمر تک پہنچ جائیں: اب اگر تمہیں اُن کے اندر مناسب اہلیت نظر آ جائے تو اُن کے مال اُن کے سپرد کر دو۔ آیت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یتیم کے سرپرست اُس کے بالغ ہونے پر یہ بھی اندازہ لگانے کی کوشش کریں گے کہ وہ اپنے مال کی حفاظت کی اہلیت رکھتے بھی ہیں یا نہیں۔ صرف بلوغت کو معیار نہ سمجھیں بلکہ بلوغت کے ساتھ ساتھ اُس کی سمجھ بوجھ کو بھی مدِ نظر رکھیں۔
- ایسا نہ ہو کہ اُن کے مال جلدی جلدی اور اسراف کے ساتھ خرچ کرو۔ اِس ڈر سے کہ اگر بڑے ہوں گے تو اپنا مال علیٰحدہ کر لیں گے۔
- صاحبانِ استطاعت کو چاہیے کہ یتیم کے مال میں سے خرچ کرنے سے اجتناب کریں اور اللہ کے دیئے ہوئے پر اکتفاء کریں۔

- محتاج سرپرست کو اجازت دی گئی ہے کہ اُس مال میں سے مناسب حد تک خرچ کرلے مگر یہ اِس قدر ہو جو معاشرے میں ایسی ہی کسی ماموریت کے لئے معروف ہو۔
- یتیموں کو اُن کا مال حوالے کرتے وقت گواہ کی موجودگی یقینی بنائیں۔
- خبردار رہیں کہ اللہ کی ایک صفت حسیب ہے، وہ ہر چیز کا تمہارے ساتھ حساب کرے گا۔

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ ٱلْوَٰلِدَانِ وَٱلْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ ٱلْوَٰلِدَانِ وَٱلْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴿٧﴾

(۷) مردوں کے لئے ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکہ میں سے اُن کا حصہ مخصوص ہے اور عورتوں کے لئے بھی اُس میں سے جو اُن کے ماں باپ اور رشتہ داروں کا ترکہ ہے؛ مخصوص حصہ مقرر ہے، چاہے یہ کم ہے یا زیادہ مگر یہ (پہلے سے) مقرر حصہ ہے۔

---

(۷)۔ زمانۂ جاہلیت میں عورتیں، زنانہ اولاد اور چھوٹے بچے میراث سے محروم ہوتے تھے اور میراث صرف ایسے نرینہ اولاد کا حق سمجھا جاتا تھا جو جنگ لڑنے کے اہل ہوتے تھے۔ اسلام نے آکر عہدِ جاہلیت کا یہ ظالمانہ دستور ختم کردیا اور ہر ایک کے لئے مناسب حصہ مقرر کردیا، مردوں کے لئے بھی اور عورتوں کے لئے بھی؛ اِس لئے کہ وہ دولت کی محدود لوگوں کے درمیان گردش کو ناپسند کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ میراث کی تقسیم کی بدولت سرمایہ لوگوں کے درمیان تقسیم کردیا جائے۔ محدود ہاتھوں میں دولت اور ثروت کی ترکیز سے ظالمانہ سرمایہ دارانہ نظام جنم لیتا ہے جس کی بنیاد ہی دولت کی تقسیم کا راستہ روکنا اور اُسے محدود ہاتھوں میں مرتکز کرنا ہے، اسلام اِس ظالمانہ اقتصادی نظام کو کو قطعاً پسند نہیں کرتا۔ اِس کی وجہ سے رفتہ رفتہ تمام دولت چند ہاتھوں میں آجاتی ہے، دولت مند مزید دولت مند اور غریب غریب تر ہو جاتا ہے۔ میراث کی تقسیم نہ صرف عدل کی ضمانت بن جاتی ہے اور گھرانے کے ہر فرد کو اُس کا حصہ مل جاتا ہے بلکہ اِس طرح سرمائے کے ارتکاز کی روک تھام بھی ہو جاتی ہے۔ اسلام کے اقتصادی نظام میں اِس اصول کی طرف خاص توجہ دی گئی ہے۔ قرآن اِسے اِن الفاظ میں بیان کرتا ہے: كَيْ لا يَكُونَ دُولَةً بَينَ الأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ: تاکہ یہ تمہارے اغنیاء کے درمیان ہی گردش نہ کرتی رہے۔

وَإِذَا حَضَرَ ٱلۡقِسۡمَةَ أُوْلُواْ ٱلۡقُرۡبَىٰ وَٱلۡيَتَـٰمَىٰ وَٱلۡمَسَـٰكِينُ فَٱرۡزُقُوهُم مِّنۡهُ وَقُولُواْ لَهُمۡ قَوۡلاً مَّعۡرُوفًا ﴿٨﴾ وَلۡيَخۡشَ ٱلَّذِينَ لَوۡ تَرَكُواْ مِنۡ خَلۡفِهِمۡ ذُرِّيَّةً ضِعَـٰفًا خَافُواْ عَلَيۡهِمۡ فَلۡيَتَّقُواْ ٱللَّهَ وَلۡيَقُولُواْ قَوۡلاً سَدِيدًا ﴿٩﴾

(۸) اور جب تقسیم کے وقت رشتہ دار، یتیم اور مسکین آموجود ہوں تو اُنہیں بھی اِس میں سے کچھ نہ کچھ دے دیا کرو اور اُنہیں بھلی بات کہہ کر مخاطب کرو۔ (۹) اور اِن لوگوں کو خوف کرنا چاہیے کہ اگر وہ اپنے پیچھے ناتواں اولاد چھوڑتے تو خوفزدہ ہوتے۔ پس وہ اللہ سے ڈریں اور ٹھیک (حق) بات کہیں۔

(۸۔۹)۔ اگر میراث کی تقسیم کے دن دوسرے یتیم، مسکین یا تمہارے وہ رشتہ دار جن کا میراث میں حصہ مقرر نہیں ہے، آجائیں تو اُنہیں بھی خالی ہاتھ واپس نہ کرو۔ اُنہیں بھی کسی مناسب انداز سے کچھ نہ کچھ دے دو اور بھلے طریقے سے اُن کو رخصت کرو۔ اِس بات کو یاد رکھو کہ اگر تمہارے اپنے ناتوان بچے اِس طرح سوگوار رہ گئے ہوتے تو تمہیں کتنے اندیشے گھیرے ہوئے ہوتے؟ چاہیے کہ آج اِن بے کس یتیموں اور مسکینوں کے بارے میں تمہارے دل میں ویسا ہی جذبہ ترحم ہو اور تم اُتنے ہی اندیشے رکھ کر اُن کی مدد کرو۔ پس اُن کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت اسی احساس کے زیرِ اثر درست اور حق پر مبنی بات کرو۔

إِنَّ ٱلَّذِينَ يَأۡكُلُونَ أَمۡوَٲلَ ٱلۡيَتَـٰمَىٰ ظُلۡمًا إِنَّمَا يَأۡكُلُونَ فِى بُطُونِهِمۡ نَارًا ۖ وَسَيَصۡلَوۡنَ سَعِيرًا ﴿١٠﴾

(۱۰) یقیناً وہ لوگ جو یتیموں کے مال ظلم کرکے ہڑپ کرتے ہیں، درحقیقت اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب وہ آگ میں داخل ہوں گے۔

---

(۱۰)۔ یتیم کا مال کھانا بہت بڑا ظلم ہے، یہ آگ کے ساتھ کھیلنے کے مترادف ہے، اِس سے بچتے رہو، اِن انگاروں سے پیٹ نہ بھرو۔

يُوصِيكُمُ ٱللَّهُ فِيٓ أَوۡلَٰدِكُمۡۖ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ ٱلۡأُنثَيَيۡنِۚ فَإِن كُنَّ نِسَآءٗ فَوۡقَ ٱثۡنَتَيۡنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَۖ وَإِن كَانَتۡ وَٰحِدَةٗ فَلَهَا ٱلنِّصۡفُۚ وَلِأَبَوَيۡهِ لِكُلِّ وَٰحِدٖ مِّنۡهُمَا ٱلسُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُۥ وَلَدٞۚ فَإِن لَّمۡ يَكُن لَّهُۥ وَلَدٞ وَوَرِثَهُۥٓ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ ٱلثُّلُثُۚ فَإِن كَانَ لَهُۥٓ إِخۡوَةٞ فَلِأُمِّهِ ٱلسُّدُسُۚ مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٖ يُوصِي بِهَآ أَوۡ دَيۡنٍۗ ءَابَآؤُكُمۡ وَأَبۡنَآؤُكُمۡ لَا تَدۡرُونَ أَيُّهُمۡ أَقۡرَبُ لَكُمۡ نَفۡعٗاۚ فَرِيضَةٗ مِّنَ ٱللَّهِۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمٗا ﴿۱۱﴾

(۱۱) اللہ تمہاری اولاد کی نسبت تمہیں وصیت کرتا ہے کہ: نرینہ (اولاد) کو دو لڑکیوں کے برابر دیا جائے، تو اگر تمام اولاد دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں تو اُن کو تمام ترکے کا دو تہائی دیا جائے اور اگر صرف ایک ہی زنانہ اولاد ہے تو اُس کے لئے کل کا آدھا مقرر کیا جاتا ہے اور اُس کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لئے اُس کے ترکے کا چھٹا حصہ ہے بشر طیکہ اُس (مورث) کی اولاد موجود ہو؛ اور اگر لاولد ہو اور اُس کے وارث صرف ماں باپ ہوں تو ماں کے لئے تیسرا حصہ ہے اور اگر بھائی بھی موجود ہیں، تو ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے؛ یہ اُس وصیت کی ادائیگی کے بعد ہے، جو وہ کرتا ہے اور اُس پر واجب الادا قرض کے بعد۔ تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ تمہارے لئے زیادہ نفع بخش ہیں یا تمہارے بیٹے۔ یہ اللہ کا ٹھہرایا ہوا فریضہ ہے بے شک اللہ بہت با حکمت جاننے والا ہے۔

---

(۱۱)۔ یہاں میراث کی تقسیم کے بارے میں درج ذیل ہدایات دی گئی ہیں:

- بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہو گا۔
- اگر بیٹا کوئی نہ ہو اور صرف بیٹیاں وارث رہ گئی ہوں اور وہ دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ترکے کا دو تہائی اُن کا ہو گا۔
- اگر صرف ایک ہی بیٹی ہو تو ترکے کا آدھا اُس کا ہو گا۔
- اولاد کی موجودگی میں ماں باپ کو چھٹا حصہ ملے گا۔
- اگر مورث لاولد ہو اور صرف ماں باپ اُس کے وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ ملے گا اور باقی ماندہ دو حصے باپ کے ہوں گے۔

- لیکن اگر مورث کے بھائی موجود ہوں تو چھٹا حصہ ماں کا حق ہے اور باقی ماندہ تمام باپ کو ملے گا۔ بھائی اور بہنوں کو اُن کے باپ کے موجودگی میں کوئی حصہ نہیں ملے گا۔
- میراث کی تقسیم سے قبل مورث کی وصیت پوری کی جائے گی اور اُس کے ذمے واجب الادا قرض ادا کیا جائے گا۔
- وصیت کا مکرر ذکر اِس لئے کیا گیا ہے کہ اِس طرح اُن رشتہ داروں کا مسئلہ بھی حل کیا جاسکے جن کا میراث میں متعین حصہ مقرر نہیں ہے۔ وصی کو اجازت ہے کہ اپنے مال کے تیسرے حصے میں سے اُن کے لئے کچھ مقرر کر جائے۔
- اگر میراث کی تقسیم تمہاری مرضی پر چھوڑ دی جائے اور ہر ایک کا حصہ مقرر کرنے کی ذمہ داری تمہیں سونپی جائے تو تم نہیں جان سکتے کہ کس کا کتنا حصہ ہونا چاہیے ؟ حصوں کی تقرری کا معیار کیا ہو؟ کسی کی قربت یا اُس کا نافع ہونا؟ باپ زیادہ قریب اور نافع ہے یا بیٹا؟ کس کا حصہ زیادہ ہونا چاہیے اور کس کا کم؟ تمہارے لئے ممکن نہیں ہے کہ اِس بارے میں حکیمانہ اور عالمانہ فیصلہ کر سکو۔
- یہ حصے اُس اللہ کی طرف سے مقرر کئے گئے ہیں جو علیم بھی ہے اور حکیم بھی۔ اُس کا ہر فیصلہ حکیمانہ اور علم پر مبنی ہوتا ہے۔

اِس میں اُن ناسمجھ لوگوں کو بھی جواب دیا گیا ہے جو میراث کی تقسیم کے بارے میں اسلام پر اعتراضات رکھتے ہیں اور اپنے آپ کو عورتوں کے حقوق کے بڑے محافظ سمجھتے ہیں۔ وہ یہ بھی غور نہیں کرتے کہ میراث کی تقسیم ایک مکمل اقتصادی نظام کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔ اِس بارے میں ہر بحث تمام نظام کے تناظر میں ہونی چاہیے نہ کہ اُس کے حصے بخرے کر کے الگ الگ زیرِ بحث لائے جائیں۔ اسلام کے اقتصادی نظام میں عورتوں کو اِس حال میں کہ اُنہیں دولت حاصل کرنے کے متعدد مواقع مہیا کئے گئے ہیں، ہر اقتصادی ذمہ داری سے بری الذمہ قرار دیا گیا ہے۔ رشتہ داروں اور شوہر کی میراث میں حصہ دار ہیں، مہر لیتی ہیں، اپنے پس انداز کو کاروبار میں لگا سکتی ہیں اور منافع کما سکتی ہیں۔ جبکہ اُن کے مصارف والدین کے گھر میں بھی دوسروں کے ذمے ہیں اور شوہر کے گھر میں بھی۔ اِسے تو عورتوں کے لئے ایک خاص اور فوق العادت امتیاز سمجھنا چاہیے، کوئی بے وقوف ہی ہو گا جو اِسے عورتوں کے خلاف اقدام قرار دے گا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ کہتے کہ: مردوں کا حصہ کم اور ذمہ داریاں زیادہ ہیں عورتوں کو اُن کا ہاتھ بٹانا چاہیے، اگر یہ نہیں تو کم از کم ہمدردی تو کر ہی لیتے۔ مگر حکیم و علیم خدا نے یہی پسند فرمایا ہے، مردوں کے مضبوط بازوؤں کا یہی تقاضا ہے کہ اُن کا بوجھ عورتوں سے زیادہ بھاری ہو۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَٰجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ ٱلرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ ۚ مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ ٱلرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ ٱلثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم ۚ مِّنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَٰلَةً أَوِ ٱمْرَأَةٌ وَلَهُۥٓ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَٰحِدٍ مِّنْهُمَا ٱلسُّدُسُ ۚ فَإِن كَانُوٓا۟ أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى ٱلثُّلُثِ ۚ مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ ٱللَّهِ ۗ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿۱۲﴾

(۱۲) اور تمہارے لئے اُس ترکے کا آدھا مقرر کیا جاتا ہے جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں اگر وہ لاولد ہیں۔ لیکن اگر اولاد والیاں ہیں تو پھر تمہارا حق اُن کے ترکے کا چوتھائی حصہ ہے، قرض اور اُس وصیت کے ادائیگی کے بعد جو وہ کرتی ہیں۔ اور اُن کے لئے اُس میں سے چوتھائی حصہ ہے جو تم پیچھے چھوڑ جاتے ہو اگر تم لاولد ہو، لیکن اگر صاحبِ اولاد ہو تو پھر تمہارے ترکے میں سے آٹھواں حصہ اُن کا حق بنتا ہے تاہم واجب الادا قرض اور تمہاری کی گئی وصیت کے بعد۔ اور وہ شخص جس سے میراث ملنی ہے اگر "کلالہ" (جس کا نہ باپ ہو نہ اولاد) ہو یا وہ عورت اور اُس کے وارثوں میں صرف ایک بہن یا بھائی شامل ہوں تو اِن میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ مقرر ہے اور اگر ایک سے زیادہ بہن بھائی رکھتی ہے تو وہ سب تیسرے حصے میں شریک وارث ہوں گے؛ وصیت اور ادائے قرض کے بعد، بغیر کسی کو ضرر پہنچائے۔ یہ اللہ کی طرف سے وصیت ہے اور اللہ بُردبار علیم ہے۔

---

(۱۲)۔ اِس آیت میں مندرجہ ذیل صورتوں کے بارے میں ہدایات دی گئی ہیں:

- اگر کوئی عورت وفات پاتی ہے اور اُس کی کوئی اولاد نہیں ہے تو شوہر کو اُس کے ترکے کا آدھا حصہ ملے گا اور اگر وہ اولاد والی ہے تو چوتھائی ترکہ شوہر کو ملے گا۔
- شوہر کے مرنے کی صورت میں بیوہ کو اُس کے ترکے کا چوتھائی حصہ ملے گا اگر وہ لاولد ہے مگر صاحب اولاد ہونے کی صورت میں بیوہ کو آٹھواں حصہ ملے گا۔

- اگر مورث نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ ہی اُس کا باپ زندہ ہے، صرف ماں جایا بھائی یا بہن رکھتا ہے تو اُن میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا، لیکن اگر بہن بھائیوں کی تعداد اِس سے زیادہ ہے تو پھر اُن سب کو مشترکہ طور پر ترکے کا تیسرا حصہ ملے گا۔ بہن بھائی یا تو اعیانی (مشترک ماں باپ کی اولاد) ہوتے ہیں یا علاتی (صرف باپ مشترک ہو) اور یا پھر اخیافی (صرف ماں مشترک ہو)۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر اخیافی بہن بھائی مراد ہیں۔
- میت کی تدفین کے بعد پہلے اُس کے واجب الادا قرضے اُتارے جائیں گے پھر مال کے تیسرے حصے میں سے اُس کی وصیت پوری کی جائے گی، اُس کے بعد وارثوں کو اُن کا حصہ دیا جائے گا۔
- نہ تو وصیت میں کسی کو ضرر پہنچانے کی کوشش کی جائے اور نہ قرض کے معاملے میں، ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ وارث محتاج اور تنگ دست ہوں تو بھی دوسروں کو یا کسی غنی کو فائدہ پہنچانے کی شعوری کوشش کی جائے اور یا یہ کہ قرض کے بارے میں غلط بیانی کی جائے۔

احادیث میں میراث کے بارے میں تین اور بنیادی رہنمائیاں بھی کی گئی ہیں:

- متعین حصوں کی ادائیگی کے بعد جو کچھ باقی رہ جائے وہ اُن رشتہ داروں، جن کے لئے شریعت میں مشخص حصہ نہیں رکھا گیا اور جو شریعت میں عصبہ کے نام سے یاد کئے گئے ہیں، میں سے مورث کے قریب ترین نرینہ رشتہ دار کے حوالے کیا جائے گا۔
- کافر اور مسلمان ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے۔

عن أسامة بن ذيد أنالنبى صلى الله عليه و سلم قال لا يرث المسلم الكافر و لا يرث الكافر المسلم۔

- قاتل کو مقتول کے ترکے میں سے میراث نہیں دی جاسکتی۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قا ل قال رسول الله صلى الله عليه و سلم ليس لقاتل شيء فإن لم يكن له وارث يرثه أقرب الناس إليه و لا يرث القاتل شيئا۔

تِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ ۚ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ يُدْخِلْهُ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴿١٣﴾ وَمَن يَعْصِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُۥ يُدْخِلْهُ نَارًا خَٰلِدًا فِيهَا وَلَهُۥ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٤﴾

(۱۳) یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جس نے اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کی، اُس کو وہ ایسی جنت میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اُس میں ہمیشہ رہے گا اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ (۱۴) اور جس نے اللہ اور اُس کے رسول سے منہ پھیرا اور اُس کی حدود کی خلاف ورزی کی، تو اُسے وہ ایسی آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اُس کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔

(۱۳-۱۴)۔ اللہ پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اُس کی اور اُس کے پیغمبر کی اطاعت کی جائے اور زندگی کے تمام شعبوں میں الٰہی حدود کے احترام کا التزام کیا جائے۔ اِس اطاعت کا بدلہ دائمی جنت ہے اور روگردانی اور حد سے گزرنے کی سزا رسوا کن عذاب اور دوزخ کی دائمی آگ ہے۔

وَٱلَّٰتِى يَأْتِينَ ٱلْفَٰحِشَةَ مِن نِّسَآئِكُمْ فَٱسْتَشْهِدُوا۟ عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنكُمْ ۖ فَإِن شَهِدُوا۟ فَأَمْسِكُوهُنَّ فِى ٱلْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَفَّىٰهُنَّ ٱلْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ ٱللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ﴿١٥﴾

(۱۵) اور تمہاری عورتوں میں سے جو فحش کام (زنا) کرتی ہیں، تو اُن پر اپنے میں سے چار گواہ (گواہی دینے کے لئے) طلب کر لو، پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو اُنہیں گھروں میں محبوس رکھو یہاں تک کہ اُنہیں موت آجائے اور یا اللہ اُن کے لئے کوئی راستہ نکال دے۔

---

(۱۵)۔ یہاں چند بنیادی باتیں توجہ طلب ہیں:

- یہ حکم زنا کی حد مقرر کئے جانے سے پہلے ابتدائی حکم ہے۔
- زنا "فحش" یعنی بے حیائی کے نام سے یاد کی گئی ہے۔ فحش کے معنٰی میں ننگا ہونا اور نہ ڈھانپا جانا بھی مضمر ہے۔
- زنا کرنے والوں کی سزا کے لئے چار گواہوں کی شہادت مانگی گئی ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایک انسان کو مجرم قرار دینے کے لئے کس قدر احتیاط سے کام لیتا ہے۔ جو کسی دوسرے پر زنا کا الزام لگائے اور اپنی بات کے

ثبوت میں چار گواہ نہ لا سکے، وہ مفتری اور فاسق گردانا جاتا ہے، کوڑوں کی سزا پاتا ہے اور اِس کے بعد اُس کی ہر گواہی ناقابلِ اعتبار ٹھہرتی ہے۔ اگر کسی عورت کا اپنا شوہر یہ الزام لگائے تو یا تو وہ چار گواہ لائے نہیں تو چار مرتبہ اللہ کے نام پر قسم اُٹھائے گا کہ وہ سچ بول رہا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے گا کہ: اگر وہ جھوٹا ہے تو اُس پر اللہ کی لعنت ہو۔ لیکن اگر عورت اعتراف نہ کرے اور شوہر کی طرح چار مرتبہ قسم کھا کر اور ایک مرتبہ اپنے آپ پر لعنت بھیج کر یہ الزام رد کرے تو قاضی کی عدالت میں بری الذمہ قرار پاتی ہے۔ گواہوں کی شہادت بھی صرف اُس صورت میں مانی جاتی ہے کہ وہ اِس عمل کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہوں۔ شک اور گمان کی بنیاد پر گواہی نہیں مانی جائے گی۔ یہ تمام احتیاطی تدابیر اِس لئے ہیں کہ صرف شک اور وہم کی بنیاد پر کسی کو سزا نہ دی جائے اور اُس کی عزت داغدار نہ ہو۔ نیز ناجائز طور پر اور خود ہی آگے بڑھ کر قتل کر ڈالنے کی بھی روک تھام ہو اور مقدمات قاضی کے سامنے پیش ہو جائیں جو پوری دقتِ نظر اور چھان بین کے بعد احتیاط کے ساتھ فیصلہ سنائے۔

- یہاں صرف عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے اور الفاظ سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ اگر عورتیں آپس میں ایسا فعل کر گزریں تو اُس کی یہ سزا ہے۔ الفاظ کی ترکیب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بعض مفسرین نے اِس سے یہی رائے اخذ کی ہے اور اسے ہم جنس پرستوں کا جنسی رابطہ قرار دیا ہے۔ مگر دوسرے مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اِس سے مراد زنا ہے اور یہاں صرف عورتوں کی سزا کا بیان آیا ہوا ہے اور بعد میں یہ حکم زنا کی حد کا تعین ہو جانے پر منسوخ کیا گیا ہے۔ لیکن اگر آیت کے الفاظ پر غور کریں اور اسے آیت مابعد کے پہلو میں رکھ کر اِس پر غور کر لیں تو معلوم ہوتا کہ اِس آیت میں زنا کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے اور عورتوں کے درمیان ناجائز جنسی تعلق کی طرف بھی۔ مگر یہاں صرف عورتوں کی سزا کا ذکر کیا گیا ہے اور بعد والی آیت میں مردوں کے درمیان ناجائز جنسی تعلق اور اُس کی سزا بیان کی گئی ہے۔
- آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اِس کے بارے میں اللہ تعالیٰ مزید وضاحت فرمائیں گے اور اِس گناہ کے لئے مناسب سزا مقرر کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، سورۂ النور کی دوسری آیت میں یہ سزا مشخص کی گئی مگر وہاں صرف زنا کی حد بتا دی گئی اور ہم جنسوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا گیا۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اِن آیات میں ذکر کی گئی سزا بحال رکھی گئی ہے اور قاضی کو اختیار دیا گیا ہے کہ اِن کی تعزیر کے لئے قید یا کوئی اور مناسب سختی تجویز کرے۔

وَٱلَّذَانِ يَأۡتِيَـٰنِهَا مِنكُمۡ فَـَٔاذُوهُمَاۖ فَإِن تَابَا وَأَصۡلَحَا فَأَعۡرِضُواْ عَنۡهُمَآۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ﴿١٦﴾

(۱۶)اور تم میں سے جو دو مرد یہ کام کریں تو اُن کے ساتھ سختی (اذیت دیں) کریں پس اگر وہ توبہ کریں اور اپنی اصلاح کریں تو اُن سے اعراض کرو، یقیناً اللہ مہربان توبہ قبول کرنے والا ہے۔

---

(۱۶)۔ یہاں بھی بعض مفسرین نے پہلی رائے کو ترجیح دی ہے اور اِسے دو مردوں کے درمیان جنسی تعلق سمجھا ہے، الفاظ کی ترکیب بھی یہی مطلب بیان کرتی ہے مگر بعض دوسروں نے اِسے بھی زنا سمجھا ہے اور کہتے ہیں کہ یہاں مردوں کی سزا کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

قرآن میں لواطت کی سزا کے بارے میں واضح الفاظ میں کچھ نہیں کہا گیا ہے، احادیث میں بیان ہوئی ہے۔ پیغمبر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ فاعل اور مفعول کو قتل کردیں، قتل کی ہیئت قاضی پر چھوڑ دی گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے زنا کی سزا کو مدِ نظر رکھتے ہوئے لواطت کی سزا مقرر کی ہے۔ اگر یہ دونوں آیات زنا کی حد کی آیت کے پہلو بہ پہلو رکھی جائیں اور پھر اِن پر غور کرکے فیصلہ کیا جائے تو یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اِس کی سزا ایسی ہونی چاہیے۔

إِنَّمَا ٱلتَّوۡبَةُ عَلَى ٱللَّهِ لِلَّذِينَ يَعۡمَلُونَ ٱلسُّوٓءَ بِجَهَـٰلَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُوْلَـٰٓئِكَ يَتُوبُ ٱللَّهُ عَلَيۡهِمۡۗ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧﴾ وَلَيۡسَتِ ٱلتَّوۡبَةُ لِلَّذِينَ يَعۡمَلُونَ ٱلسَّيِّـَٔاتِ حَتَّىٰٓ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ ٱلۡمَوۡتُ قَالَ إِنِّي تُبۡتُ ٱلۡـَٔـٰنَ وَلَا ٱلَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمۡ كُفَّارٌۚ أُوْلَـٰٓئِكَ أَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٨﴾

(۱۷)اور جان لو کہ اللہ پر توبہ کی قبولیت کا حق تو صرف اُن لوگوں کا ہے جو جہالت سے (مغلوب ہو کر) اِس برائی میں پڑ جائیں، پھر جلد ہی توبہ کرلیں تو پھر اللہ اِن لوگوں پر نظرِ عنایت فرمائے گا۔ اور اللہ باحکمت جاننے والا ہے۔ (۱۸)اور یہ توبہ اُن لوگوں کے لئے

نہیں ہے جو اُس وقت تک بُرے کام کرتے ہیں جب اُن میں سے کسی ایک کی موت آن کھڑی ہوتی ہے تو کہتا ہے: اب میری توبہ ہے اور نہ ہی اُن کے لئے ہے جو کفر پر مر جاتے ہیں؛ یہ تو وہ ہیں جن کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(۱۷۔۱۸)۔ اللہ اپنے بندے کی توبہ قبول فرماتا ہے، توبہ کا دروازہ اُس نے کھلا چھوڑ رکھا ہے۔ توبہ کرنے والا بندہ اللہ کو اچھا لگتا ہے اِس لئے توبہ کی قبولیت اُس نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے؛ خصوصاً اُس بندے کی توبہ جس سے ناسمجھی میں گناہ کا کوئی کام سرزد ہو جاتا ہے اور وہ جلد ہی نادم ہو جاتا ہے۔ آیت کے آخر میں توبہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی دو صفات (علیم) اور (حکیم) ذکر کی گئی ہیں جن سے مراد یہ ہے کہ: اللہ جانتا ہے کہ کون اپنے گناہ پر واقعی نادم ہے، اپنی بغاوت پر شرمندہ ہے، دوبارہ اپنے رب کی طرف پلٹنا چاہتا ہے، اپنی غلطی کی اصلاح چاہتا ہے اور گناہ سے کنارہ کش ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔ توبہ کا دروازہ کھلا رکھنا اور گناہگار کو کہنا کہ اگر توبہ کر لو تو اللہ تمہارے سابقہ گناہوں سے درگزر کر لے گا؛ اللہ تعالیٰ کا ایک مبنی بر حکمت فیصلہ ہے۔ انسان کی فطرت ایسی ہے کہ اِس دروازے کو بند کرنا خطرناک عواقب رکھتا ہے؛ اگر گناہگار کو اپنی اصلاح کرنے اور اپنے گناہ کے کفارے کا موقع نہ دیا جائے اور اُسے یہ احساس ہو جائے کہ اُس کی واپسی کے راستے بند ہو گئے ہیں تو وہ چار و ناچار بغاوت اور عصیان کے راستے پر آگے ہی آگے بڑھتا چلا جائے گا۔ اِس طرح اللہ تعالیٰ اسلامی مملکت کے اربابِ اختیار کو بھی متوجہ کرتا ہے کہ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ گناہگار کو توبہ اور رجوع کا موقع اور فرصت دیں اور حدود کا اِجراء آخری حربے کے طور پر استعمال کریں۔ بالکل ویسے ہی جیسے ایک تجربہ کار حکیم پہلے پرہیز، پھر دوا اور آخر میں جراحی کا فیصلہ کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عن انس بن مالک رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم کل بنی آدم خطاء و خیر الخطائین التوابون۔

انس بن مالک رضی اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدم (علیہ السلام) کا ہر بچہ خطا کار ہے اور خطا کاروں میں سے بہتر توبہ کرنے والے ہیں۔

مگر یہ بات یاد رکھیں کہ مجرم کے پکڑے جانے کے بعد اور قاضی کے سامنے اُس کے مقدمے کے پیش ہو جانے کے بعد، توبہ سزا سے نہیں بچا سکتی۔

وہ لوگ توبہ کی قبولیت سے محروم ہیں جو یا تو حالت کفر پر مر جاتے ہیں اور یا گناہوں میں ایسے غرق ہوتے ہیں کہ اوپر تلے پے در پے گناہوں کا ارتکاب کرتے چلے جاتے ہیں مگر جب موت سر پر آن کھڑی ہوتی ہے اور گناہ کی مجال اور موقع باقی نہیں رہتا تو اُنہیں توبہ کی یاد آجاتی ہے۔

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُواْ ٱلنِّسَآءَ كَرْهًا ۖ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُواْ بِبَعْضِ مَآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّآ أَن يَأْتِينَ بِفَـٰحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ۚ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰٓ أَن تَكْرَهُواْ شَيْـًٔا وَيَجْعَلَ ٱللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴿١٩﴾

(۱۹) اے ایمان والو! یہ تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ عورتوں کو زبردستی میراث میں لے لو اور اُنہیں اِس لئے تنگ نہ کرو کہ اپنی دی ہوئی چیزوں میں سے کچھ واپس لے لو، ہاں (مگر ایسی صورت میں) اگر وہ کھلی بدکاری کے مرتکب ہوں۔ اور اُن کے ساتھ بھلے طریقے سے پیش آؤ (زندگی گزارو)؛ اگر وہ تمہیں اچھی نہیں لگتیں تو ہو سکتا ہے جو کچھ تمہیں اچھا نہ لگتا ہو اُس میں اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بہت سی بھلائی رکھے۔

---

(۱۹)۔ اسلام سے قبل لوگ بیواؤں کے ساتھ ایسا سلوک کرتے تھے جیسے وہ میراث کا مال ہوں یا پھر جیسے وہ مال مویشی ہوں جو قیمتاً خریدی گئی ہوتی ہیں۔ اپنے گھروں سے بے دخل ایک بے اختیار مخلوق جو اپنی مرضی سے کسی کے ساتھ نکاح تک نہیں کر سکتی تھیں؛ اگر چاہتیں کہ واپس اپنے میکے چلی جائیں تو اُنہیں مجبور کیا جاتا تھا کہ اپنا مہر اور وہ سب کچھ شوہر کے ورثا کو واپس کر دیں جو وہ دے چکا ہوتا تھا۔ آج بھی بہت سے جاہلانہ معاشروں میں عورتوں کے ساتھ یہی ظالمانہ اور جاہلانہ سلوک کیا جاتا ہے۔ پٹھانوں میں تو یہ ظالمانہ دستور کافی عام ہے، باپ اُنہیں ایک مویشی اور جانور کی مانند فروخت کر دیتا ہے اور شوہر کے مرنے کے بعد میراث کا مال سمجھی جاتی ہیں۔ بیوہ ہو جانے کے بعد اُس کی قسمت کا فیصلہ شوہر کے رشتہ دار کرتے ہیں، نہ واپس میکے جا سکتی ہے اور نہ دوسری شادی اور نکاح کے بارے میں کوئی پلاننگ یا پیش بندی کر سکتی ہے حتّٰی کہ اِس موضوع پر بات تک نہیں کر سکتی۔ اُس کی مرضی ہو یا نہ ہو؛ اپنے پہلے شوہر کے بھائی کے نکاح میں جائے گی، اگر وہ بچہ ہے تو اُس کے بڑے ہونے کا انتظار کرے گی اور اگر دیور کوئی نہیں ہے تو شوہر کے کسی دوسرے رشتہ دار کے نکاح میں آئے گی۔ اسلام نے اُنہیں مجبور

کرنے کو ظلم سے تعبیر کرتے ہوئے اِس ذبر دستی کو حرام قرار دیا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ: نہ تو بیواؤں کو مالِ میراث سمجھا جائے، نہ اُن کے اپنی مرضی کا شوہر کے چُننے میں رکاوٹ ڈالی جائے اور نہ ہی مہر یا دوسری چیزوں کی واپسی کے لئے اُن پر دباؤ ڈالا جائے۔ شوہروں کو حکم دیا کہ بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں۔ اگر پسند نہ بھی ہوں تو اِس اُمید پر اُن کو رکھیں کہ اللہ اِن کو خیر اور بھلائی کا ذریعہ بنا دے گا۔ لیکن اگر اچھی اخلاق کی مالک نہیں ہیں اور اُن میں کوئی واضح بدکاری اور بد اخلاقی نظر آئی تو پھر تمہیں اختیار ہے کہ کچھ لے کر اُنہیں طلاق دے دو۔

وَإِنْ أَرَدتُّمُ ٱسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَءَاتَيْتُمْ إِحْدَىٰهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا۟ مِنْهُ شَيْـًٔا ۚ أَتَأْخُذُونَهُۥ بُهْتَـٰنًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴿٢٠﴾ وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُۥ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَـٰقًا غَلِيظًا ﴿٢١﴾

(۲۰) اور اگر تم ایک بیوی کو بدل کر دوسری سے نکاح کرنا چاہو اور اُن میں سے ایک کو ڈھیروں مال بھی دے رکھا ہو تو اُس میں سے کوئی چیز واپس نہ لو، کیا بہتان لگا کر اور کھلے گناہ کا ارتکاب کر کے واپس لینا چاہو گے؟ (۲۱) اور کس طرح واپس لو گے جب کہ تم آپس میں مباشرت کر چکے ہو اور اُنہوں نے تم سے مضبوط عہد بھی لے رکھا ہے۔

---

(۲۰)۔ اگر عورت صالح ہو، چھوڑ دینے اور طلاق کے قابل کسی جرم کی مرتکب نہ ہوئی ہو بلکہ اُس کا شوہر اپنے شوق کو پورا کرنے کے لئے چاہتا ہو کہ اُسے طلاق دے دے اور اُس کی جگہ دوسری شادی کر لے، تو اِس صورت میں مہر میں سے کچھ بھی واپس لینے کا حقدار نہیں ہے۔ ایسی کوئی بھی چیز واپس لینا حرام ہے۔ ایسا نہ ہونے پائے کہ مہر یا دوسری چیزیں اور تحفے تحائف واپس لینے کے لالچ میں اُس پر بہتان لگانے کی کوشش کی جائے اور طلاق دینے کے لئے ناجائز جوازات تلاش کر کے مہر کی واپسی اپنے لئے جائز قرار دی جائے۔

(۲۱)۔ کس دلیل کی بنیاد پر تم اپنی بی بی سے مہر کی واپسی کا تقاضا کر سکتے ہو؟ کیا نکاح کے وقت تم نے اُس سے یہ عہد نہیں باندھا تھا کہ اتنے اتنے مہر کے عوض اِسے اپنے نکاح میں قبول کرتا ہوں؟ اُسی عقدِ نکاح کی وجہ سے تو تمہارے لئے اُس کے ساتھ مباشرت کرنا جائز قرار پایا اور اُس پر عمل درآمد بھی ہوا۔ پھر تم کس دلیل کے بنیاد پر اور کیوں کر اُس مہر کی واپسی کا مطالبہ کرتے ہو۔

وَلَا تَنكِحُواْ مَا نَكَحَ ءَابَآؤُكُم مِّنَ ٱلنِّسَآءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ فَٰحِشَةً وَمَقْتًا وَسَآءَ سَبِيلاً ﴿٢٢﴾

(۲۲) اور اُن عورتوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہیں، مگر جو کچھ پہلے گزر چکا (سو گزر چکا)۔ یقیناً یہ کھلی بے حیائی، غضب کے قابل اور بُرا طریقہ ہے۔

---

(۲۲)۔ ماں اور سوتیلی ماں کے ساتھ نکاح تمہارے لئے حرام قرار دیا جاتا ہے۔ اگر اسلام سے پہلے یہ گناہ تم سے سرزد ہو چکا ہو تو اب اِسے چھوڑ دو اور اِس کے بعد اِسے ایک کھلی بے حیائی، اللہ کے غضب کا مستحق اور کراہت انگیز طریقہ سمجھو۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَٰتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَٰتُكُمْ وَعَمَّٰتُكُمْ وَخَٰلَٰتُكُمْ وَبَنَاتُ ٱلْأَخِ وَبَنَاتُ ٱلْأُخْتِ وَأُمَّهَٰتُكُمُ ٱلَّٰتِىٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَٰتُكُم مِّنَ ٱلرَّضَٰعَةِ وَأُمَّهَٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَٰٓئِبُكُمُ ٱلَّٰتِى فِى حُجُورِكُم مِّن نِّسَآئِكُمُ ٱلَّٰتِى دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُواْ دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَٰٓئِلُ أَبْنَآئِكُمُ ٱلَّذِينَ مِنْ أَصْلَٰبِكُمْ وَأَن تَجْمَعُواْ بَيْنَ ٱلْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٢٣﴾

(۲۳) تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں، تمہاری پھوپھیاں، تمہاری خالائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں اور وہ رضاعی مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری رضاعی بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہارے گھروں میں اُن بیویوں سے تمہاری سوتیلی بیٹیاں جن سے تمہاری قربت ہو چکی ہو، اور اگر قربت نہیں کی ہے تو گناہگار نہیں ہو گے اور تمہارے حقیقی بیٹوں کی بیویاں اور یہ کہ دو بہنیں نکاح میں اکٹھی کر لو؛ یہ سب تم پر حرام کی جاتی ہیں مگر وہ جو کچھ پہلے گزر چکا (سو گزر چکا)، یقیناً اللہ مہربان بخشنے والا ہے۔

---

(۲۳)۔ یہاں چند اور باتیں بھی ذہن میں رکھنی چاہئیں:

- رضاعی ماں کے جتنے ہر لڑکے لڑکی کو بہن بھائی قرار دیا گیا ہے دودھ پینے والے سے اُس کا نکاح حرام ہے۔

- بچے کے پیٹ میں جس طریقے سے بھی کسی عورت کا دودھ داخل ہو جائے وہ رضاعی ماں قرار پاجاتی ہے۔
- جس خاتون سے نکاح ہو جاتا ہے چاہے قربت ہو چکی ہو یا نہیں، اُس عورت کی ماں سے نکاح حرام ہو جاتا ہے۔ لیکن اِس خاتون کی اگر کوئی بیٹی موجود ہے تو اُس کے ساتھ نکاح صرف اُس صورت میں حرام قرار پاتا ہے جب نکاح کے علاوہ اُس کے ساتھ قربت بھی واقع ہو چکی ہو۔
- بیٹے کی بیوی سے نکاح حرام ہے چاہے وہ مطلقہ ہو یا بیوہ۔
- دو بہنوں کو نکاح میں اکٹھا کرنا حرام ہے لیکن اگر ایک فوت ہو جائے یا اُسے طلاق دی جائے اور عدت کی مدت گزر جائے تو اُس کی بہن سے نکاح جائز ہے۔

احادیث کی رو سے اُن دو عورتوں کو بھی نکاح میں اکٹھا کرنا حرام ہے جو آپس میں پھوپھی اور بھتیجی یا خالہ اور بھانجی ہوں۔ یعنی ایسی دو عورتوں کو نکاح میں اکٹھا کرنا حرام ہے جن میں سے اگر ایک مرد ہوتی تو اُن کا آپس میں نکاح حرام ہوتا۔

یہاں اُن عورتوں کی پہچان کرائی گئی ہے جن سے نکاح حرام ہے۔ اِن میں سے سات نسبی رشتے ہیں اور سات صہری (رشتہ داری کی بنیاد پر)۔ لیکن واضح رہے کہ محرمات صرف اِنہی مذکور رشتوں تک محدود نہیں ہیں بلکہ یہ رشتے محرمات کے لئے ایک بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں یعنی اِن کی رو سے اور اِن سے استناد کرتے ہوئے باقی محرمات بھی خود ہی معلوم ہو جاتی ہیں اور مقرر کی گئی ہیں۔ مثلاً قرآن نے یہ نہیں بتایا کہ پوتے پوتی یا نانی دادی کا کیا حکم ہے؛ چاہے اپنے ہوں یا بیوی کے اور یا بہن اور بھائی کے ہوں؟ یہ بھی نہیں بتایا کہ کیا اپنی بی بی کی پھوپھی یا بھانجی کو اُس کے ساتھ نکاح میں اکٹھا کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ مگر اِن آیات میں مذکور رشتوں سے استناد کرتے ہوئے ہر باشعور انسان اِن سوالات کا جواب آسانی کے ساتھ تلاش کر سکتا ہے۔ باقی تمام محرمات کا تعین بھی اِنہی چودہ رشتوں کی بنیاد پر اِنہی آیات کی روشنی میں کیا گیا ہے، ایسا نہیں ہے کہ اُن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر علیٰحدہ سے وحی نازل ہوئی ہو۔

آج علمی تجربات کے رو سے بھی یہ ثابت ہو چکا ہے کہ محرم رشتہ داروں کے ساتھ نکاح مضر ہے یعنی خراب نتائج کا حامل ہو سکتا ہے اور ضعیف اور بیماریوں کے مقابلے میں کم قوتِ مدافعت رکھنے والی اولاد پیدا ہونے کا سبب بنتا ہے۔

وَٱلْمُحْصَنَٰتُ مِنَ ٱلنِّسَآءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَٰنُكُمْ ۖ كِتَٰبَ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَآءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا۟ بِأَمْوَٰلِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَٰفِحِينَ ۚ فَمَا ٱسْتَمْتَعْتُم

بِهِۦ مِنْهُنَّ فَـَٔاتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةًۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَٰضَيْتُم بِهِۦ مِنۢ بَعْدِ ٱلْفَرِيضَةِۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٢٤﴾

(۲۴) اور عقدِ نکاح میں موجود عورتیں مگر یہ کہ تمہارے ملکِ یمین میں آجائیں، یہ تم پر لکھا ہوا (prescribed) الٰہی فریضہ ہے اور اِن کے علاوہ باقی تمہارے لئے جائز کی گئی ہیں کہ اپنے مال خرچ کر کے نکاح کے لئے اِن کے طالب بنو؛ نہ کہ عیاشی کے لئے۔ تو اگر اِس (مال) کے ساتھ اِن سے تمتع کرو تو اِن کے فرض مہر ادا کرو اور مہر کے بعد اُس چیز میں تمہارے لئے کوئی گناہ نہیں ہے جس پر تم آپس میں راضی ہو جاؤ، بے شک اللہ باحکمت جاننے والا ہے۔

(۲۴)۔ یہاں چند رہنمائیاں کی گئی ہیں:

وہ عورتیں جن کا عقدِ نکاح ابھی قائم ہے، پہلے ذکر کی گئی محرمات کی ضمن میں آتی ہیں۔ اِن میں سے مستثنٰی صرف وہ ہیں جو مسلمانوں کے قبضے میں آئی ہوں اور اپنے سابقہ شوہروں سے اُن کا تعلق قطع ہو گیا ہو۔ یہ یا تو لونڈیاں ہو سکتی ہیں یا محارب دشمن کی وہ عورتیں جو مسلمانوں کی قید میں آجائیں؛ لونڈیوں کا سلسلہ تو اب ختم ہو چکا ہے تاہم اسیر خواتین کے ساتھ درج ذیل میں سے کوئی ایک سلوک کیا جائے گا: اگر ایمان لائیں تو اُن کے ساتھ مسلمان عورتوں جیسا سلوک کیا جائے گا۔ اگر اپنے مذہب پر قائم رہنا چاہیں تو مسلمانوں کا امیر یا تو اپنے قیدیوں کے ساتھ اِن کا تبادلہ کرے گا یا فدیہ لے کر اُنہیں آزاد کرے گا۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو کسی کے نکاح میں دے گا مگر اِس شرط کے ساتھ کہ اُس کے ساتھ اِس کا نکاح جائز ہو۔

اِن محرمات کے علاوہ باقی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے مگر دو شرائط لاگو ہیں: ایک یہ کہ اُن کو اپنے نکاح میں رکھنے کے ارادے سے اُن کے ساتھ نکاح کیا جائے، نہ کہ اپنی جنسی خواہش کی وقتی تکمیل کے ارادے سے۔ دوسرا یہ کہ اُن کے مہر ادا کئے جائیں۔

قرآن نے عقدِ نکاح میں آئے ہوئے مردوں کے لئے محصنین اور عقد نکاح میں پابند عورتوں کے لئے محصنات کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ حصن قلعہ کو کہا جاتا ہے اور محصِن اُس کو کہتے ہیں جو دوسرے کو اپنے حفاظت میں رکھتا ہے۔ اسی طرح محصَن وہ ہوتا ہے جو کسی کے حفاظت کی گود میں محفوظ ہو گیا ہو۔ اِن الفاظ کے ذریعے قرآن نے نکاح کی حقیقت واضح کی ہے یعنی یہ کہ نکاح ایک وقتی جنسی رابطہ نہیں ہے جسے محض اپنا شوق پورا کرنے کے لئے یا اپنی جنسی ضرورت رفع کرنے کے لئے انجام

دیا جائے۔ بلکہ نکاح کی قید میں اور اُس کے احاطے میں داخل ہونا ایک گھرانے کی تشکیل کے لئے ایک دائمی اور مستقل بندھن ہے؛ خبر دار اس منزہ بندھن کو چھپ کر یاری کرنے اور جنسی جذبے کی تکمیل کا رنگ نہ دیں۔

انتہائی تعجب کی بات ہے اگر کوئی قرآن کی اِس صراحت کو نظر انداز کرتا ہے اور وقتی نکاح کو جائز قرار دیتا ہے۔ قرآن نہ صرف نکاح کو ایک غیر معینہ مدت کا بندھن قرار دیتا ہے بلکہ بہ تکرار اور زور دے کر یہ بات کرتا ہے اور کسی بھی جگہ ایسا کوئی لفظ استعمال نہیں کرتا جس سے وقتی معاہدے کے جواز کا شائبہ پیدا ہو۔ اِس کے برعکس قرآن کے بیان اور اُس کے اسلوب سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ وہ وقتی نکاح کو ایسی نگاہ سے دیکھتا ہے جیسے ایک شہوانی اقدام یا چُھپ کر یاری کرنا؛ پیغمبر علیہ السلام نے اِنہی تاکیدات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے وقتی نکاح کو حرام قرار دیا۔

نکاح اور استمتاع کے بعد عورتوں کو اُن کے مقررہ مہر اُن کے ساتھ کیے گئے وعدے کے مطابق دینا ایک الٰہی فریضہ ہے۔ لیکن اگر بیوی اور شوہر آپس میں مہر کے بارے میں کوئی فیصلہ کر لیں، ایک دوسرے کے لئے اپنے حق میں سے کچھ چھوڑ دیں یا ادائیگی کی تاریخ بدلنا چاہیں یا کوئی اور تغیر لانا چاہیں تو اُن کو اِس کی اجازت ہے۔

آیت کا دوسرا حصہ پہلے کے لئے مزید شرح اور تفصیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ حرفِ (فاء) اور (بہ) کے ذریعے دوسرا حصہ پہلے والے حصے کے ساتھ ملایا گیا ہے اور بہت صراحت کے ساتھ بتاتا ہے کہ: اس فقرے (وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَآءَ ذَٰلِكُمۡ أَن تَبۡتَغُواْ بِأَمۡوَٰلِكُم) میں بیان کیے گئے مطلب کی مزید توضیح (فَمَا ٱسۡتَمۡتَعۡتُم بِهِۦ مِنۡهُنَّ فَـَٔاتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً) کے فقرے میں کی گئی ہے۔ یہاں استمتاع سے مراد اپنے لئے جائز قرار دے کر اُس سے استفادہ کرنا ہے، (بہ) سے مال اور (أُجُورَهُنَّ) سے اُن کا مہر مراد ہے۔ جس طرح یہ حصہ پہلے والے کی شرح ہے اسی طرح اِس کے بعد کا حصہ خود اِس حصے کی مزید شرح ہے: وَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِيمَا تَرَٰضَيۡتُم بِهِۦ مِنۢ بَعۡدِ ٱلۡفَرِيضَةِۚ

افسوس کی بات ہے کہ بعض لوگوں نے (استمتاع) سے (متعہ) وقتی نکاح مراد لیا ہے اور (اجور) سے مہر کے بجائے وقتی نکاح کی قیمت مراد لی ہے۔ حالانکہ استمتاع اِس جگہ کے علاوہ پانچ دوسرے مقامات پر بھی آیا ہوا ہے اور کسی جگہ بھی اِس سے متعہ مراد نہیں لیا جا سکتا ہر جگہ یہ لفظ متمتع ہونے اور فائدہ اُٹھانے کا معنٰی دیتا ہے۔ اسی طرح اجور بھی پانچ دوسری آیات میں مہر کے معنوں میں آیا ہے۔ خود اسی سورت کی پچیسویں آیت میں بھی اِس سے مہر ہی مراد ہے نہ کہ کچھ اور۔

مصیبت یہ ہے کہ بعض لوگ اپنے مسلک اور مذہب سے مربوط روایات کو اپنے لئے معیار بنالیتے ہیں اور یہ کوشش کرتے ہیں کہ قرآن کی آیات کی ایسی تأویل کریں جن سے اُن کا ہدف اُنہی روایات کو تقویت دینا ہوتا ہے۔ اگر (اپنی پسندیدہ) کسی روایت کو قرآن کی کسی آیت کے ساتھ متعارض پاتے ہیں اور آیت کے تمام الفاظ اور اُن کی ترکیب صراحت اور قطعیت کے ساتھ اُس روایت کی نفی کرتے ہوں تو بھی اِس پر تیار نہیں ہوتے کہ اُس روایت کو چھوڑ دیں اور یا اُس کی تاویل قرآن کی روشنی میں کریں۔ بلکہ وہ اُس آیت کا صریح مفہوم چھوڑ دیتے ہیں اور اُس سے ایک ایسا پُر تکلف اور ٹیڑھا مطلب نکال لیتے ہیں جو اُن کی اُس غلط اور ضعیف روایت کی تائید کرے۔ وقتی نکاح اور متعہ کے بارے میں وہ کونسی روایت ہے جس پر یہ لوگ انحصار کرتے ہیں؛ مناسب تو یہ ہے کہ وہ قرآن سے اُس روایت کی تائید میں کوئی دلیل پیش کریں۔ مگر چونکہ کوئی واضح دلیل نہیں ڈھونڈھ پاتے بلکہ اِس کے برعکس قرآن کو نکاح کے دوام اور غیر وقتی ہونے پر تاکید کرنے والا پاتے ہیں۔ نکاح کرنے والوں کو محصنین اور نکاح کرنے والیوں کو محصنات سے موسوم ہوتا دیکھتے ہیں اور اُسے مسلمانوں کو مکرر یہ ہدایت دیتے ہوئے پاتے ہیں کہ نکاح کو ایسی شے نہ بنائیں کہ وہ زنا یا چھُپ کر یاری کرنے کے مشابہ ہو جائے۔ دوسری طرف اُنہیں قرآن سے تضاد رکھنے والی اُس روایت سے پیار بھی ہوتا ہے اور اُس کے چھوڑنے میں مشکل پیش آرہی ہوتی ہے لہٰذا قرآن کی آیات میں تصرف کرنا شروع کر دیتے ہیں اور بجائے روایت کے اُن آیات کی تأویل کرنے لگ جاتے ہیں۔ اُن سے ایسا مفہوم نکال لاتے ہیں جس سے اُن کی اُس روایت کی تائید ہوتی ہو۔ ہم کسی ایسی روایت کو کس طرح قابلِ اعتبار تسلیم کرلیں جو قرآن کی آیات کے ساتھ متعارض ہو؟ قرآن پر ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایسی روایت کے بارے میں یہ کہہ دیں کہ: لگتا ہے راوی سے کوئی لغزش ہوگئی ہے یا شاید یہ روایت اُس دور سے متعلق ہے جب یہ آیت نازل نہیں ہوئی تھی۔ قرآن نے ایسے لوگوں کو کس خوبصورتی سے بے نقاب اور متعارف کرایا ہے، جہاں یہ فرمایا ہے کہ:

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُۥنَ أَلْسِنَتَهُم بِٱلْكِتَٰبِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ ٱلْكِتَٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ ٱلْكِتَٰبِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِندِ ٱللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِندِ ٱللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٨﴾ الِ عمران ۷۸

اور ان میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو اپنی تحریر اور کتاب پر زبان اِس طرح پھیر لیتے ہیں کہ تم اُسے اللہ کی کتاب کا کوئی حصہ سمجھ بیٹھتے ہو، حالانکہ وہ اللہ کے کتاب کا حصہ نہیں ہے اور کہتے ہیں: یہ تمام باتیں اللہ کی طرف سے ہیں اِس حال میں کہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہیں، اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اِس حال میں کہ خوب جانتے ہیں۔

وَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنكُمْ طَوْلًا أَن يَنكِحَ ٱلْمُحْصَنَٰتِ ٱلْمُؤْمِنَٰتِ فَمِن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَٰنُكُم مِّن فَتَيَٰتِكُمُ ٱلْمُؤْمِنَٰتِ ۚ وَٱللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَٰنِكُم ۚ بَعْضُكُم مِّنۢ بَعْضٍ ۚ فَٱنكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَءَاتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ مُحْصَنَٰتٍ غَيْرَ مُسَٰفِحَٰتٍ وَلَا مُتَّخِذَٰتِ أَخْدَانٍ ۚ فَإِذَآ أُحْصِنَّ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَٰحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى ٱلْمُحْصَنَٰتِ مِنَ ٱلْعَذَابِ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِىَ ٱلْعَنَتَ مِنكُمْ ۚ وَأَن تَصْبِرُوا۟ خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٥﴾

(۲۵) اور تم میں سے وہ لوگ جو اپنی مالی حیثیت سے اِس کی طاقت نہیں رکھتے کہ مومن بیبیوں سے نکاح کر لیں تو پھر اپنے قبضے میں موجود باایمان کنیزوں میں سے (کسی کو نکاح میں لے لیں)۔ اور اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے، تم ایک دوسرے میں سے ہو، تو اُن کے مالکوں کی اجازت سے اُن کے ساتھ نکاح کر لو اور اُن کے مہر بھلے طریقے سے ادا کرو؛ نکاح کے حصار میں لانے کے لئے، نہ کہ زنا کے لئے اور نہ چھپ چھپا کر یاری کرنے کے لئے۔ تو نکاح میں آنے کے بعد اگر وہ کوئی بے حیائی کریں تو اِن کے لئے آزاد عورتوں کے عذاب کا نصف مقرر ہے؛ یہ تم میں سے اُس شخص کے لئے ہے جسے گناہ میں پڑنے کا اندیشہ ہے اور اگر صبر سے کام لو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اللہ مہربان معاف کرنے والا ہے۔

---

(۲۵)۔ یہاں اُن لوگوں کے بارے میں ارشاد کیا جارہا ہے جو مالی لحاظ سے کمزور ہیں۔ جو نہ تو آزاد عورت کے مہر کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ ہی اُن کے نان نفقہ اور پوشاک کی۔ اِن کے بارے میں درج ذیل رہنمائیاں کی گئی ہیں:

- مومن کنیزوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کر لیں۔
- وہی جو بظاہر ایمان لاچکی ہوں، اُن کی اِسی ایمان پر اکتفا کر لیں، دلوں کا حال تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔
- اِسے عار کی بات نہ سمجھو، کنیز بھی تمہاری طرح انسان ہے۔
- مالک کی اجازت ہی سے اُس کے ساتھ نکاح کرو گے۔
- اُس کا مہر ادا کرو گے۔

- نکاح کرنے کا مقصد اور ہدف عقدِ نکاح کے سائے تلے پناہ لیناہی ہو گی۔
- جنسی جذبات کی آسودگی کے لئے ایک وقتی اور عارضی بندھن نہیں ہو گا۔ ایسانہ ہو کہ زنا کی کوئی قانونی صورت تشکیل دو۔
- یہ ایک کھلا اور منزہ بندھن ہو گانہ کہ چھپ چھپا کر کیا گیا کوئی معاملہ۔
- اگر نکاح کی حفاظت میں آنے کے بعد اُس نے زنا کیاتو اُس کی سزا آزاد عورت سے آدھی ہو گی۔
- یہ رہنمائیاں اُن لوگوں کے لئے ہیں جن کو گناہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو، نکاح کرنے کے لئے اپنے آپ کو مجبور پاتے ہوں اور اِس کے بغیر گناہ میں پڑ جانے کا اندیشہ رکھتے ہوں۔
- اگر اِس رخصت سے استفادہ کرنے کے بجائے صبر کر لیں تو یہ اُن کے لئے زیادہ بہتر ہے۔

يُرِيدُ ٱللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦﴾ وَٱللَّهُ يُرِيدُ أَن يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ ٱلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ ٱلشَّهَوَٰتِ أَن تَمِيلُوا۟ مَيْلًا عَظِيمًا ﴿٢٧﴾ يُرِيدُ ٱللَّهُ أَن يُخَفِّفَ عَنكُمْ ۚ وَخُلِقَ ٱلْإِنسَـٰنُ ضَعِيفًا ﴿٢٨﴾

(۲۶) اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے لئے بیان فرمائے اور اُن لوگوں کے رسم ورواج تمہیں سکھائے جو تم سے پہلے تھے اور تم پر لوٹ آئے (رحمت کے ساتھ) اور اللہ باحکمت جاننے والا ہے۔ (۲۷) اللہ تو چاہتا ہے کہ تم پر رحمت کے ساتھ لوٹ آئے اور وہ لوگ جو شہوات کی پیروی کرتے ہیں؛ اُن کی خواہش ہے کہ تم بڑی عظیم گمراہی میں پڑ جاؤ۔ (۲۸) اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے بوجھ ہلکے کر دے اور انسان تو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

(۲۶۔۲۸)۔ اللہ تعالیٰ یہ ارشادات اور رہنمائیاں کر کے تم سے حقائق بیان کرنا چاہتا ہے۔ تمہیں تم سے پہلے گزری ہوئی امتوں کے اچھے طور طریقے اور اپنی نوازشوں اور رحمتوں کے حصول کے طریقے بتانا چاہتا ہے۔ یہ تمام احکام الٰہی حکمت پر قائم ہیں، اِن میں سے ہر ایک میں تمہارے لئے کئی مصالح پوشیدہ ہیں اور اُس نے انسان کی کمزوریوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے تمہارے بوجھ کم کیے ہیں۔ اِس کے برعکس شیطان کے ساتھی اور وہ جو اپنی ہوس کے بندے ہیں اور شہوات کے پیچھے دوڑ رہے ہیں؛ اُن کی کدو

کاوش یہ ہے کہ تمہیں اُلٹے سیدھے راستوں پر ڈال دیں تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے صراطِ مستقیم سے ہٹ جاؤ اور اپنی فطرتِ سلیم کے تقاضوں سے بھی انحراف کرلو۔

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَأۡكُلُوٓاْ أَمۡوَٰلَكُم بَيۡنَكُم بِٱلۡبَٰطِلِ إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَٰرَةً عَن تَرَاضٖ مِّنكُمۡۚ وَلَا تَقۡتُلُوٓاْ أَنفُسَكُمۡۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِكُمۡ رَحِيمٗا ﴿٢٩﴾ وَمَن يَفۡعَلۡ ذَٰلِكَ عُدۡوَٰنٗا وَظُلۡمٗا فَسَوۡفَ نُصۡلِيهِ نَارٗاۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرًا ﴿٣٠﴾

(۲۹) اے ایمان والو! آپس میں اپنے اموال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ، سوائے آپس کے رضامندی کی تجارت کی اور اپنی جانوں کو قتل نہ کرو، یقیناً اللہ تم پر مہربان ہے۔ (۳۰) اور جس نے تعدی اور ظلم کر کے یہ کام کیا، تو ہم عنقریب اُسے آگ میں ڈال دیں گے اور یہ تو اللہ کے لئے آسان ہے۔

(۲۹۔۳۰)۔ خاندانی زندگی کے بارے میں ہدایات کے بعد اِن آیات میں مسلمانوں کے آپس کے مالی معاملات کے بارے میں چند اساسی رہنمائیاں فرمائی گئی ہیں:

- ناجائز ذریعوں سے ایک دوسرے کے اموال نہ کھاؤ۔ اِس میں اُن تمام ناجائز راستوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جنہیں اسلام نے حرام قرار دیا ہے مثلاً سود، جوا، ذخیرہ اندوزی، دھوکہ، رشوت، حرام اشیاء کی تجارت وغیرہ۔
- تجارت ایک جائز کام ہے، اِس کے ذریعے ایک دوسرے سے جائز منافع کماسکتے ہو مگر تجارت میں جانبین کی رضامندی کا خیال رکھنا ہوگا۔ کوئی دوسرے کی مجبوری سے ناجائز فائدہ نہیں اُٹھائے گا۔
- خودکشی سے اجتناب کریں، ایسا نہ ہو کہ فقر کی وجہ سے یا اُس کے خوف سے اپنی جان یا اپنی اولاد کی جان لے لو۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوؤ۔
- لیکن اگر ظلم اور حد سے گزرنا انسان کی جان لینے اور قتل کرنے کا محرک بنا ہو تو یہ ظالم اور سرکش اللہ کے عذاب کا انتظار کریں۔ اِس کا معنٰی یہ ہے کہ مبادا کسی انسان کو ظلم اور سرکشی کرکے قتل کرڈالو یا کوئی ایسا اقتصادی نظام اپنالو کہ مفلسوں کو مزید مفلسی میں دھکیل کر اُن کو تدریجاً موت کی دہلیز تک پہنچادو۔ آج جو اقتصادی نظام پوری دنیا پر مغرب نے مسلط کر رکھا ہے اُس نے پورے کرۂ ارض کو سرمایہ دار اور فقیر مملکتوں میں بانٹ رکھا ہے۔ یہ اسی نظام کا احسان ہے کہ ایک

بسیار خوری سے مر رہا ہے اور دوسرا سوکھی روٹی کا ایک نوالہ میسر نہ ہونے سے۔ ایک موٹاپے کی بیماریوں کے علاج کی دوائی ڈھونڈ رہا ہے تو دوسرا ٹی بی اور ملیریا کا شکار ہے اور اُس کے جسم پر منڈھی ہوئی کھال کے نیچے سوائے ہڈیوں کے اور کچھ نہیں ہے۔ ایک بڑے بڑے افسانوی بنگلوں میں بھی خوش نہیں ہے اور دوسرا پھٹے پُرانے کپڑے کے بنے ہوئے خیمے میں سردی سے ٹھٹھر کر یا ٹین کی چھت کے نیچے گرمی سے جل کر مر رہا ہے۔ مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام جونک کی طرح تیسری دنیا کے مظلوم عوام کی رگوں سے خون چوس رہا ہے اور اُس نے ایسے ظالم اور بے رحم حکومتیں، بادشاہ اور جرنیل اُن پر مسلط کر رکھے ہیں جن کے ذریعے اُن کے وسائل غارت کر رہا ہے۔ ایک ٹکڑا لوہا اور پلاسٹک سونے کے نرخ پر اُن کے ہاتھ بیچ رہے ہیں اور اُن کے وسائل اسلحے کی خریداری پر صرف کروا رہے ہیں مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ وہ اسلحہ بھی بجائے اُن کے دشمنوں کے خلاف استعمال ہونے کے اُن کے اپنے سینے چھلنی کیے دے رہا ہے۔ پچھلی صدی میں استعماری طاقتیں فوج کی مدد سے ملکوں پر قبضے جما کر اپنی کمپنیوں کے سپرد کرتی تھیں مگر آج وہ اِن ملکوں کی اپنی افواج سے یہی کام لیتی ہیں۔ چند جرنیل سستی قیمت پر خرید لیتے ہیں اِس طرح فوج بھی اُن کے قبضے میں آجاتی ہے جن سے تحریکوں کے کچلنے کا کام لیتے ہیں اور فوجی کاروائیاں (military coup) کر کے نظامِ حکومت اور حکمران دونوں کو تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ قرآن کے اِس بیان میں اِن سارے حقائق کی توضیح کی گئی ہے۔ سچائی کی بات یہی ہے کہ ناجائز طریقوں سے لوگوں کا مال کھانا، انسانوں کے قتل اور ہلاکت کا بہت بڑا عامل ہے۔

إِن تَجْتَنِبُواْ كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّـَٔاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُم مُّدْخَلاً كَرِيمًا ﴿٣١﴾

(۳۱) جن بڑے بڑوں سے منع کئے گئے ہو اگر اُن سے تم نے اجتناب کیا، تو ہم تمہاری برائیاں تم سے جھاڑ دیں گے اور داخلے کی عزتمند جگہ میں تمہیں داخل کر دیں گے۔

---

(۳۱)۔ یہاں سیئات کبائر کے مقابل میں ذکر کیے گئے ہیں اور یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ اگر بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہے تو اللہ تعالیٰ تمہارے چھوٹے چھوٹے گناہ معاف کر دے گا۔ مگر یہ کہ بڑے گناہ کون سے ہیں اور چھوٹے کون سے؟ کیا اِن سے مراد صرف یہی گناہ ہیں جن کی طرف درج بالا آیت میں اشارہ کیا گیا ہے؟ یعنی ناحق دوسرے کا مال کھانا اور نفس کا قتل یا اِس کا معنٰی عام ہے اور اُن تمام گناہوں کا احاطہ کرتی ہے جن کو اسلام کبائر کہتا ہے؟ اور اگر عام ہے تو پھر وہ کبائر کون کون سے ہیں؟ اِس کے بارے میں درج ذیل باتیں یاد رکھیں:

- یہاں تکفیرِ سیئات سے چھوٹے چھوٹے گناہوں کی بخشش بھی مراد ہو سکتی ہے اور بُرے اخلاق و عادات کی اصلاح بھی؛یعنی یا تغفیر الذنوب کے معنٰی میں آیا ہے اور یا اپنی اصل معنٰی میں۔ اصل معنٰی مراد لینا زیادہ بہتر ہے کیونکہ توبہ کرنے سے تو اللہ ہر گناہ معاف کر دیتا ہے۔
- بڑے گناہوں سے اجتناب کی صورت میں چھوٹے گناہوں کی معافی کی تفصیل وہی ہے جو ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی کی روایت میں آیا ہے۔

عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم كتب الله على بن آدم حظهمن الزنى أدرك ذلك لا محالة فزنى العين النظر وزنى اللسان النطق والنفس تتمنى ذلك و تشتهي و يصدق ذلك الفرج أو يكذنه. رواه ابن حبان

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالٰی نے بنی آدم کے لئے زنا کا جو حصہ مقرر فرمایا ہے وہ ضرور اُسے چکھے گا، تو آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، زبان کا زنا اُس کے متعلق باتیں کرنا ہے، نفس اُس کی تمنا اور خواہش کرتا ہے اور فرج اِس کی تصدیق یا تکذیب کر لیتی ہے۔

یعنی کسی ایک گناہ میں انسان کے تمام اعضاء اپنا اپنا حصہ رکھتے ہیں، آنکھیں، زبان، ہاتھ، پاؤں اور دل۔ اگر آخر میں یہ گناہ انجام پا جاتا ہے تو تمام شریک اعضاء اپنی اپنی سزا پائیں گے اور اگر انجام نہ پائے تو اِن اعضاء کے گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔

پچھلے آیاتِ مبارکہ میں اُن سات بڑے بڑے گناہوں میں سے جن کو پیغمبر علیہ السلام نے موبقات کہا ہے، تین کا ذکر آ گیا ہے: قتل، سود اور یتیم کا مال کھانا:

عن أبي بريرة أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال اجتنبوا السبع الموبقات قيل يا رسول الله و ماهن قال الشرك بالله و السحر و قتل النفس التي حرم الله إلا بالحق وأكل مال اليتيم وأكل الربا و التولي يوم الزحف و قذف المحصنات الغافلات المؤمنات:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات تباہ کرنے والوں سے بچو، کہا گیا: یا رسول اللہ: وہ کون کون سے ہیں: اُنہوں نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک، سحر، اُس نفس کا قتل جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے مگر حق کے ساتھ، یتیم کا مال کھانا، سود کھانا، لڑائی کے دن منہ پھیر کر بھاگ جانا، اور مومنہ، عفیفہ اور گناہ سے غافل عورتوں پر تہمت لگانا۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا۟ مَا فَضَّلَ ٱللَّهُ بِهِۦ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا ٱكْتَسَبُوا۟ ۖ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا ٱكْتَسَبْنَ ۚ وَسْـَٔلُوا۟ ٱللَّهَ مِن فَضْلِهِۦٓ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمًا ﴿٣٢﴾

(۳۲)اور اُس چیز کا لالچ نہ کرو جس میں اللہ نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت بخشی ہے۔ مردوں کے لئے حصہ ہے اُس میں سے جو اُنہوں نے کمایا اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اُس میں سے جو اُنہوں نے کمایا، اور اللہ سے اُس کا فضل طلب کرو، یقیناً اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

---

(۳۲)۔ یہ آیت ایسے مقام پر آئی ہے کہ اِس سے پہلے اور بعد میں بھی مال اور میراث کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی اِسی موضوع سے متعلق وصیت کی گئی ہے۔ کہا گیا ہے کہ دوسرے کو حاصل نعمتیں تمہارے اندر حرص اور حسد کے جذبات پیدا نہ کرنے پائیں۔ ہر ایک کو اپنی کمائی میں سے حصہ ملے گا چاہے مرد ہے یا عورت۔ مال و دولت کے بجائے اُن نیک اعمال کا اہتمام کرو جن کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں لازماً تمہیں ملنے والا ہے۔ تاہم اگر مال و دولت بھی چاہیے، تو اُسے اللہ سے مانگو اور حلال و جائز راستوں سے اُس کے حصول کی کوشش کرو۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ ٱلْوَالِدَانِ وَٱلْأَقْرَبُونَ ۚ وَٱلَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَـٰنُكُمْ فَـَٔاتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ شَهِيدًا ﴿٣٣﴾

(۳۳)اور ہر ایک کے لئے ہم نے اُس چیز کے وارث ٹھہرا رکھے ہیں جسے والدین اور رشتہ دار اپنے پیچھے چھوڑتے ہیں اور وہ جن سے تم نے قسمیں اور پیمان باندھ رکھے ہیں، اُن کا حصہ اُنہیں ادا کرو بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔

---

(۳۳)۔ وارثوں کے لئے اُن کے حصے مقرر ہیں، مگر وہ لوگ جن کے ساتھ تم نے موالات اور مواخات کے ایسے تعلق قائم کئے ہیں، کہ ہمیشہ ایک دوسرے کا بے غرضی سے ساتھ دیا ہے، اُنہیں بھی مناسب حصہ دے دو۔

ٱلرِّجَالُ قَوَّٰمُونَ عَلَى ٱلنِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ ٱللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَآ أَنفَقُوا۟ مِنْ أَمْوَٰلِهِمْ ۚ فَٱلصَّـٰلِحَـٰتُ قَـٰنِتَـٰتٌ حَـٰفِظَـٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ ٱللَّهُ ۚ وَٱلَّـٰتِى تَخَافُونَ

نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَٱهۡجُرُوهُنَّ فِي ٱلۡمَضَاجِعِ وَٱضۡرِبُوهُنَّۖ فَإِنۡ أَطَعۡنَكُمۡ فَلَا تَبۡغُواْ عَلَيۡهِنَّ سَبِيلًاۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلِيّٗا كَبِيرٗا ﴿٣٤﴾

(۳۴)مرد عورتوں پر قیم (منتظم اور مدبر) ہیں، اُس فضیلت کی وجہ سے جو اللہ نے اُن میں سے ایک کو دوسرے پر دے رکھی ہے اور اپنے مالوں کے انفاق کی بناء پر بھی۔ تو صالح عورتیں مطیع ہوتی ہیں اور (مردوں کی) غیر موجودگی میں اُس چیز کی حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں جسے اللہ نے محفوظ کیا ہے۔ پس جن عورتوں سے بد خوئی اور سرتابی کا اندیشہ رکھتے ہو تو اُنہیں نصیحت کرو، اور خواب گاہوں میں اُن سے علیٰحدہ رہو اور اُنہیں مارو (سزادو)۔ پس اگر وہ تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو اُن کے خلاف حیلے بہانے نہ ڈھونڈو، بے شک اللہ اعلیٰ عظیم ذات ہے۔

---

(۳۴)۔ اِس مبارک آیت میں آپس کے گھریلو معاملات اور میاں بیوی کے مابین ذمہ داریوں کے بارے میں درج ذیل ہدایات دی گئی ہیں:

- گھر ایک چھوٹا سا معاشرہ ہے۔ چاہے چھوٹا ہو یا بڑا ہر معاشرہ ایک قیم، رئیس اور ناظم کی ضرورت رکھتا ہے اِس لئے کہ مدیر اور ناظم کے بغیر معاشرہ بدنظمی اور انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔ گھرانے کے نظم وضبط کے قیام کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے مرد کے حوالے کی ہے اور اِس کے لئے دو دلیلیں دی ہیں۔ پہلی یہ کہ اِس ذمہ داری کے لئے مرد عورت کی نسبت زیادہ مناسب ہے۔ عورت کے جذبات اور عقل کے درمیان تعلق ایسا ہے جس میں جذبات کا پلڑا کافی بھاری ہوتا ہے۔ اُن کا جذبۂ ترحم کافی قوی ہوتا ہے، اتنا قوی کہ اکثر و بیشتر عقل کو زیر کر لیتا ہے۔ چونکہ یہ صفت اولاد کی پرورش کے لئے سب سے بڑی ضرورت ہوتی ہے اِس لئے اُن میں بدرجہ اتم رکھی گئی۔ یہ اِسی لطف و کرم کا کمال ہے کہ اولاد کی بھلائی اور آرام کی خاطر وہ اپنی آسودگی کی قربانی دیتی ہے۔ یہ وہ جوہر ہے جس سے مرد محروم ہیں، اُن کے جذبات اتنے قوی نہیں ہوتے اور اُن کی عقل اور جذبات کے درمیان ایک گونہ مناسبت پائی جاتی ہے، یہی مناسبت قوامیّت اور مدیریت کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوسری دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ گھرانے کے تمام مصارف اُس کے ذمے ہیں، مہر سے لے کر گھر چلانے اور نان نفقہ کی فراہمی تک۔

- صالح عورتیں وہ ہیں جو گھر میں مرد کی قوامیت تسلیم کرتی ہیں۔ اِس بات کا لالچ نہیں کرتیں کہ خود گھر کی حاکم بنیں اور شوہر اُن کے زیرِدست اور تابع فرمان ہو۔ شوہر کی غیر حاضری میں گھر کی اُن تمام چیزوں کی حفاظت کرتی ہیں جن کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، اپنی عفت کی، اپنے بچوں کی، شوہر کے مال اور اُس کی عزت کی۔

اِس آیت کی رو سے مرد گھر کا مختار اور بیوی اُس کی امین ہے۔ صالح عورت وہ ہے جو ذمہ داریوں کی اِس تقسیم کو تسلیم کرتی ہے اور اپنے حصے کے کام اچھی طرح انجام دیتی ہے۔

اگرچہ اِن دو خصوصیات کی بناء پر اسلام نے مرد کو گھرانے کا سربراہ مقرر کیا ہے اور مرد وعورت دونوں کو مگر مرد کو خاص طور پر، اچھے سلوک اور گھر کے تمام امور میں مشورے کا مکلف بنایا ہے۔

اگر عورت نہ ذمہ داریوں کی درج بالا تقسیم ماننے پر تیار ہو اور نہ امین ہونے کی اپنی ذمہ داری خوش اسلوبی اور اخلاص کے ساتھ پوری کرتی ہو۔ اپنے آپ کو شوہر سے بالاتر سمجھتی ہو، سرکشی پر مائل ہو اور اِس کوشش میں رہتی ہو کہ شوہر کو مطیع اور فرمانبردار رکھے تو اِس مسئلے کے حل کے لئے شوہر مندرجہ ذیل اقدامات کر سکتا ہے۔ وعظ ونصیحت کے ساتھ اُس کی اصلاح کرے، اگر وہ نتیجہ خیز ثابت نہ ہو تو کچھ عرصے کے لئے ناراض ہو جائے، مگر ایسی ناراضگی نہیں کہ گھر چھوڑ دے یا اُسے گھر سے نکال دے بلکہ اپنے گھر میں رہتے ہوئے اُس سے روٹھ کر اپنا بستر علیٰحدہ کرلے۔ ہو سکتا ہے اِس طرح اُس کا بے جا غرور ٹوٹ جائے اور صلح صفائی ہو جائے۔ لیکن اگر یہ تدبیر بھی کارگر ثابت نہ ہو تو تادیب کے لئے مار پیٹ کر سکتا ہے مگر یہ اُسی طرح ہو جیسے ایک باپ اپنے بیٹے کو تادیب کے لئے مارتا ہے۔ اِس کا ہدف اصلاح ہو نہ کہ بدلہ اور انتقام اور نہ ہی اپنی بالادستی ثابت کرنا۔ نہ تو چہرے یا کسی نازک حصہ ٔجسم پر مارنے کی اجازت ہے اور نہ کسی ایسی چیز کا وار کرے جو اُسے زخمی کر دے۔ اگر اِس طرح وہ سرکشی سے باز آجائے اور شوہر کی اطاعت قبول کرے تو اُس کے گزشتہ کردار کی بنیاد پر اُسے اذیت دینے کے لئے حیلے بہانے نہ بنائے جائیں۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی دو صفات بیان کی گئی ہیں جن کا ماقبل کے مضمون کے ساتھ خاص تعلق ہے: اللہ اعلیٰ اور عظیم ذات ہے یعنی بڑائی اور کبر صرف اُسے زیب دیتا ہے، نہ بیوی کبر اور بڑائی کرے اور نہ ہی شوہر۔ مسائل اِسی سے جنم لیتے ہیں کہ ایک اپنے آپ کو دوسرے سے برتر سمجھنے لگ جائے، دوسرے کو حقارت کی نظر سے دیکھے اور اُس کے حقوق پامال کرے۔

وَإِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَيۡنِهِمَا فَٱبۡعَثُواْ حَكَمٗا مِّنۡ أَهۡلِهِۦ وَحَكَمٗا مِّنۡ أَهۡلِهَآ إِن يُرِيدَآ إِصۡلَٰحٗا يُوَفِّقِ ٱللَّهُ بَيۡنَهُمَآۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرٗا ﴿٣٥﴾

(۳۵)اور اگر اِن کے مابین علیٰحدگی کا اندیشہ پیدا ہو جائے تو ایک حَکم شوہر کے گھرانے سے اور ایک حَکم بیوی کے گھرانے سے اِن کے پاس بھیج دو، تو اگر اُن کے دل میں صلح کی خواہش ہوئی تو اللہ دونوں کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا، یقیناً اللہ باخبر جاننے والا ہے۔

---

(۳۵)۔ اگر پہلے بیان کی گئی تدبیریں کارگر ثابت نہ ہوں تو دونوں کے گھرانوں کی طرف سے مداخلت کر کے ناچاقی ختم کرنے کی کوشش کی جائے۔ دو آدمیوں کا جرگہ بنا دیا جائے ایک بیوی کے گھرانے میں سے اور ایک شوہر کے گھرانے کا فرد، اُنہیں معاملے کے حل و فصل کا اختیار دے دیا جائے اور دونوں میاں بیوی جرگے کا فیصلہ قبول کر لیں۔ اِس طرح قاضی کے سامنے پیش ہونے یا طلاق کی نوبت آنے سے بچا جاسکے گا۔

اِس بات کو سمجھنے کے لئے کہ اسلام نے طلاق کا حق شوہر کو کیوں دے رکھا ہے تھوڑے سے غور کی ضرورت ہے۔ طلاق کی درج ذیل چار ممکن صورتیں ہو سکتی تھیں:

- عورت اور مرد دونوں مل کر طلاق کا فیصلہ کر لیں۔
- معاملہ عدالت میں لے جایا جائے اور وہیں سے آخری فیصلہ صادر ہو۔
- طلاق کا حق عورت کو دیا جائے۔
- طلاق کا فیصلہ شوہر کے ہاتھوں میں رہے۔

قبل اِس کے کہ اِس بات کا جائزہ لیا جائے کہ اسلام نے طلاق کا حق مرد کو کیوں دے رکھا ہے، درج ذیل باتیں ذہن میں رکھنی چاہئیں۔

- اسلام کی نظر میں طلاق انتہائی ناپسندیدہ فعل ہے، اِس کی اجازت مجبوری کی بناء پر دی گئی ہے اور اِسے حلال کاموں میں سب سے زیادہ قابل نفرت گردانا گیا ہے۔
- اسلام میں مرد ایک طرف اِس کا مکلف ہے کہ گھرانے کے تمام لازمی روزمرہ کے مصارف اُٹھائے گا اور تمام اخراجات کا کفیل ہو گا دوسری طرف اِس کا بھی مکلف ہے کہ نکاح کے دن عورت کی مرضی کے بقدر مہر کی ذمہ داری

بھی اُٹھائے۔ یہ مہر عورت کا حق ہے اور اُس کے مستقبل کی ضمانت بھی ہے۔ عورت آزاد ہے کہ مرد سے اتنامہر طلب کرے جو اُس کے خیال میں اُس کے مستقبل کو محفوظ بنا سکے اور یوں وقت ناوقت کی بے جواز طلاق کا راستہ روکا جاسکے۔ تا کہ شوہر یہ نہ کر سکے کہ لطف لینے کے لئے ایک شادی کر کے کچھ عرصے بعد اُس کو طلاق دے کر دوسرا نکاح رچا لے۔ نکاح کو ایک کھیل بن کر رہ جانے سے روکنے کے لئے ایسی تدابیر ہونی چاہیئے تھیں کہ اِس مقدس رابطے کو دوام ملے پس اسلام نے مہر کا طریقہ عورت کی مستقبل کے ضمانت کے طور پر جاری کر دیا۔

- مرد کی قوامیَّت کے لئے اسلام دو دلیلیں پیش کرتا ہے:

الف: یہ کہ وہ مہر دیتا ہے اور گھر کے مصارف اُس کے ذمے لگائے گئے ہیں۔

ب: قوامیت کے لئے جن صفات کی ضرورت ہوتی ہے وہ مردوں میں عورتوں کی نسبت زیادہ ہیں۔ عورت کے طبعی فرائض کا تقاضا ہے کہ اُس کے اندر لطف و کرم کا ایک شدید مادہ موجود ہو اور وہ جذبات کی رو میں بہہ جانے والی ہو مگر ایسے شدید جذبات کی یہ بھی خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ اکثر عقل پر غالب آجاتے ہیں۔ دوسری طرف یہ انہی شدید جذبات کا کمال ہے کہ عورت اولاد کی نشو و نما کی تمام تکالیف خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتی ہے، بے خوابی کی پراہ نہیں کرتی، اپنی زندگی اور اپنی صحت خطرے میں ڈالتی ہے، اولاد کی غلطیوں کو صبر کے ساتھ برداشت کرتی ہے حتیٰ کہ دوسروں کے مقابلے میں اُن کی ہر غلطی کا دفاع بھی کرتی ہے مگر قیادت اور مضبوط قوت فیصلہ کے لئے ایسے تعقل اور حقیقت پسندی کی ضرورت ہوتی ہے جو جذبات کی رو میں بہنے والی نہ ہو۔ مرد کی نفسیاتی بناوٹ ایسی ہے کہ اُس کی عقل اور جذبات کے اندر ایک گونہ تعادل اور توازن موجود ہوتا ہے اور عورتوں کی طرح اُن کے جذبات کا پلڑا تعقل پر بھاری نہیں ہوتا۔

اَب درج بالا تدابیر اختیار کرنے کے بعد اسلام اگر طلاق کا حق مرد کو دیتا ہے تو وہ اِس سے عورتوں کے حقوق کو پامال کرنے اور اُن کو ناحق ستانے کے لئے استعمال نہیں کر سکتا اور اگر کبھی ایسا کوئی موقع آجائے تو عورت کو اختیار ہے کہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے اور محکمہ یا تو اُس کے حقوق دلا دے یا یہ رابطہ ہی فسخ کر دے۔

وَٱعۡبُدُواْ ٱللَّهَ وَلَا تُشۡرِكُواْ بِهِۦ شَيۡـًٔاۖ وَبِٱلۡوَٰلِدَيۡنِ إِحۡسَٰنًا وَبِذِي ٱلۡقُرۡبَىٰ وَٱلۡيَتَٰمَىٰ وَٱلۡمَسَٰكِينِ وَٱلۡجَارِ ذِي ٱلۡقُرۡبَىٰ وَٱلۡجَارِ ٱلۡجُنُبِ وَٱلصَّاحِبِ بِٱلۡجَنۢبِ وَٱبۡنِ ٱلسَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتۡ أَيۡمَٰنُكُمۡۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ مُخۡتَالٗا فَخُورًا ﴿٣٦﴾

(۳۶)۔ اور اللہ کی عبادت کرو اور اُس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور والدین کے ساتھ بھلائی کیا کرو اور رشتہ داروں کے ساتھ، یتیموں، مسکینوں، رشتہ دار ہمسایوں، اجنبی ہمسایوں، ساتھ والے ساتھی، مسافر کے ساتھ اور اُس کے ساتھ جو تمہارے اختیار میں ہے (یعنی زیر دست)۔ بے شک اللہ خود ستائی کرنے والے متکبر کو پسند نہیں کرتا۔

(۳۶)۔ اِس مبارک آیت میں اللہ تعالیٰ کے حقِ بندگی اور شرک سے اجتناب کے ساتھ ساتھ درج ذیل نو لوگوں کے ساتھ احسان اور بھلائی کی وصیت کی گئی ہے:

ماں، باپ، یتیم، مسکین، رشتہ دار ہمسایہ، غیر مگر ہمسایہ، اپنی بیوی یا زندگی میں کوئی دوسرا ساتھی اور دوست، مسافر اور وہ شخص جسے اللہ نے تمہارے اختیار میں دیا ہوا ہے۔ اِن کے ساتھ احسان کرنے سے وہی گریز کرے گا جو دو بری خصلتیں رکھتا ہو:

- متکبر ہو اور اپنے آپ کو دوسروں سے بالاتر سمجھتا ہو۔
- خود ستائی کا شکار ہو اور دوسروں کو حقیر جانتا ہو۔

ٱلَّذِينَ يَبۡخَلُونَ وَيَأۡمُرُونَ ٱلنَّاسَ بِٱلۡبُخۡلِ وَيَكۡتُمُونَ مَآ ءَاتَىٰهُمُ ٱللَّهُ مِن فَضۡلِهِۦۗ وَأَعۡتَدۡنَا لِلۡكَٰفِرِينَ عَذَابٗا مُّهِينٗا ﴿٣٧﴾

(۳۷)۔ اور وہ جو خود بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بخل پر اُبھارتے ہیں اور اللہ نے اپنے فضل سے اُنہیں جو کچھ دے رکھا ہے اُسے چھپاتے ہیں اور اِن کافروں کے لئے ہم نے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(۳۷)۔ یہ خود پسند متکبر وہ ہیں جو خود بھی بخیل ہیں اور دوسروں کو بھی یہی سمجھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اُنہیں جو کچھ دے رکھا ہے اُسے بھلائی کے کاموں میں خرچ کرنے کے بجائے چھپاتے ہیں۔ جب کبھی انفاق کے لئے بلائے جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ: میرے پلے تو کچھ بھی نہیں۔ میں نے تو کچھ بھی پس انداز نہیں رکھا کہ تمہاری مدد کروں، صرف اتنا کماتا ہوں جس سے میری اپنی مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔

بخل کے ساتھ یہ دو اور گناہ بھی اکٹھے ہو جاتے ہیں: دوسروں کو بخل کی تلقین کرنا اور جھوٹ بول کر الہٰی نعمتوں کو چھپانا۔ یہ دونوں کام مسلمان کی شان سے بعید ہیں اور صرف ایسے شخص کو زیب دیتے ہیں جو کافر ہو۔ اِس لئے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اِن کافروں کے لئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔

وَٱلَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمۡوَٰلَهُمۡ رِئَآءَ ٱلنَّاسِ وَلَا يُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَلَا بِٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِۗ وَمَن يَكُنِ ٱلشَّيۡطَٰنُ لَهُۥ قَرِينٗا فَسَآءَ قَرِينٗا ﴿٣٨﴾ وَمَاذَا عَلَيۡهِمۡ لَوۡ ءَامَنُواْ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِ وَأَنفَقُواْ مِمَّا رَزَقَهُمُ ٱللَّهُۚ وَكَانَ ٱللَّهُ بِهِمۡ عَلِيمًا ﴿٣٩﴾

(۳۸)۔ اور وہ جو لوگوں کو دکھانے کے لئے اپنے مال خرچ کرتے ہیں اور نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ ہی روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور شیطان جس کا ساتھی بن جائے تو کتنا بُرا ہے یہ ساتھی۔ (۳۹)۔ اِنہیں کیا ہو جاتا اگر یہ اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان لے آتے اور اللہ نے جو کچھ اِنہیں دے رکھا ہے اُس میں سے خرچ کرتے! اور اللہ اِنہیں خوب جانتا ہے۔

(۳۸-۳۹)۔ یہاں اِن متکبرین کی چار اور خصلتوں کا بیان ہے: اِن کا انفاق خود نمائی کے لئے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے نہ ہی روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور شیطان کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں۔

إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَظۡلِمُ مِثۡقَالَ ذَرَّةٖۖ وَإِن تَكُ حَسَنَةٗ يُضَٰعِفۡهَا وَيُؤۡتِ مِن لَّدُنۡهُ أَجۡرًا عَظِيمٗا ﴿٤٠﴾

(۴۰)۔ بے شک اللہ ذرہ برابر کسی پر ظلم نہیں کرتا اور اگر وہ کوئی بھلائی ہوتی (لاتا) ہے تو اُسے دگنا کر دیتا ہے اور اپنی طرف سے اجرِ عظیم عطا کر دیتا ہے۔

(۴۰)۔ اللہ تعالیٰ کسی کی نیکی ضائع نہیں کرتا۔ وہ ہر ایک کو اُس کے عمل کا دنیوی اور اُخروی بدلہ عطا فرمائے گا اور کسی کا اجر ضائع نہیں ہوگا۔ کسی کی کوششوں پر نتیجہ مترتب نہ ہونا ظلم ہے، مہربان اللہ یہ ظلم نہیں کرتا بلکہ اِس کے برعکس ہر نیک عمل کا دگنا اجر اور اپنی طرف سے اِس سے بھی زیادہ صلہ عطا فرماتا ہے۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾ يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ﴿٤٢﴾

(۴۱) پس کیسے رہے گا جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے اور اِن پر تمہیں گواہ بنا کر لائیں؟ (۴۲) اُس دن وہ لوگ جو کافر ہوئے اور اُنہوں نے پیغمبر سے روگردانی کی، یہ خواہش کریں گے کہ کاش زمین اُنہیں ڈھانک لے اور وہ اللہ سے اپنی کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے۔

(۴۱۔۴۲)۔ یہاں قیامت کے دن کے چند مناظر کی تصویر کشی کی گئی ہے:

- ہر اُمت کا اپنا اپنا پیغمبر بطور شاہد لایا جائے گا۔ وہ اِس بات کی شہادت دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے پیغمبر اور کتابیں بھیجی تھیں۔ خود اِن پیغمبروں کا وجود اِس بات کے اثبات کے لئے کافی ہوگا کہ انسانوں کے لئے یہ قابلِ عمل تھا کہ پیغمبروں کی طرح ایمان لے آتے اور کفر و عصیان کی راہ نہ چلتے۔ کسی کو اِس دعویٰ کی مجال نہیں رہے گی کہ وہ حقائق سے بے خبر تھا، دینِ حق اُس کے پاس نہیں پہنچا تھا، یا اُس کے احوال و شرائط ہی کچھ ایسے تھے کہ ایمان لانا اُس کے لئے ناممکن تھا۔ پیغمبروں اور اُن کے باایمان ساتھیوں کا وجود ہی اِس حجت اور استدلال کو عبث اور بے قیمت بنادے گا۔
- اُس دن وہ لوگ جو اپنے کفر پر اصرار کرتے تھے اور پیغمبروں کی دعوت کی تکذیب کرتے تھے یہ تمنا کریں گے کہ: کاش وہ زمین میں گڑ جائیں اور خاک میں مل کر خاک ہو جائیں۔ نہ اپنے کرتوت اللہ سے چھپا سکیں گے اور نہ ہی محاسبے کے اُس ہولناک دن وہ باتیں چھپا سکیں گے جو اُن کے دلوں میں ہیں۔

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَقۡرَبُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَأَنتُمۡ سُكَـٰرَىٰ حَتَّىٰ تَعۡلَمُواْ مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِى سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغۡتَسِلُواْ ۚ وَإِن كُنتُم مَّرۡضَىٰٓ أَوۡ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوۡ جَآءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ ٱلۡغَآئِطِ أَوۡ لَـٰمَسۡتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَلَمۡ تَجِدُواْ مَآءً فَتَيَمَّمُواْ صَعِيدًا طَيِّبًا فَٱمۡسَحُواْ بِوُجُوهِكُمۡ وَأَيۡدِيكُمۡ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿٤٣﴾

(۴۳) اے ایمان والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ اُس چیز کی سمجھ آنے لگے جو تم زبان سے کہتے ہو اور نہ جنابت کی حالت میں مگر یہ کہ صرف پاس سے گزرنا ہو، تاوقتیکہ غسل کر لو۔ اور اگر بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی رفع حاجت سے لوٹے اور یا اپنی بیویوں سے قربت کر لی ہو اور پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کر لو اور اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کر لو بے شک اللہ بخشنے والا معاف کرنے والا ہے۔

---

(۴۳)۔ اِس آیتِ مبارکہ میں مندرجہ ذیل ہدایات دی گئی ہیں:

- ایسی حالت میں نماز نہ پڑھو جب تم نشے میں ہو اور یہ سمجھ ہی نہ آئے کہ کیا کہہ رہے ہو۔ نماز تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمہاری راز و نیاز ہے۔ اِس کے دوران تم اپنی ضرورتیں اُس کے سامنے بیان کرتے ہو اور اپنے دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی باتیں اللہ کے ساتھ کرتے ہو لہٰذا نماز ایسی حالت میں پڑھو کہ جو کچھ تم کہتے ہو وہ تمہیں سمجھ بھی آئے اور اُس پر غور بھی کر سکو۔ اِس سے یہ واضح پتہ چلتا ہے کہ نماز کے الفاظ کو سمجھنا اور نماز کے دوران اُن کی طرف متوجہ رہنا اور باقاعدہ فہم و فراست کے ساتھ اُن الفاظ کی ادائیگی ضروری ہے۔
- جنابت میں بھی اُس وقت تک نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک غسل نہ کر لو مگر یہ کہ سفر میں ہو۔
- اگر بیمار ہو یا حالتِ سفر میں ہو؛ یا رفع حاجت سے لوٹو اور یا اپنی بیویوں سے ہم بستر ہوئے ہو اور پانی نہ ملے، تو پاک مٹی سے تیمم کر لو۔ تیمم یہ ہے کہ پاک مٹی پر ہاتھ مار لو اور پھر اُس سے اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کر لو۔

اگر آپ پرندوں اور جانوروں پر غور کریں تو دیکھیں گے کہ جب اُنہیں پانی ملتا ہے تو اُس میں اُتر جاتے ہیں۔ اپنے پروں سے اپنے اوپر پانی ڈالتے ہیں اور اگر پانی نہ ملے تو مٹی میں لوٹتے ہیں اور اپنے پروں اور سینگوں سے مٹی کھودتے اور اُس میں لوٹ پوٹ ہوتے ہیں۔ اُنہیں غسل اور تیمم کا فطری طریقہ سکھایا گیا ہے اور ہمیں شرعی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں غسل اور تیمم کے بارے

میں اُسی چیز کا مکلف بنایا ہے جو تمام جاندار اپنی فطرت کے حکم کے تحت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں یہ چھوٹی سی چڑیا اِس حال میں دکھاتا ہے کہ وہ روزانہ کئی کئی مرتبہ مٹی میں لوٹ پوٹ ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ وہ انتہائی شوق اور مستی کے ساتھ کرتی ہے اور کوشش کرتی ہے کہ اپنے جسم کے ایک ایک پر کی جڑوں میں مٹی پہنچائے۔ یہ اُس کی ایک ضرورت ہے اور اِس طرح اُس کی جلد کئی امراض سے محفوظ رہتی ہے۔ یہ اُن کے علاج کا ایک طریقہ ہے اِس لئے کہ پانی اور مٹی سے اکثر جراثیم مر جاتے ہیں۔ جراثیم کو جب پانی لگ جاتا ہے تو اُن کے جسم میں اتنا پانی داخل ہو جاتا ہے کہ پھول کر مر جاتے ہیں اور اگر مٹی لگ جائے تو وہ اُن کے جسم سے مائعات چوس کر اور جذب کر کے اُنہیں مار دیتی ہے۔

ہمارا وضو اور تیمم بندگی کا ایک ایسا باحکمت عمل ہے جن میں حکمتیں اور مصلحتیں مضمر ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں جن چیزوں کا مکلف بناتا ہے اُن کا فائدہ سب سے پہلے خود تمہیں پہنچتا ہے۔ اگر تمہیں اِن کا مکلف نہ کیا گیا ہوتا تو تم خود سے اِن کی ضرورت اور اہمیت کا اتنا بھی اندازہ نہیں کر سکتے تھے جتنا یہ چھوٹا سا پرندہ کر سکتا ہے۔ پانی نہ ملنے کی صورت میں تمہیں تیمم کا مکلف کیا گیا ہے اور وہ کرنے میں نہایت آسان ہے، اُس پرندے کے کام سے بھی زیادہ آسان اور مختصر، بس مٹی پر ہاتھ مار لو اور چہرے اور ہاتھوں پر پھیر لو۔ یہ مٹی وہی کام کر سکتی ہے جو پانی کرتا ہے، مٹی پاک ہے اور پاکی کا ذریعہ بھی۔ پانی بھی زمین پر برسا ہے اور زمین پر بہا ہے، مٹی کے لاتعداد مواد اپنے اندر سمو کر تمہارے پاس لایا ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ أُوتُواْ نَصِيبًا مِّنَ ٱلْكِتَـٰبِ يَشْتَرُونَ ٱلضَّلَـٰلَةَ وَيُرِيدُونَ أَن تَضِلُّواْ ٱلسَّبِيلَ ﴿٤٤﴾

(۴۴)۔ کیا اُن (لوگوں) کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا کوئی حصہ دیا گیا ہے، وہ ضلالت (گمراہی) خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی گمراہ ہو جاؤ۔

---

(۴۴)۔ یہاں اہلِ کتاب کے مولویوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اُن کی تین خصلتیں واضح کی گئی ہیں:

- اُن کا علم ناپختہ اور ادھورا ہے، کتاب کا ایک چھوٹا سا حصہ جانتے ہیں۔ اُس کے اصل اور بنیادی حصوں سے بے خبر ہیں اور فروعات اور حواشی میں غرق ہیں۔
- راہِ راست سے بھٹک گئے ہیں پگڈنڈیوں پر بھاگے جا رہے ہیں، کتاب میں سے وہ کچھ ڈھونڈنے میں لگے ہوئے ہیں جس سے اُن کے ٹیڑھے مذہب اور شرک آلودہ مسلک کی توجیہہ ہو سکے۔

- خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔ دین کو دام بنایا ہوا ہے، لوگوں کو دھوکہ دے رہے ہیں اور اُن کے دین و دنیا لُوٹ رہے ہیں۔

وَٱللَّهُ أَعۡلَمُ بِأَعۡدَآئِكُمۡۚ وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ وَلِيّٗا وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ نَصِيرٗا ﴿٤٥﴾

(۴۵)۔ اور اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور اللہ کافی ہے حمایت کے لئے اور اللہ کافی ہے مدد کے لئے۔

(۴۵)۔ یہ دین فروش مولوی تمہارے دشمن ہیں، اِن سے دوستی کی اُمید نہ رکھو۔ اِس انتظار میں نہ رہو کہ یہ دین کے کام میں تمہاری مدد کریں گے، اپنے لئے اللہ تعالیٰ کو ولی اور مددگار کے طور پر کافی سمجھو۔

مِّنَ ٱلَّذِينَ هَادُواْ يُحَرِّفُونَ ٱلۡكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِۦ وَيَقُولُونَ سَمِعۡنَا وَعَصَيۡنَا وَٱسۡمَعۡ غَيۡرَ مُسۡمَعٖ وَرَٰعِنَا لَيَّۢا بِأَلۡسِنَتِهِمۡ وَطَعۡنٗا فِي ٱلدِّينِۚ وَلَوۡ أَنَّهُمۡ قَالُواْ سَمِعۡنَا وَأَطَعۡنَا وَٱسۡمَعۡ وَٱنظُرۡنَا لَكَانَ خَيۡرٗا لَّهُمۡ وَأَقۡوَمَ وَلَٰكِن لَّعَنَهُمُ ٱللَّهُ بِكُفۡرِهِمۡ فَلَا يُؤۡمِنُونَ إِلَّا قَلِيلٗا ﴿٤٦﴾

(۴۶)۔ اُن لوگوں میں سے جو یہودی ہو گئے ہیں بعض ایسے ہیں جو اللہ کے کلام کو اُس کے موقع محل سے ہٹا دیتے ہیں اور کہتے ہیں: ہم نے سنا اور ہم نے انکار کیا(سَمِعۡنَا وَعَصَيۡنَا)، تم ہی سن لو، سن کر نہ دینے والے(وَٱسۡمَعۡ غَيۡرَ مُسۡمَعٖ) اور زبان کو بل دے کر راعنا کہتے ہیں اور دین پر طعن کرنے والے ہیں؛ اور اگر یہ کہتے کہ ہم نے سنا اور تسلیم کیا، دیکھو! ہم پر نظر کرو (ہمارا خیال رکھو)؛ تو یہ اِن کے لئے بہتر ہوتا اور نہایت ہی درست (تکلم)۔ مگر اللہ نے اِن کے کفر کی وجہ سے اِنہیں دھتکارا ہے تو اِس لئے یہ ایمان نہیں لاتے مگر تھوڑا ہی۔

(۴۶)۔ اِس مبارک آیت میں یہودی علماء کی چند خباثتیں بیان کی گئی ہیں:

- اللہ کے کلام میں تحریف کرتے ہیں اور ٹیڑھی تعبیر اور تفسیر کر کے اُس کا غلط مطلب نکالتے ہیں۔ اللہ کے کلام کا ایک حصہ اِس طرح لے لیتے ہیں کہ اُس کا اگلا پچھلا حصہ نظر انداز کر دیتے ہیں اور اُسے اُس موقع و محل کے ساتھ

جوڑ لیتے ہیں جہاں اُس سے اِن کے مرضی کا غلط مطلب اَخذ ہو سکتا ہے۔ آج کل مسلمانوں کے جہاد مخالف اور جاہل مولویوں میں اِس کی ایک مثال بہت عام ہے۔ ایسے مولویوں کے سامنے جب جہاد کی بات جاتی ہے تو کہتے ہیں جناب! ہم دین کو خوب سمجھتے ہیں الله تعالیٰ جلَ مجده و عزَ شانه و عم نواله نے قرآنِ مجید و فرقانِ حمید میں فرمایا ہے: و لا تلقوا بایدیکم الی التهلکه!! حالانکہ اُن کے ایسا کہنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ نہ تو جہاد پر یقین رکھتے ہیں اور نہ ہی اپنے اندر اُس کی ہمت اور جرأت پاتے ہیں۔ مگر چونکہ اپنے موقف کے لئے کوئی مذہبی تاؤیل بھی ڈھونڈنا چاہتے ہیں اِس لئے اِس آیت کا یہ مفہوم پیش کر دیتے ہیں۔ جبکہ خوب جانتے ہیں کہ اِس فرمان الہٰی کا اپنے اصل مقام پر مطلب و معنٰی یہ ہے کہ مالی اور جانی قربانی سے پہلو تہی کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ مگر یہ ہیں کہ اللہ کے کلام میں تحریف کر لیتے ہیں اور اِس آیت کا مقام و محل بدل کر اِس کا غلط مطلب نکال لیتے ہیں۔

- یہ لوگ منہ سے تو سَمِعۡنَا کہہ کر تمہیں اطمینان دلاتے ہیں کہ تمہاری بات سے موافقت رکھتے ہیں مگر حال یہ ہوتا

ہے کہ دل میں پکا ارادہ کئے ہوتے ہیں کہ مانیں گے ہرگز نہیں۔ اور ہاں اِن میں سے بعض دوسرے ایسے ہیں جو بظاہر تو کہتے ہیں کہ: جناب! یہ بات ہم نے تم سے قبل ہی اچھی طرح جان لی ہے، ہم اِس سے بے بہرہ نہیں ہیں اور یہ ہم نے پڑھی ہوئی ہے۔ مگر اِس پر عمل ہم نے دوسری آیات، احادیث، بعد کی روایات اور اپنے فقہاء کی تعلیمات کی روشنی میں چھوڑ دیا ہے۔ یہ چیزیں ہمیں نہ سناؤ بلکہ تم خود سن لو اِس لئے کہ تم باقی اُن تمام چیزوں کو سنے ہوئے نہیں ہو، اگر تمہیں وہ سب پتہ ہوتا تو ہمیں یہ کچھ نہ سنا رہے ہوتے۔

- یہ لوگ منافقت کرتے ہیں، بظاہر تو دوست نظر آتے ہیں مگر دل میں کینہ، بغض اور دشمنی رکھتے ہیں۔ ایسے ذو معنی الفاظ استعمال کرتے ہیں جن کا بظاہر مطلب غلط نہیں ہوتا مگر دراصل زہر میں بجھے ہوتے ہیں۔
- اِن کے اعمال کافرانہ ہیں، اِس حد تک کافرانہ کہ اِنہیں اللہ کی لعنت کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔
- یہ بہت تھوڑا ہی ایمان لاتے ہیں، اِن کا ایمان وہ ایمان نہیں ہوتا جو کسی مومن کے شایانِ شان ہو، کمزور اور ادھورے ایمان کے مالک ہیں۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلْكِتَٰبَ ءَامِنُواْ بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُم مِّن قَبْلِ أَن نَّطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلَىٰٓ أَدْبَارِهَآ أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ أَصْحَٰبَ ٱلسَّبْتِ ۚ وَكَانَ أَمْرُ ٱللَّهِ مَفْعُولًا ﴿٤٧﴾

(۴۷)۔ اے اہلِ کتاب! اُس چیز پر ایمان لے آؤ جو ہم نے نازل کی ہے اور تمہارے پاس موجود کتاب کی تصدیق کرتی ہے قبل اِس کے کہ ہم چہرے ویران (محو، بگاڑ) کرکے رکھ دیں اور اُنہیں اُلٹے پھیر دیں، یا اُنہیں ایسے دھتکار دیں جس طرح روزِ سبت والوں کو دھتکارا گیا اور اللہ کا حکم تو پورا ہونا ہی ہے۔

---

(۴۷)۔ اہل کتاب کو تو چاہیے تھا کہ دوسرے ہر کسی سے پہلے قرآن پر ایمان لاتے اِس لئے کہ قرآن اُن کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو اِن کے پاس ہیں۔ اِن کے قرآن سے انکار کے لئے کوئی دلیل اور حجت تلاش نہیں کی جاسکتی اِس طرح تو یہ در حقیقت اپنی کتاب کا انکار کر رہے ہیں۔ اِس کے لئے اندھے تعصب کے علاوہ اور کون سی دلیل ڈھونڈی جاسکتی ہے۔ اگر یہ ایمان نہیں لاتے تو دو چیزوں کا انتظار کریں:

- یا تو اللہ اِن کے چہرے محو اور ویران کر دے گا، اِن کی آنکھیں اندھی اور کان بہرے کر دے گا اور اِن کا رخ پھیر کر اِن کی پشت کی مانند کر دے گا یعنی ایمان لانے اور حق پانے کے اِن کے تمام امکانات ختم کر دے گا۔ اُسی طرح جس طرح کافروں کے بارے میں فرمایا:ختم الله على قلوبهم و على سمعهم و على ابصارهم غشاوة۔ اور منافقین کے بارے میں فرماتا ہے:ذهب الله بنورهم و تركهم في ظلمات لا يبصرون، صم، بكم، عمي۔
- بصورت دیگر اِنہیں یہود کے اُس گروہ کی مانند دھتکار دے گا جنہوں نے سبت کے دن کا احترام نہیں کیا تھا اور بندروں کی طرح مسخ کر دیئے گئے تھے۔ اللہ کی یہ وعید حتماً پوری ہونے والی وعید ہے۔

اگرچہ بعض مفسرین نے نطمس على وجوهم سے دوسرے معانی لئے ہیں لیکن اگر قران میں اِن کی مانند دوسری آیات پر غور کریں تو اِس کے علاوہ دوسرا معنٰی نہیں ہو سکتا جو ہم نے نقل کیا ہے۔ اِس کے لئے مندرجہ ذیل دلائل پیش کئے جاسکتے ہیں:

- قرآن کی تمام اُن آیات میں جن میں اِن سے ملتے جلتے موارد میں ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہاں اِن سے مراد مجازی معنی ہیں نہ کہ حقیقی، مثلاً ختم الله على قلوبهم یا ذهب الله بنورهم۔
- یہاں یہود کو کہا گیا ہے کہ اگر قرآن پر ایمان نہیں لائے تو یا تو تمہارے ساتھ یہ سلوک کیا جائے گا اور یا سبت والوں کی طرح مسخ کر دیئے جاؤ گے تو معلوم ہوا کہ یہ پہلا والا کام مسخ کیے بغیر ہے۔

- عملاً ہم دیکھتے ہیں کہ یہود قرآن پر ایمان نہ لانے کے بعد مسخ نہیں ہوئے بلکہ اُن کی اکثریت ایمان لانے سے محروم رہ گئی۔ اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ کی پہلی وعید کا معنیٰ یہی تھا۔

إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَغۡفِرُ أَن يُشۡرَكَ بِهِۦ وَيَغۡفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَآءُۚ وَمَن يُشۡرِكۡ بِٱللَّهِ فَقَدِ ٱفۡتَرَىٰٓ إِثۡمًا عَظِيمًا ﴿٤٨﴾

(۴۸)۔ یقیناً اللہ شرک کو معاف نہیں کرتا اور شرک کے علاوہ باقی ہر چیز اُس کے لئے معاف کرتا ہے جس کے لئے اُس کی مرضی ہو اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو وہ ایک عظیم گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔

(۴۸)۔ اِس مبارک آیت میں مومنوں کے لئے ایک زبردست خوشخبری ہے اور اِس میں اللہ کی ایک بہت بڑی اور عظیم نوازش بیان کی گئی ہے۔ وہ یہ کہ مومنوں کو بشارت دی گئی ہے کہ مہربان اللہ شرک کے علاوہ ہر گناہ معاف کر دیتا ہے، چاہے کبیرہ ہو یا صغیرہ، چاہے کوئی توبہ کرے یا نہ بھی کرے۔ صرف کفر اور شرک دو ایسے گناہ ہیں جنہیں وہ توبہ کے بغیر نہیں بخشتا۔ خلاصہ یہ کہ صغائر نیک اعمال کے بدولت محو ہو جاتے ہیں اور کبیرہ گناہوں کو اللہ توبہ کے نتیجے میں اور توبہ کے بغیر بھی اپنے فضل سے معاف فرما دیتا ہے۔لمن یشاء کے الفاظ سے یہ گمان کرنا درست نہیں ہے کہ آپ اِس بشارت کے مصداق نہیں ہو سکیں گے یا آپ اُن لوگوں کے زمرے میں نہیں آ پائیں گے جنہیں اللہ اپنی مہربانی اور مغفرت کے قابل گردانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس کے بارے میں اپنی سنت اور مشیت واضح کر کے بتا دی ہے؛ وہ ایمان، توبہ، ہجرت، جہاد، شہادت، انفاق فی سبیل اللہ اور نیک اعمال کی بدولت تمہارے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔

عن علی ابنِ ابی طالب قال: ما في القرآن آية أحب إلي من هذه الأية "إن الله لا يغفر أن يشرک به و يغفر ما دون ذالک لمن يشاء" الترمذی

ترمذی نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ قول روایت کیا ہے کہ میرے لئے قرآن میں اِس آیت سے زیادہ محبوب کوئی آیت نہیں ہے کہ "إن الله لا يغفر أن يشرک به و يغفر ما دون ذالک لمن يشاء"۔

عن ابی ذر أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال "ما من عبد قال لا إله إلا الله ثم مات على ذالک إلا دخل الجنته" قلت: و إن زنی وإن سرق قال "و إن زنی و إن سرق" قلت وإن زنی و إن سرق قال "وإن زنی و إن سرق" ثلاثا۔ ثم قال في الرابعة "على رغم أنف أبي ذر" متفق عليه

ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا: ایسا کوئی نہیں جو لا الہ الا اللہ کہے اور پھر اسی کلمے پر رہتے ہوئے اُسے موت آجائے اور وہ جنت میں داخل نہ ہو۔ میں نے کہا: چاہے اُس نے زنا اور چوری کی ہو؟ آپؐ نے فرمایا: چاہے اُس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو، میں نے پھر کہا: چاہے اُس نے زنا اور چوری کی ہو، آپ نے فرمایا: چاہے اُس نے زنا اور چوری کی ہو؛ تین مرتبہ اور چوتھی مرتبہ کہا: چاہے ابوذر کی ناک خاک آلود ہو۔

عن ضمضم بن جوس اليمامي قال: قال لي أبو هريرة يا يمامى لا تقولن لرجل و الله لا يغفر الله لک أو لا يدخلک الجنتة أبدا۔ فقلت يا أباهريرة إن هذه لكلمة يقولها أحدنا لأخيه و صاحبه إذا غضب قال فلا تقلها فإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول "كان في بني اسرائيل رجلان أحدهما مجتهد في العبادة و كان الأخر مسرفا على نفسه فكانا متأخيين فكان المجتهد لايزال يرى الأخر على الذنب فيقول يا هذا أقصر فيقول خلني و ربى أبعث علي رقيبا؟ قال: الى أن رأه يوما على ذنب استعظمه فقال له: و يحک أقصر قال خلني و ربي أبعث علي رقيبا؟ فقال والله لا يغفر الله لک أو لا يدخلک الجنة أبدا قال: فبعث الله إليهما ملكا فقبض أرواحهما و اجتمعا عنده فقال للمذنب فادخل الجنة برحمتى و قال للأخر أكنت بي عالما أكنت على ما في يدي خازنا؟ اذهبوا به إلى النار قال والذى نفس أبي القاسم بيده إنه لتكلم بكلمة أو بقت دنياه و آخرته" رواه احمد

ضمضم بن جوس الیمامی سے روایت ہے کہ مجھے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ نے کہا کہ: اے یمامی! کسی کو اِس طرح نہ کہو کہ اللہ کی قسم، اللہ تمہاری مغفرت نہیں کرے گا یا یہ کہ اللہ کبھی تمہیں جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ میں نے کہا: اے ابو ہریرہ یہ بات تو ہم اکثر غصے میں اپنے دوستوں اور بھائیوں کو کہتے رہتے ہیں۔ اُس نے کہا ایسی بات نہ کہا کرو اِس لئے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اُنہوں نے فرمایا: بنی اسرائیل میں دو آدمی ایک دوسرے کے دوست تھے۔ اُن میں سے ایک عبادت میں بہت مشغول رہا کرتا تھا جبکہ دوسرا مسرف اور گناہگار تھا۔ جب بھی وہ عابد اِس دوسرے کو گناہ کرتے دیکھتا تھا تو اُسے گناہ سے رک جانے کا کہتا تھا۔ وہ جواب میں کہتا کہ مجھے میرے رب پر چھوڑ دو تم میرے نگران تو مقرر نہیں کیے گئے ہو۔ یہاں تک کہ ایک دن اُسے ایک ایسے گناہ میں ملوث دیکھا جو اسے بہت بڑا لگا تو اُسے کہا افسوس ہے تمہارے حال پر، باز آجاؤ۔ اُس نے پھر وہی جواب دیا، مجھے میرے رب پر چھوڑ دو تم میرے نگران تو مقرر نہیں کیے گئے ہو گے؟ پہلے والے نے کہا: اللہ کی قسم نہ تو وہ تمہیں معاف کرے گا اور نہ ہی تمہیں کبھی جنت میں داخل فرمائے گا۔ فرمایا: تو اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیجا، جس نے دونوں کی روح قبض کی۔ دونوں اُس کے پاس آئے تو (اللہ نے) گناہگار سے فرمایا: میری رحمت کے طفیل جنت میں داخل ہو جا اور اُس دوسرے سے کہا: کیا تمہیں علم تھا کہ میں کیا کہوں گا؟ کیا میرے ہاتھ کے خزانوں کے تم مالک تھے؟ (حکم دیا) اِسے

دوزخ میں لے جاؤ۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا: اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں ابو القاسم کی جان ہے کہ اُس عابد نے ایک ایسی بات کہی تھی جس سے اُس نے اپنی دنیا اور عاقبت خراب کر ڈالی۔

مغفرت اور بخشش کے بارے میں اِن نصوص کا یہ مقصد قطعاً نہیں ہے کہ گناہ کا شوق پیدا کیا جائے بلکہ یہ اِس لئے آئی ہیں کہ گناہگاروں کو یاس اور نااُمیدی سے بچایا جائے۔ کہیں وہ یہ گمان نہ کر لیں کہ توبہ اور رحمت کے دروازے اُن پر بند ہو چکے یا یہ کہ صالح مسلمان کسی گناہگار سے ایسی نفرت کرنے لگ جائیں کہ اُسے وعظ اور نصیحت کرنے سے کنارہ کش ہو جائیں۔ پس صالح مسلمان کو کہا گیا ہے کہ کسی گناہگار کے بارے یہ فیصلہ نہ کرو کہ وہ اللہ کی رحمت اور مغفرت سے محروم ہے اور اُس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اِسی طرح اُسے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ متعلق امور اُس پر چھوڑ دو، از خود اپنے آپ کو یہ حق نہ دو کہ کسی کے بارے میں کہہ ڈالو کہ: اللہ اُسے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ تم لوگوں کے اعمال کے قاضی نہیں بلکہ ایک داعی ہو پس دعوت کے کام میں کسی سے مایوس نہ ہونا۔

اِس مبارک آیت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ شرک ایک افتراء اور جھوٹ ہے، جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہے وہ درحقیقت جھوٹ بولتا ہے اور افتراء کرتا ہے۔ اللہ کوئی شریک نہیں رکھتا اور طبیعی طور پر یہ ایک عظیم گناہ ہے کہ اللہ کی شان میں افتراء کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ شریک کا محتاج وہی بنتا ہے جو اپنے آپ اپنی حکومت کے چلانے سے عاجز ہو اور دوسرے کی مدد کے بغیر تمام کاموں کو انجام نہ دے سکے، یوں شرک کے الزام سے اللہ تعالیٰ کی طرف ضعف اور ناتوانی کی نسبت ہوتی ہے۔

أَلَمۡ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنفُسَهُم ۚ بَلِ ٱللَّهُ يُزَكِّى مَن يَشَآءُ وَلَا يُظۡلَمُونَ فَتِيلاً ﴿٤٩﴾

(۴۹)۔ کیا تم نے نہیں دیکھا، اُنہیں جو اپنی پاکیزگی (اپنی ستائش) بیان کرتے ہیں۔ نہیں؛ بلکہ یہ تو (صرف) اللہ ہے؛ جسے چاہتا ہے اُس کا تزکیہ کرتا ہے اور (کھجور کے گٹھلی کے شگاف میں موجود) ایک تار جتنا بھی تم پر ظلم نہیں ہو گا۔

---

(۴۹)۔ اہل کتاب اپنے شرک، منافقت اور دوسرے قبیح افعال کے باوجود اپنے آپ کو سب سے بہتر اور اللہ کی محبوب قوم سمجھتے تھے اور دنیا کے تمام لوگوں سے اپنے آپ کو افضل گردانتے تھے۔ یہاں اُن کے جواب میں کہا گیا ہے کہ: تم نے اپنی ستائش کے لئے جو معیارات مقرر کئے ہوئے ہیں اور جن کی بنیاد پر تم اپنے آپ کو دوسروں سے برتر سمجھتے ہو؛ یہ وہ معیارات

نہیں ہیں جن کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ لوگوں کا تزکیہ کرتا ہے اور اُنہیں قابلِ تعریف گردانتا ہے۔ اِن معیارات کی بنیاد عدلِ الٰہی پر قائم نہیں ہے۔ اللہ ایک باریک تار کے برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا جبکہ تمہارے فیصلے ظالمانہ ہیں؛ عدل و انصاف کے خلاف ہیں۔ تم دوسروں سے بہتر کس طرح ہو سکتے ہو، کون سی بھلائی ہے تمہارے اندر؟

ٱنظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ ۖ وَكَفَىٰ بِهِۦٓ إِثْمًا مُّبِينًا ﴿٥٠﴾

(۵۰)۔ دیکھو: یہ اللہ پر کس طرح جھوٹ افترا کرتے ہیں اور صریح گناہ ہونے کے لئے تو یہی کافی ہے۔

---

(۵۰)۔ یہ جھوٹ بولتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں دوسروں سے بہتر سمجھتا ہے۔ یہ تو اللہ کی نسبت ایک ظالمانہ افترا اور ایک بڑا گناہ ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اِن کی مانند گندے اور گناہوں میں گردن تک دھنسے لوگوں کو پسند کرے گا۔ اِن کی گرفت کے لئے یہ گناہ بھی کافی ہے، یہی کہ اپنے آپ کو لوگوں سے بہتر، اللہ کے چہیتے اور خاص بندے سمجھتے ہیں۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ نَصِيبًا مِّنَ ٱلْكِتَٰبِ يُؤْمِنُونَ بِٱلْجِبْتِ وَٱلطَّٰغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا۟ هَٰٓؤُلَآءِ أَهْدَىٰ مِنَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ سَبِيلًا ﴿٥١﴾

(۵۱)۔ کیا تم نے اُن لوگوں پر غور نہیں کیا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے، مگر وہ جبت اور طاغوت پر ایمان لاتے ہیں اور کافروں کے بارے میں کہتے ہیں: مومنوں کی نسبت یہ زیادہ راہِ راست پر ہیں۔

---

(۵۱)۔ پچھلی آیت میں تمام یہودیوں کا ذکر تھا مگر یہاں اُن کے علماء کی طرف اشارہ ہے۔ جب بھی یہودی علماء کا ذکر ہوتا ہے تو قرآن اُن کو اِنہی الفاظ سے یاد کرتا ہے، اُن کو عالم کے نام سے موسوم کرنے کے قابل نہیں سمجھتا۔ اِس کے برعکس کہتا ہے: وہ لوگ جن کو کتاب کا ادھورا علم دیا گیا ہے، جن کا علم ناقص ہے؛ وہ جنہوں نے بس یونہی چند باتیں کتاب میں سے یاد کی ہوئی ہیں۔ یہاں اُن کی تین خصوصیتیں بیان کی گئی ہیں۔

- اوہام، خرافات، جادو، منتر، ٹونے ٹوٹکوں، اور اِس طرح کی دوسری چیزوں پر یقین رکھتے ہیں۔

- طاغوت کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، ہر ظالم، عاصی، سرکش اور مفسد حکمران کی پشت پناہی کرتے ہیں۔ زبان پر نام اللہ کا ہوتا ہے مگر دل میں خوف اور طمع طاغوت کا بسائے ہوئے ہوتے ہیں۔ طاغوت کے پیروں میں دین کی قربانی دیتے ہیں اور دین کو اُس کے مفادات کے لئے استعمال کرتے ہیں۔
- مومنوں کی نسبت کافروں کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اِن کی تبلیغات کا ہدف اُن کے مفادات ہوتے ہیں، لوگوں سے کہتے ہیں کہ اِن (کافروں) کا مسلک و مذہب مومنوں سے بہتر ہے۔

اِس کو یوں سمجھیں کہ روسیوں اور امریکیوں کی یلغار کے دوران بعض دین فروش مولوی اُن کے ساتھ مل گئے تھے اور علمائے حق اور مجاہدین کے خلاف وعظ اور تقریریں کرتے تھے؛ امریکیوں کی قابل نفرت اور خون میں لتھڑی ہوئی ڈیموکریسی کی تائید کرتے تھے اور مجاہدین کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ متعصب اور انتہا پسند ہیں، ملک کی آزادی اور تعمیرِ نو کے دشمن ہیں۔

أُوْلَـٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ لَعَنَهُمُ ٱللَّهُ ۖ وَمَن يَلْعَنِ ٱللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُۥ نَصِيرًا ﴿٥٢﴾

(۵۲)۔ یہ وہی ہیں جنہیں اللہ نے دھتکار دیا ہے اور اللہ جسے دھتکارے تم اُس کے لئے کوئی مددگار نہیں پاؤ گے۔

---

(۵۲)۔ یہ لوگ اور اِن صفات کے حامل تمام لوگ اللہ تعالیٰ کی لعنت کے مستحق ہیں، اللہ کی طرف سے دھتکارے ہوئے یہ لوگ نہ دنیا میں کوئی مددگار پاسکتے ہیں اور نہ آخرت میں۔ اِنہوں نے تو کافروں کی مدد، خوشنودی اور خیر خواہی حاصل کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ اُن کے حق میں اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈے کرتے تھے لیکن آپ دیکھ لیں گے کہ اِن کی یہ امیدیں پوری نہیں ہوں گی اور یہ کافر اِن کی کوئی مدد نہیں کرسکیں گے۔

أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ ٱلْمُلْكِ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ ٱلنَّاسَ نَقِيرًا ﴿٥٣﴾

(۵۳)۔ کیا اختیارات میں اِن کا کوئی حصہ ہے؟ (اگر ایسا ہوتا) تو پھر تو لوگوں کو ایک نقیر بھی نہ دیتے۔

---

(۵۳)۔ اہلِ کتاب مسلمانوں کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ: یہ لوگ (مسلمان) اپنی جد و جہد، دعوت اور جہاد سے کچھ بھی حاصل نہ کر پائیں گے۔ یہ صرف اپنے ساتھ دشمنی کر رہے ہیں، اِن کے دشمن مضبوط اور طاقتور ہیں، اُن کے وسائل اور امکانات بھی زیادہ ہیں اور وہ حق پرست اور راہ راست پر چلنے والے بھی ہیں۔ اِن کی اِن باتوں کے جواب میں کہا گیا ہے کہ

مسلمانوں کا مستقبل تو تمہارے اختیار میں نہیں ہے اور نہ اُن کے ساتھ معاملہ تمہاری خواہشات کے مطابق کیا جائے گا۔ اگر امور تمہاری خواہشات کے مطابق انجام پارہے ہوتے اور فیصلے تمہاری مرضی کے مطابق کیے جاتے تو پھر تو تم کسی کو کھجور کی گٹھلی (کے ایک ذرے) کے برابر کوئی چیز بھی نہ دیتے، نہ مسلمانوں کو اور نہ ہی اُن کے دشمنوں کو بلکہ سب کچھ خود اپنے لئے ہتھیانے کی کوشش کرتے۔ پس جو کچھ اپنے لئے نہیں رکھتے ہو اُس سے کافروں کو کیوں کر نوازو گے؟ مراد یہ ہے کہ کافروں کے لئے تمہاری (منافقین کی) خیر خواہی اور مسلمانوں کے بارے میں تمہاری بدنیتی کوئی نتیجہ پیدا نہیں کر سکے گی۔

أَمْ يَحْسُدُونَ ٱلنَّاسَ عَلَىٰ مَآ ءَاتَىٰهُمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ ۖ فَقَدْ ءَاتَيْنَآ ءَالَ إِبْرَٰهِيمَ ٱلْكِتَٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ وَءَاتَيْنَٰهُم مُّلْكًا عَظِيمًا ﴿٥٤﴾

(۵۴) کیا لوگوں کے ساتھ اُس چیز کے لئے حسد کرتے ہو جو اللہ نے اپنے فضل کے بناء پر اُن کو دے رکھا ہے؟ پس ابراہیم کی اولاد کو تو ہم نے کتاب اور حکمت دی اور اُنہیں ایک عظیم بادشاہی سے نوازا۔

---

(۵۴)۔ اِن کے پروپیگنڈوں اور دشمنی کی وجہ اِن کا وہ حسد ہے جو اِن کو مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ اِن سے مسلمانوں پر اللہ کا فضل برداشت نہیں ہو رہا اور یہ مسلمانوں کو کافروں پر غالب ہوتے نہیں دیکھ سکتے۔ اللہ تعالیٰ اِن کے جواب میں فرماتا ہے: جس طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو کتاب، حکمت اور ایک عظیم بادشاہی سے نوازا اِسی طرح ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کتاب اور حکمت سے نوازا اور اُسے عظیم بادشاہی بخش دیں گے۔

فَمِنْهُم مَّنْ ءَامَنَ بِهِۦ وَمِنْهُم مَّن صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿٥٥﴾

(۵۵)۔ پس اِن میں سے بعض اِس پر ایمان لے آئے اور بعض نے اِس سے گریز کیا اور (اِن کے لئے) بھڑکتا جہنم کافی ہے۔

---

(۵۵)۔ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو جو کتاب دی گئی تھی تو اُس پر اِن میں سے بعض ایمان لے آئے اور بعض نے روگردانی کی۔ مسلمانوں کو جو کتاب دی گئی، یہ ہے اُس پر بھی بعض ایمان لے آئے اور بعض نے گریز کیا، اِن کا انجام بھی اُسی طرح ہو گا جس طرح پہلوں کا ہوا۔ اور کچھ نہیں تو جہنم بھی اِن کے لئے کافی ہے۔

إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ بِـَٔايَـٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَـٰهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُواْ ٱلْعَذَابَ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٥٦﴾

(٥٦)۔ یقیناً جنہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا، اُنہیں ہم عنقریب آگ میں داخل کر دیں گے، جب اُن کی کھالیں جل جائیں گی تو اُس کے بدلے (اُن کے جسم پر) دوسری کھال چڑھالیں گے، تاکہ عذاب چکھیں، بے شک اللہ حکمت والا عزیز ہے۔

(٥٦)۔ اِس آیت میں قرآن کا ایک اور علمی اعجاز ہمارے سامنے آتا ہے: قرآن نے کہا ہے کہ کافر آگ میں جلیں گے۔ جب اِن کی جلد جل جائے گی تو اِن کے جسم پر دوسری جلد چڑھادی جائے گی تاکہ عذاب کا مزا چکھتے رہیں یعنی یہ کہ انسان اپنی جلد کے ذریعے درد کا احساس کرتا ہے جب جلد نہیں ہوتی تو درد کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ یہ وہ حقیقت ہے جسے اب چودہ سو سال بعد کہیں جاکر انسان سمجھ سکا ہے کہ درد کا احساس رکھنے والے عصبی ریشے انسان کی جلد میں ہوتے ہیں نہ کہ گوشت میں۔

وَٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّـٰلِحَـٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّـٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَـٰرُ خَـٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ۖ لَّهُمْ فِيهَآ أَزْوَٰجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۖ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ﴿٥٧﴾

(٥٧)۔ اور وہ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے عنقریب ہم اُنہیں ایسی جنتوں میں داخل کر دیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اُس میں ابد تک (ہمیشہ) رہیں گے۔ اُن کے لئے اُس میں پاکیزہ جوڑے ہوں گے اور ہم اُنہیں گھنی چھاؤں میں داخل کر دیں گے۔

(٥٧)۔ جنت، درختوں کے نیچے نہریں، ہمیشہ کی زندگی، پاک جوڑے اور دلکش چھاؤں؛ یہ ہے مومنوں کا اجر اور بدلہ۔

إِنَّ ٱللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّواْ ٱلْأَمَـٰنَـٰتِ إِلَىٰٓ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ ٱلنَّاسِ أَن تَحْكُمُواْ بِٱلْعَدْلِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِۦٓ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ سَمِيعًۢا بَصِيرًا ﴿٥٨﴾ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ

أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَٰزَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْأَٰخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلاً ﴿٥٩﴾

(۵۸)یقیناً اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اُن کے اہل (لوگوں) کے حوالے کرو اور جب بھی لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔ بے شک اللہ تمھیں بہترین کی نصیحت کرتا ہے۔ یقیناً اللہ بصیر سننے والا ہے۔(۵۹)اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور پیغمبر اور اپنے اولوالامر کی اطاعت کرو، تو اگر کسی بات میں آپس میں الجھ گئے (اختلافِ رائے ہو جائے) تو اُسے اللہ اور پیغمبر کی طرف پھیر دو اگر اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ طریقہ بہت بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے خوب تر ہے۔

(۵۸۔۵۹)۔اِن دو آیات میں اسلامی نظام کے بارے میں چند ایسی اساسی رہنمائیاں کی گئی ہیں کہ اگر اِس بارے میں تمام قرآن میں صرف یہی آیات نازل ہوئی ہوتیں تو اِس نظام کے تعارف کے لئے کافی ہوتیں۔ اِن آیات میں درج ذیل مطالب بیان ہوئے ہیں:

- اللہ تعالیٰ تمام امتِ مسلمہ کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں اِن کے اہل کے حوالے کرو۔ امانت کا مطلب عام بھی ہو سکتا ہے اور ہر مادی اور معنوی امانت کو محیط ہو سکتا ہے مگر یہاں اِس سے مراد اقتدار اور اختیار کی امانت ہے۔
- اسلام کی نگاہ میں اقتدار ایک امانت ہے اور اقتدار کا مالک لوگوں کی امانتوں کا امین ہے۔
- یہ امانت مسلمانوں کی طرف سے اُس کے حوالے کی جائے گی جو اِس کی اہلیت رکھتا ہو۔ یہ تمام اُمت مسلمہ کی ذمہ داری اور فریضہ ہے کہ اقتدار کی امانت اور اُس سے متعلقہ تمام امانتیں ایسے لوگوں کے سپرد کریں جن میں اِس کی قابلیت اور اہلیت موجود ہو۔
- جس طرح ہر امانت کا اصل مالک یہ اختیار رکھتا ہے کہ اپنی امانت کن شرائط پر، کتنی مدت کے لئے امین کے حوالے کرے اور کب اُسے واپس لے۔ اِسی طرح یہ بھی لوگوں کا حق ہے کہ امارت کی امانت کس کو، کتنی مدت کے لئے دیں اور کب واپس لے لیں۔
- اِس امین کو جو اختیارات اور امکانات حوالے کیے جاتے ہیں، چاہے عشر و زکوٰۃ ہے یا غنیمت اور فے کا مال ہے، قومی یا بین الاقوامی معاملات ہیں یا جنگ اور صلح کی باتیں ہیں؛ یہ تمام قوم کی امانتیں ہیں۔ وہ اِن امانات میں کوئی بھی تصرف، عوام کے

مشورے سے کرنے کا پابند ہے، ہر وہ تصرف جو عوام کے مشورے کے بغیر کیا جائے؛ خیانت ہے۔ یہ حق قوم کا ہے کہ اُس کو کتنا اختیار دیتی ہے، کب دیتی ہے اور کب واپس لیتی ہے۔ یہ عوام کا خادم، وکیل اور کفیل ہے نہ کہ آقا اور مالک۔

- جس کو امارت اور اقتدار کی امانت حوالے کی جاتی ہے وہ اِس میں امین کی مانند تصرف کر سکتا ہے نہ کہ ایک مطلق العنان حاکم کی مانند۔
- امانتوں کے اِس امین کو مکلف کیا گیا ہے کہ اِس کا ہر فیصلہ عدل پر مبنی ہو گا۔
- اگر اِس امین (امیر) اور امانت کے مالکان (لوگوں) کے درمیان کسی چیز میں اختلاف واقع ہو جائے تو تنازع اللہ کی کتاب اور سنت رسول ﷺ کی طرف پھیرا جائے گا۔ یعنی حتمی فیصلہ قرآن اور سنت کی رو سے کیا جائے گا۔
- قانون کے سامنے سب لوگ برابر ہیں، قانون سے بالاتر کوئی نہیں ہے اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ حتمی اور آخری فیصلے کا اختیار اپنے آپ کو دے دے۔

درج ذیل باتیں بھی اِنہی آیات سے مستنبط ہوتی ہیں:

- اسلام کی رو سے امیر کا انتخاب مسلمانوں کی ذمہ داری بھی ہے اور اُن کا حق بھی؛ لوگوں کی کھلم کھلا اور آزاد مرضی کے ساتھ کی گئی بیعت امارت کے لئے شرط مقرر کی گئی ہے۔
- امیر کے ساتھ لوگوں کے بیعت کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ پہلے وہ کسی دوسرے راستے سے امارت کا عہدہ سنبھالے گا اور پھر لوگ بیعت کے ظاہری مراسم اِس غرض کے لئے پورے کریں گے کہ اُس کے سامنے اپنی وفاداریوں کا اظہار کر سکیں بلکہ یہ اِس کے بالکل برعکس ہے یعنی بیعت واقع ہو گی تو کوئی امیر بنے گا۔ جب تک بیعت نہیں ہوئی امارت واقع نہیں ہو سکتی؛ امیر وہ ہے جو بیعت کے نتیجے میں امیر بنے، بیعت کی غیر موجودگی میں مسلط کیا گیا امیر ایک جابر اور غاصب حاکم ہے۔

ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تب امیر بنے جب لوگوں نے مسجد میں اُن کی بیعت کر لی۔ اِسی طرح عمر رضی اللہ تعالیٰ اُس کے بعد امیر بنے جب لوگوں نے اُن کی بیعت کر لی؛ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے اُن کا انتخاب صرف ایک نامزدگی تھی یعنی اُنہوں نے عوام کے سامنے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام انتخاب کے لئے پیش کیا۔ اِسی طرح عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی شہادت سے قبل سات آدمی اِس کام کے لئے مقرر کئے کہ اپنے اندر سے ایک آدمی کی نامزدگی کر کے عوام کے سامنے انتخاب کے لئے پیش کریں۔

عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتخاب اِس طرح عمل میں آیا کہ پہلے عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپؓ اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مدینے کے لوگوں سے بشمول خواتین کے، مسلسل تین دن تک رائے لیتے رہے۔ اُس کے بعد مسجد میں آکر اعلان کیا کہ مدینے کے زیادہ تر لوگ عثمانؓ کی امارت پر راضی ہیں۔ جب لوگوں نے اِس سے اتفاق کیا اور بیعت مکمل ہوئی تو اُس کے بعد عثمانؓ خلیفہ بنے۔ آپؓ کی شہادت کے بعد علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں اور بیعت مکمل ہونے کے بعد خلیفہ منتخب ہوئے۔ یہ مسلسل عمل ہمیں بتاتا ہے کہ بیعت امارت کے لئے شرط ہے، بیعت کے بعد امیر مقرر ہوتا ہے نہ کہ اُس سے پہلے۔

اِس مسلسل عمل سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بیعت ایک پوشیدہ نہیں بلکہ ایک ظاہر اور کھلی ہوئی کاروائی ہے۔ یہ عام لوگوں کا کام ہے نہ کہ خاص لوگوں کا، مسجد میں انجام پانے والا کام ہے نہ کہ کسی قصر میں اور وہ تمام لوگ اِس میں حصہ لے سکتے ہیں جن کی مسجد میں آنے پر پابندی نہیں ہے۔

ہم پیغمبر علیہ السلام کی سنت اور صحابہ رضی اللہ عنھم کے منہج کو مدِ نظر رکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ:

- ہمیں ایک غیر اسلامی معاشرے کے حاکم سیاسی نظام میں حصہ لینے سے گریز کرنا چاہیے۔
- ہم اِس غیر مسلم معاشرے میں انتخابات کے ذریعے تبدیلی لانے اور اقتدار تک پہنچنے کی کوشش نہیں کریں گے اِس لئے کہ پیغمبر علیہ السلام نے ایسا نہیں کیا۔
- اسلام ہمیں یہ حکم دیتا ہے کہ ہم پہلے انقلاب لائیں گے، غیر اسلامی معاشرے کو جہاد کے ذریعے ایک اسلامی معاشرے میں تبدیل کریں گے اور یوں اقتدار کو ظالموں سے چھین کر صالح افراد کے ہاتھوں میں منتقل کریں گے۔ تاہم انقلاب برپا کرنے کے بعد اور اسلامی معاشرے کے قیام کے بعد، اقتدار تک پہنچنے کے لئے اسلحہ اُٹھانے اور سازشیں کرنے سے گریز کریں گے۔ اقتدار کو مسلمانوں کی امانت سمجھیں گے اور لوگوں کا یہ حق تسلیم کریں گے کہ وہ امارت کا منصب اپنی مرضی کے صالح اور اہلیت رکھنے والے فرد کے سپرد کریں۔ اِس طرح سے امیر مسلمانوں کی مرضی اور بیعت کے ذریعے مقرر کیا جائے گا۔
- امیر کا انتخاب سوسائٹی کے تمام افراد کا کام ہے نہ کہ چند محدود افراد کا، اِس لئے کہ خلفائے راشدین کا انتخاب مسجد میں ہوتا رہا ہے نہ کہ بند دروازوں کے پیچھے، چند محدود افراد کے ہاتھوں۔
- امارت کے لئے ایک سے زیادہ افراد بھی نامزد کئے جاسکتے ہیں، جیسے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا۔
- اگر ایک سے زیادہ افراد کے نام امارت کے لئے سامنے آئیں تو استفتاء اور لوگوں کی رائے کی بنیاد پر اُن میں سے کسی ایک کا انتخاب اکثریت کی بنیاد پر کیا جاسکتا ہے۔

- امارت کے لئے بعض خاص صفات مقرر کی گئی ہیں، اُنہی صفات کی بنیاد پر اہلیت رکھنے والوں کو نامزد کیا جائے گا۔ مگر اُن میں سے کسی ایک کا انتخاب مسلمانوں کی کثرتِ رائے کی بنیاد پر کیا جائے گا۔

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اِن واضح نصوص کی موجودگی میں اور اِس حال میں کہ خلفائے راشدین کے انتخاب کی مثالیں بھی سامنے پڑی ہیں، بعض لوگ امارت کو موروثی حق سمجھتے ہیں۔ اِسے صرف علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپؓ کی اولاد تک محدود کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ کی جانب سے منتخب کئے گئے ہیں۔ اگر یہ بات درست ہوتی تو اللہ کی کتاب میں اِس کی ہدایت کی گئی ہوتی، پیغمبر علیہ السلام لوگوں کو واضح ہدایات دے چکے ہوتے، صحابہ کرام علیؓ کو خلیفۂ اول کے طور پر اور اُن کی اولاد کو اُن کے بعد اُمراء کے طور پر منتخب کرتے۔ خود علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنے پیشرو خلفاء کی بیعت نہ کرتے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ قرآن میں یہ نہ کہا گیا ہوتا کہ اے مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ (امارت کی) امانت اُس کے اہل لوگوں کے سپرد کرو۔ اگر امارت کوئی موروثی شے ہوتی اور امیر اللہ اور اُس کے پیغمبر کی طرف سے مقرر ہوتا تو مسلمانوں کو یہ بات کیوں کہی جاتی؟ اِس لئے کہ میراث تو ورثا کو بغیر اِس کے دی جاتی ہے کہ وہ بچہ ہے یا بڑا، صحتمند ہے یا بیمار، عقلمند ہے یا بے عقل؛ میراث میں تو اہلیت کی شرط وضع ہی نہیں کی جاسکتی۔ کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ دنیا بھر میں جہاں کہیں بھی موروثی نظام موجود ہے؛ وہاں اِس بات کا خیال نہیں رکھا جاتا کہ حکمران کا وارث اِس منصب کا اہل ہے یا نہیں اور اقتدار بیٹے، بیٹی یا بیوی میں سے کسی کے بھی حوالے کر دیا جاتا ہے۔ آپ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید کی دسیوں آیات میں اہل کتاب کی اِس بات پر گرفت کی گئی ہے کہ وہ مذہبی مقام و منزلت کے انتقال کے لئے موروثی نظام پر یقین رکھتے تھے۔

بعض لوگوں کا یہ کہنا بھی ناقابلِ فہم ہے کہ کسی کی امارت کے لئے پانچ آدمیوں کی بیعت بھی کافی ہے۔ اِن کا دعویٰ ہے کہ اگر امت کے پانچ آدمی اور حتیٰ کہ ایک آدمی بھی کسی کی بیعت کرلے تو اُس کی امارت مسلم ہو جائے گی اور وہ سب کے لئے واجب الاطاعت ہو جائے گا۔ یہ بے بنیاد اور فضول باتیں ہیں جو واضح نصوص کے بھی خلاف ہیں اور صحابہ کے منہج کے بھی، ایسی باتیں تو صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو کسی کا درباری مفتی ہو اور اِن سب دلائل سے صرف نظر کرے۔

اِس حکم سے کہ لوگوں اور امیر کے مابین اختلاف کا فیصلہ قرآن اور سنت کے مطابق کیا جائے گا؛ یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ امیر مشورے کا مکلف ہے۔ اختلاف کی صورت میں آخری فیصلے کا حق اُسے نہیں دیا گیا ہے بلکہ آخری اور حتمی فیصلہ قرآن و سنت کی رو سے کیا جائے گا اور یہی اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان کا تقاضا بتایا گیا ہے۔

یہاں اولوالامر سے مسلمانوں کا کون سا امیر مراد ہے؟ ہر امیر کہ صرف خلیفہ اور امیر المومنین؟ اگر چہ اولي الامر منکم کا اطلاق ہر امیر پر ہو سکتا ہے مگر دو دلائل کی بنیاد پر ہم اطمینان کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اِس سے مراد مسلمانوں کا امیر اعلیٰ ہے:

- اِس کا ذکر اللہ اور پیغمبر کے معاً بعد کیا گیا ہے۔
- دوسرے اُمراء اور صاحبانِ اختیار کی اطاعت بھی دراصل امیر اعلیٰ ہی کی اطاعت ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ ءَامَنُوا۟ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوٓا۟ إِلَى ٱلطَّٰغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوٓا۟ أَن يَكْفُرُوا۟ بِهِۦ وَيُرِيدُ ٱلشَّيْطَٰنُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَٰلًۢا بَعِيدًا ﴿٦٠﴾

(۶۰)۔ کیا تم نے اُنہیں نہیں دیکھا جن کا خیال ہے کہ اُس چیز پر اُن کا ایمان ہے جو تم پر نازل ہوئی اور اُس پر بھی جو تم سے قبل نازل ہوئی ہے، مگر چاہتے ہیں کہ فیصلوں کے لئے طاغوت کی طرف رجوع کریں حالانکہ اُنہیں حکم دیا گیا تھا کہ اُس کا انکار کروگے اور شیطان چاہتا ہے کہ اِنہیں بڑی دور کی گمراہی میں ڈال دے۔

---

(۶۰)۔ اِس آیت کی رو سے اُن لوگوں کا ایمان قابلِ اعتبار نہیں ہے جو اپنے تنازعات طاغوت کی طرف راجع کرتے ہیں۔ جو کوئی طاغوت کی حکمرانی پر راضی ہوتا ہے اور اپنے تنازعات کے بارے میں اُس کے فیصلے تسلیم کرتا ہے وہ شدید گمراہی میں مبتلا ہے اور شیطان نے اُسے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ ایسے لوگوں کا ایمان کا دعویٰ معتبر نہیں ہے چاہے وہ یہ پختہ گمان ہی کیوں نہ رکھتے ہوں کہ وہ قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور اُس سے پہلی کتابوں پر بھی۔ یعنی جب تک تم طاغوت کا انکار نہ کر لو اللہ کو تمہارا ایمان قبول نہیں۔

یہ آیت ہمیں نہ صرف ایمان کی حقیقت بتاتی ہے بلکہ طاغوت کا مطلب بھی سمجھاتی ہے۔ لوگ اللہ تعالیٰ کے علاوہ جس کسی کی طرف اپنے تنازعات کے حل و فصل کے لئے رجوع کرتے ہیں، وہی طاغوت ہے۔ وہی جو حاکم اور قاضی ہے مگر اُس کے فیصلے اللہ کے دین کے مطابق نہیں ہیں اور وہ ماانزل اللہ کے مطابق حکم جاری نہیں کرتا۔ طاغوت کا مطلب شیطان نہیں بلکہ شیطان کا مطیع و فرمان بردار حاکم ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا۟ إِلَىٰ مَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ وَإِلَى ٱلرَّسُولِ رَأَيْتَ ٱلْمُنَٰفِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا ﴿٦١﴾

(۶۱)۔ اور جب اُنہیں کہا جاتا ہے کہ: اُس چیز کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل کی ہے اور پیغمبر کی طرف؛ تو تم دیکھ لوگے کہ منافقین تم سے شدت کے ساتھ گریز کرتے ہیں۔

(۶۱)۔ اِس مبارک آیت میں لوگوں کا اپنے تنازعات قرآن و سنت کے مطابق حل کرنے سے گریز کو منافقت کی نشانی قرار دیا گیا ہے۔ چاہے یہ تنازعات اور اختلافات مادی ہوں یا معنوی، مذہبی ہوں یا سیاسی، اخلاقی ہوں یا حقوق سے وابستہ، انفرادی ہوں یا اجتماعی؛ ہر معاملے میں تمام تنازعات اور اختلافات قرآن و سنت کی رو سے فیصلہ کئے جائیں۔ اِس مبارک آیت کی بنیاد پر وہ شخص منافق ہے جو قرآن و سنت کے علاوہ دوسری چیزوں کی بنیاد پر اپنے تنازعات حل کرتا ہے۔

فَكَيْفَ إِذَآ أَصَٰبَتْهُم مُّصِيبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَآءُوكَ يَحْلِفُونَ بِٱللَّهِ إِنْ أَرَدْنَآ إِلَّآ إِحْسَٰنًا وَتَوْفِيقًا ﴿٦٢﴾

(۶۲)۔ تو اُس وقت کیا ہوتا ہے جب کوئی مصیبت اُنہیں اُس چیز کی پاداش میں گھیر لیتی ہے جسے وہ اپنے ہاتھوں پہلے ہی بھیج چکے ہیں اور پھر تمہارے پاس اللہ کے نام پر قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں کہ ہم تو بہتری اور توفیق کے علاوہ اور کسی چیز کے طلبگار نہیں تھے۔

(۶۲)۔ اگرچہ اِس آیت کا حکم عام ہے مگر پچھلی آیت کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے یہ مطلب دیتا ہے کہ اِن منافقین کو جب اپنے تنازعات قرآن و سنت کے علاوہ حل کرنے کی کوشش میں کوئی مصیبت گھیر لیتی ہے تو پھر تمہارے پاس آتے ہیں اور اللہ کا نام لے لے کر قسمیں کھاتے ہیں کہ اُنہوں نے کسی بُرے ارادے سے یہ کام نہیں کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ ہمارے ارادے نیک تھے اور ہم نے صلح صفائی کی غرض سے اِس طرح کیا ہے، ہم چاہتے تھے کہ کسی طرح فریقین میں صلح ہو جائے۔

أُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ يَعْلَمُ ٱللَّهُ مَا فِى قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُل لَّهُمْ فِىٓ أَنفُسِهِمْ قَوْلًۢا بَلِيغًا ﴿٦٣﴾

(۶۳)۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں موجود (خیالات اور ارادوں) کو اللہ خوب جانتا ہے تو اِن سے اعراض کر لو، اِن کو نصیحت کرو اور اِن کے بارے میں اِن سے بلیغ (دل پر اثر کرنے والی) بات کہو۔

(۶۳)۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی قسموں کے ذریعے مسلمانوں کو بہکانا چاہتے ہیں اور اپنے نفاق کو چھپانا چاہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اِن کے دل میلے اور نفاق میں لتھڑے ہوئے ہیں۔ اِن کے بارے میں اللہ تعالیٰ جو کچھ فرما رہا ہے وہ اُس علم کے بناء پر ہے جو اِن کے سینوں کے پوشیدہ رازوں کے بارے میں اُسے حاصل ہے۔ اِن منافقین کے ساتھ معاملہ کرنے میں درج ذیل باتوں کا خیال رکھو:

- اِن سے اعراض کرو اور اِنہیں زیادہ توجہ نہ دو۔
- اِنہیں نصیحت کرو۔
- اِن کی حالت کے بارے میں اِن سے ایسے کھل کر بات کرو کہ اِن کے کان کھلیں اور اگر اپنی اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو کرلیں۔

وَمَآ أَرۡسَلۡنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذۡنِ ٱللَّهِۚ وَلَوۡ أَنَّهُمۡ إِذ ظَّلَمُوٓاْ أَنفُسَهُمۡ جَآءُوكَ فَٱسۡتَغۡفَرُواْ ٱللَّهَ وَٱسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ ٱلرَّسُولُ لَوَجَدُواْ ٱللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ﴿٦٤﴾

(۶۴)۔ اور کسی پیغمبر کو ہم نے اِس کے علاوہ کسی اور مقصد سے نہیں بھیجا کہ اللہ کے حکم کے تحت اُس کی پیروی کی جائے اور اگر یہ اُس وقت تمہارے پاس آتے جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے۔ پھر اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور پیغمبر بھی اُن کی مغفرت کا خواستگار ہوتا تو اللہ کو مہربان توبہ قبول کرنے والا پاتے۔

(۶۴)۔ اِس جامع آیت میں چند بڑی بڑی رہنمائیاں کی گئی ہیں:

- اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اِس لئے بھیجے ہیں کہ اُن کی اطاعت کی جائے، اُن کی پیروی کی جائے اور وہ رہنما اور پیشوا مانے جائیں۔ یہ صرف پیغام لانے والے نہیں ہیں کہ لوگ صرف اِن کی بات سن لیں اور پھر اپنی مرضی سے عمل کریں؛ نہیں! بلکہ یہ کہ اِن کو اللہ کے پیغام کا مجسم نمونہ سمجھا جائے۔ اگر لوگ جاننا چاہیں کہ اللہ کیسے انسان کو پسند

کرتا ہے تو اللہ کا محبوب شخص، پیغمبرؐ کی صورت میں اُن کو نظر آجائے۔ اگر واقعی چاہتے ہیں کہ دین کی راہ پر چل کر دکھائیں تو اللہ کے دین پر عمل کرنے کا بہترین نمونہ بھی پیغمبر ہی ہے۔

- اگر کبھی کسی معاملے میں تم سے لغزش ہو گئی، کسی قضیے میں اوپر بیان کیے گئے نمونے کی مخالفت کر بیٹھے اور پیغمبر کی اطاعت سے محروم رہے، اُس کی سنت پر عمل نہ کر سکے تو اللہ سے معافی مانگو اور توبہ بجالاؤ۔
- اللہ مہربان توبہ قبول کرنے والا ہے، توبہ اور توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے، نہ صرف یہ کہ توبہ قبول کرتا ہے اور توبہ کرنے والے کو معاف کرتا ہے بلکہ توبہ کرنے والے پر مزید مہربانی بھی کرتا ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا۟ فِىٓ أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا۟ تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾

(۶۵)۔ پس نہیں؛ تیرے رب کی قسم! یہ اُس وقت تک ایمان نہیں لائے جب تک تمہیں آپس کی تنازعات میں حکم نہ بنائیں اور پھر تمہارے فیصلوں کے بارے میں دلوں میں کوئی تنگی بھی محسوس نہ کریں اور مکمل طور پر خود سپردگی اختیار کر لیں۔

---

(۶۵)۔ جب تک یہ لوگ تمہیں اپنے تنازعات میں حکم نہ بنائیں اور پھر تمہارے فیصلے پر راضی نہ ہو جائیں اور اپنے دلوں میں کسی تنگی کا احساس بھی نہ پائیں اور عملاً تابعدار نہ بنیں؛ مومن نہیں کہلائے جاسکتے اور اِن کے ایمان کا دعویٰ قبول نہیں کیا جاسکتا۔

اِس آیت سے انتہائی وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کی قبولیت کی شرائط درج ذیل ہیں:

- تنازعات اور اختلافات شریعت کی طرف پھیرنا۔
- اسلام کے ہر فیصلے پر رضامندی۔
- اور ہر حکم کی عملاً اطاعت۔

وَلَوۡ أَنَّا كَتَبۡنَا عَلَيۡهِمۡ أَنِ ٱقۡتُلُوٓاْ أَنفُسَكُمۡ أَوِ ٱخۡرُجُواْ مِن دِيَٰرِكُم مَّا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٞ مِّنۡهُمۡۖ وَلَوۡ أَنَّهُمۡ فَعَلُواْ مَا يُوعَظُونَ بِهِۦ لَكَانَ خَيۡرٗا لَّهُمۡ وَأَشَدَّ تَثۡبِيتٗا ﴿٦٦﴾ وَإِذٗا لَّأٓتَيۡنَٰهُم مِّن لَّدُنَّآ أَجۡرًا عَظِيمٗا ﴿٦٧﴾ وَلَهَدَيۡنَٰهُمۡ صِرَٰطٗا مُّسۡتَقِيمٗا ﴿٦٨﴾

(٦٦)۔اور اگر ہم اِن پر یہ فرض کرتے کہ اپنی جانیں قتل کردو یا اپنے گھر بار سے نکل جاؤ تو تھوڑے سے لوگوں کے علاوہ یہ اِس کی تعمیل نہ کرتے اور اگر وہ کچھ کرلیتے جس کی اِن کو نصیحت کی جاتی تو یہ اِن کے لئے بہت بہتر ہوتا اور ثبات (ثابت قدمی) پر مضبوطی سے جمانے والا بھی۔(٦٧) اور اُس وقت ہم اپنی طرف سے اِن کو بڑا اجر عطا کرتے۔(٦٨) اور لازماً ہم اِن کو صراطِ مستقیم کی ہدایت کرتے۔

(٦٦۔٦٨)۔ اگر ہم اِن کو ایسی حالت سے دوچار کردیں جس میں اللہ کی راہ میں شہادت اور ہجرت اِن پر فرض ہو جائے تو اُن لوگوں میں سے جو اپنے تنازعات طاغوت کے پاس لے جاتے ہیں؛ کم ہی ایسے نکلیں گے جو اِس پر تیار ہو جائیں گے۔ لیکن اگر اِس کی تعمیل کردیتے تو اِن کے لئے بہت بہتر ہوتا، یہ اِن کے ثبات اور استقامت کی نشانی ہوتی اور اِن کے اپنے عقیدے پر ڈٹ جانے کا باعث بھی بن جاتا۔ اِس کی بدولت اِن کو اجرِ عظیم بھی ملتا اور راہِ راست پر چلنے کی مزید توفیق بھی ملتی۔

بعض لوگوں نے (اقتلوا انفسکم) کا معنٰی اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرنا کیا ہے مگر یہ تعبیر کئی دلائل کی بنیاد پر ضعیف ہے:

- اللہ کسی کو خودکشی کا مکلف نہیں ٹھہراتا۔ سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل کے بارے میں یہ الفاظ آئے ہیں؛ وہاں بھی ان کا مطلب خودکشی نہیں بلکہ اپنی قوم کے وہ لوگ اپنے ہاتھوں سے قتل کرنا ہے جو شرک کے مرتکب ہوئے تھے۔
- (اخرجوا من دیارکم) سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس سے مراد ہجرت ہے اور (اقتلوا انفسکم) سے مراد اللہ کی راہ میں جان کی قربانی دینے کے لئے تیار ہونا ہے۔

- یہاں منافقین کے بارے میں بحث ہو رہی ہے اور بحث کا موضوع یہ ہے کہ جب وہ اپنے تنازعات پیغمبر علیہ السلام کی طرف راجع نہیں کرتے، تو اگر انہیں اللہ کی راہ میں جہاد، قربانی اور ہجرت کی طرف بلایا جائے تو یہ کام تو کسی صورت نہیں کریں گے۔
- (یوعظون) کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ مستقبل میں اِن کو جہاد، قربانی اور اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑنے کے لئے بلایا جائے گا۔ اگر اُس وقت اِنہوں نے یہ دعوت قبول کر لی اور قربانی کے لئے تیار ہو گئے تو اِس اور اِس اجر سے نوازے جائیں گے اور یہ سب وہ اجر ہیں جو اللہ تعالیٰ مجاہد اور مہاجر کو عطا کرتا ہے۔ اجر کے ضمن میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ راہِ راست کی ہدایت دی جائے گی۔ اب اگر اسے خود کشی کے معنٰی میں لے لیا جائے تو پھر تو آیت کا ترجمہ یہ ہو جائے گا: کہ اگر انہوں نے اپنی جانیں لے لیں تو اِن کو راہِ راست کی ہدایت کی جائے گی اور ظاہر ہے کہ یہ تعبیر درست نہیں ہے۔
- اِس کے متصلاً بعد آیت (۶۹) میں شہداء کا ذکر اور یہ کہنا کہ اللہ اور پیغمبر کی اطاعت کرنے والے انبیاء، شہداء اور صالحین ہیں؛ از خود یہ مطلب واضح کرتا ہے کہ یہاں مراد شہادت کے لئے تیار ہونا ہے نہ کہ خود کشی کرنا۔

وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ فَأُوْلَـٰٓئِكَ مَعَ ٱلَّذِينَ أَنْعَمَ ٱللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ وَٱلصِّدِّيقِينَ وَٱلشُّهَدَآءِ وَٱلصَّـٰلِحِينَ ۚ وَحَسُنَ أُوْلَـٰٓئِكَ رَفِيقًا ﴿٦٩﴾ ذَٰلِكَ ٱلْفَضْلُ مِنَ ٱللَّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ عَلِيمًا ﴿٧٠﴾

(۶۹)۔ اور جس نے اللہ کی اور پیغمبر کی اطاعت کی پس وہ اُن لوگوں کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے نوازشات کی ہیں، پیغمبروں، صدیقوں، شہداء اور صالحین کے ساتھ اور کتنی خوب ہے رفاقت اِن کی۔ (۷۰) یہ تو اللہ کا فضل ہے اور اللہ خوب جاننے والے کے طور پر کافی ہے۔

(۶۹۔۷۰)۔ جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے؛ درج ذیل شخصیتوں کے گروہ میں سے ہو گا:

- انبیاء علیہم السلام۔

- صدیقین: وہ جو اپنے ایمان اور اللہ کے ساتھ اپنے کیے گئے وعدوں میں سچے اور صادق ہوں۔
- شہداء: وہ جن کی عملی زندگی درست ایمان کی شاہد ہوتی ہے یعنی حق و حقیقت کے لئے اُن کی حیثیت ایک شاہد کی ہوتی ہے۔ ہر شخص اُن کے قول اور عمل سے یہ بات جان سکتا ہے کہ حقیقت کیا ہے اور حقیقی دین کونسا ہے اور وہ جو اللہ کی راہ میں شہادت کا مقام حاصل کر چکے ہوں۔
- صالحین: وہ جو اپنے اور معاشرے کی اصلاح کے کاموں میں مشغول رہتے ہوں۔

اِن چار گروہوں، انبیاءؑ، صدیقین، شہداء اور صالحین کا ذکر جس ترتیب سے آیا ہے؛ اُس میں نہایت لطافت و ظرافت سے ایک اہم بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ پیغمبر مبعوث ہوتا ہے، معاشرے کے بعض افراد اُس پر ایمان لے آتے ہیں، اُس کی بات کی تصدیق کر لیتے ہیں، اُس مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ دوسروں کے لئے معیار اور شاہد کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں، شہادت کے لیے تیار ہو جاتے ہیں، فتح، زمین کی خلافت اور وراثت اُن کے حصے میں آجاتی ہے اور اِنہی صالحین کے سپرد اللہ تعالیٰ معاشرے کی اصلاح کا کام کر دیتا ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ خُذُواْ حِذۡرَكُمۡ فَٱنفِرُواْ ثُبَاتٍ أَوِ ٱنفِرُواْ جَمِيعٗا ﴿٧١﴾

(۷۱)۔ اے مومنو! (مقابلہ کے سلسلے میں) اپنی احتیاطی تدابیر پر عمل کرتے ہوئے پھر انفرادی یا اجتماعی شکل میں نکل پڑو۔

---

(۷۱)۔ یہاں احتیاطی تدابیر اختیار کرنے سے مراد وہ تمام تدابیر ہیں جو لڑائی کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ چاہے یہ وسائل ہوں، اسلحہ ہو، خوراک کی سپلائی ہو، رہن سہن کے اسباب ہوں یا کچھ اور۔ یہ بھی ایسے مواقع کے لئے ضروری ہدایات میں سے ایک ہے کہ چاہے چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں جنگ کے لئے بھیجی جائیں یا ایک بڑا لشکر جس میں تمام دستے اکٹھے ہو کر نکلیں۔ کبھی یہ ترتیب فائدہ مند ہوتی ہے تو کبھی وہ۔ ضرورت سے زیادہ مجاہدین بھیجنا فضول جانی نقصان اور اخراجات کا باعث ہوتا ہے اور ضرورت سے کم ناکامی اور شکست کا باعث بنتا ہے۔ فوج کے سالار کی ذمہ داری ہے کہ حالات کا خوب جائزہ لے کر مناسب قوت استعمال کرے۔

وَإِنَّ مِنكُمۡ لَمَن لَّيُبَطِّئَنَّ فَإِنۡ أَصَٰبَتۡكُم مُّصِيبَةٞ قَالَ قَدۡ أَنۡعَمَ ٱللَّهُ عَلَيَّ إِذۡ لَمۡ أَكُن مَّعَهُمۡ شَهِيدٗا ﴿٧٢﴾

(۷۲)۔ اور یقیناً تم میں سے بعض ڈھیلے پڑ جاتے ہیں، تو اگر تمہیں کوئی گزند پہنچتی ہے تو کہتے ہیں: مجھ پر اللہ کا یہ فضل ہوا کہ میں اِن کے ساتھ موجود نہیں تھا۔

(۷۲)۔ جو لوگ نکلتے وقت تیار ہونے میں سستی کرتے ہیں، وہ درحقیقت تمہارے گروہ میں سے نہیں ہیں، نہ اِن کا ساتھ ایمان اور عقیدے کے تقاضے کی بنیاد پر ہے اور نہ اِن کا جہاد۔ جب آپ کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے، پسپائی یا جانی نقصان سے واسطہ پڑ جاتا ہے تو کہتے ہیں: اچھا ہوا کہ میں اِن کے ساتھ شامل نہیں تھا۔ مجھ پر اللہ کا یہ بڑا فضل ہوا کہ اُس نے مجھے اِن سے پیچھے کر دیا نہیں تو میں بھی اِس مصیبت میں پڑ گیا ہوتا۔ اِس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو مسلمانوں کا درد و غم اپنا ذاتی غم نہیں سمجھتا وہ منافق ہے۔

وَلَئِنْ أَصَٰبَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ ٱللَّهِ لَيَقُولَنَّ كَأَن لَّمْ تَكُنۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُۥ مَوَدَّةٌ يَٰلَيْتَنِى كُنتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٧٣﴾

(۷۳)۔ اور اگر اللہ کا فضل آپ کے شامل حال ہو جائے تو ایسی باتیں کرتا ہے جیسے تمہارے اور اِس کے درمیان کوئی رشتۂ محبت ہی نہیں؛ (کہتے ہیں) اے کاش میں بھی اِن کے ساتھ ہوتا اور کامیابی سے ہمکنار ہو گیا ہوتا۔

(۷۳)۔ لیکن اگر تمہیں فتح اور کامیابی نصیب ہو جائے تو اِس کی گفتگو پھر بھی کسی دشمن جیسی ہوتی ہیں نہ کہ کسی دوست کی طرح۔ تمہاری فتح کو اپنی فتح نہیں سمجھتا، تمہاری فتح پر خوش نہیں ہوتا اور اِس بات پر افسوس کرتا ہے کہ کاش وہ بھی اِس موقع پر موجود ہوتا اور غنائم میں سے حصہ پاتا۔ اِس کی نظر میں غنائم کا حصول ہی بڑی کامیابی ہوتی ہے باقی ہر چیز کی اہمیت ثانوی ہوتی ہے۔ یہ آیت منافق کی ایک دوسری خصلت کی طرف اشارہ کرتی ہے اور کہتی ہے: جو مسلمانوں کی کامیابی کو اپنی کامیابی نہیں سمجھتا وہ منافق ہے۔

فَلْيُقَٰتِلْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ ٱلَّذِينَ يَشْرُونَ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا بِٱلْءَاخِرَةِ ۚ وَمَن يُقَٰتِلْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٧٤﴾

(۷۴)۔ پس اللہ کی راہ میں جنگ وہ لوگ لڑیں جو دنیا کی زندگی آخرت کے عوض بیچتے ہیں اور جو کوئی اللہ کی راہ میں جنگ کرے اور مارا جائے یا غالب آجائے تو عنقریب ہم اُسے اجرِ عظیم دے دیں گے۔

---

(۷۴)۔ اللہ کی راہ میں لڑنے کی اہلیت ہر کسی میں نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ اِس مقام اور اِس رتبہ ٔبلند کا اہل صرف اُن لوگوں کو سمجھتا ہے جن کا ہدف اللہ کی رضا حاصل کرنا ہوتا ہے۔ جو اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کرتا ہو اور اِس بات کے لئے تیار ہو کہ اپنے تمام دنیاوی فوائد اُخروی زندگی پر تج دے۔ ایسے مجاہد کو شکور اللہ عظیم اجر سے نواز دے گا۔ چاہے وہ شہید ہو جائے یا غالب آجائے اور غازی بن کر لوٹ آئے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَـٰتِلُونَ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ وَٱلْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ ٱلرِّجَالِ وَٱلنِّسَآءِ وَٱلْوِلْدَٰنِ ٱلَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَآ أَخْرِجْنَا مِنْ هَـٰذِهِ ٱلْقَرْيَةِ ٱلظَّالِمِ أَهْلُهَا وَٱجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَٱجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا ﴿٧٥﴾

(۷۵)۔ اور تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں اور اُن کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کی نجات کے لئے نہیں لڑتے، جو کہتے ہیں کہ: اے ہمارے رب! اِس بستی سے جس کے باشندے ظالم ہیں، ہمیں نکال دے اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی سرپرست مقرر فرما اور اپنی طرف سے ہمارے لئے کوئی مددگار مقرر فرما۔

---

(۷۵)۔ یہ مبارک آیت نہایت قاطع اور واضح الفاظ میں بتاتی ہے کہ اللہ کی راہ میں مسلح جہاد اور مظلوموں کے نجات کے لئے ظالموں کے ساتھ جنگ کرنا ایک ایسا الٰہی فریضہ ہے جس کے چھوڑنے کے لئے کوئی دلیل اور کوئی بہانہ تلاش نہیں کیا جا سکتا۔ جب مسلمان کسی ایسے مرحلے پر پہنچ جاتے ہیں جب اسلحہ اُٹھانا اور دشمن سے لڑنا ضروری ہو جائے تو اِس کا کر گزرنا فرض قرار پا جاتا ہے اور اِس کا چھوڑنا ایک فرض ذمہ داری کو چھوڑنا قرار پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے تارکینِ جہاد کا کوئی بہانہ اور دلیل منظور نہیں فرماتا۔

اِس بات کی وضاحت البتہ ضرور ہو جانی چاہیے کہ اب یعنی پیغمبر علیہ السلام کی غیر موجودگی میں، ہم یہ مرحلہ کیسے پہچان پائیں گے؟ کس طرح اِس بات کو سمجھیں گے کہ اب وہ وقت آگیا ہے جب اسلحہ اُٹھانا فرض اور اُس کا ترک کرنا گناہ

ہوتا ہے؟ ایک مخلص مسلمان کے لئے اِس مرحلے کی تشخیص کوئی مشکل کام نہیں ہے، وہ جانتا ہے کہ جب بھی ہماری حالت ایسی ہو جائے جو مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی تھی؛ ہم پر وہ سب کچھ کرنا لازم ہو جاتا ہے جو پیغمبر علیہ السلام اور صحابہ کرام نے کیا تھا۔ مگر اِس سوال کے تفصیلی جواب کے لئے درج ذیل سوالات کا جواب ضروری ہے۔

- کیا مسلح جہاد کا اعلان حکومت کی طرف سے ہو گا اور اِس کے بغیر جہاد جائز نہیں ہے؟ یا ہر مسلمان اپنے طور پر یہ کام کر سکتا ہے؟ اور اگر اعلان کے لئے کچھ اور شرائط ہیں تو وہ کون سی ہیں؟
- کیا مسلمان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کہے کہ: میں مکی دور کی مانند صبر سے کام لیتا ہوں یا نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، یوسف علیہ السلام اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح مسلح جہاد سے اجتناب کرتا ہوں کہ اُنہوں نے دشمن کے خلاف اسلحہ استعمال نہیں کیا تھا۔

پہلے سوال کا جواب جاننے کے لئے درج ذیل باتیں یاد رکھنے کی ضرورت ہے:

- قرآن کی کسی آیت میں نہ صراحتاً کہیں یہ ذکر کیا گیا ہے اور نہ ہی تلویحاً یا اشارتاً یہ بات ملتی ہے کہ جہاد کا اعلان حکومت یا ریاست کی طرف سے کیا جائے گا۔
- تمام قرآن میں نہ تو حکومت یا ریاست کا لفظ کہیں مذکور ہے اور نہ ہی یہ بات آئی ہے کہ جہاد کا اعلان حکومت، ریاست، خلافت، امارت یا حاکم، رئیس، امیر اور خلیفہ کی طرف سے کیا جائے گا۔
- پیغمبر علیہ السلام کی احادیث میں بھی یہ نہیں ملتا کہ جہاد کے اعلان کے لئے حکومت یا ریاست کی موجودگی ضروری قرار دی گئی ہو یا یہ کہا گیا ہو کہ جہاد صرف اُس صورت میں جائز ہے جب اِس کا حکم ریاست یا حکومت کی طرف سے دیا گیا ہو۔
- جس کسی کو قرآن اور حدیث کی تھوڑی بھی شدھ بدھ ہو وہ یہ جان سکتا ہے کہ نہ تو قرآن میں جہاد کے اعلان کے لئے حاکم اور رئیس یا حکومت اور ریاست کی شرط لگائی گئی ہے اور نہ ہی احادیث میں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ جہاد سے پہلے جماعت ضروری ہے تو یہ درست ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ جہاد کا اعلان ایک برسرِ اقتدار حکومت کی طرف سے کیا جائے گا تو یہ ایک فضول اور بے بنیاد بات ہے۔ یہ دین سے بے خبر ایک سرکاری مفتی کی بات تو ہو سکتی ہے مگر ایک حقیقی عالم کا فتویٰ نہیں ہو سکتا۔

- پیغمبر علیہ السلام کے قول اور فعل سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد شروع کرنے کے لئے دو اساسی چیزوں کی ضرورت ہے: جماعت یعنی حزب یا گروہ اور مھجر یعنی ہجرت کی جگہ۔ پیغمبر علیہ السلام فرماتے ہیں:
- و أناآمركم بخمس الله أمرني بهن: بالجماعة والسمع و الطاعة و الهجرة و الجهاد في سبيل الله، فإنه من خرج من الجماعة قيد شبر فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه، إلا أن يرجع، و من دعاء بدعوى الجاهلية فهو من جثاء جهنم، قالوا: يا رسول الله و إن صام و إن صلى؟ قال: وإن صام و إن صلى و زعم أنه مسلم: رواه احمد

اور میں تمہیں پانچ ایسی چیزوں کا حکم دیتا ہوں جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے: جماعت کا، سمع، اطاعت، ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کا۔ اور یہ کہ کوئی ایک بالشت بھر جماعت سے دور ہوا تو اُس نے اسلام کا طوق اپنی گردن سے اُتار دیا (اسلام سے نکل گیا) مگر یہ کہ دوبارہ رجوع کرلے۔ اور جس نے جاہلیت کے شعار کی دعوت دی وہ دوزخ کا ایندھن بنے گا۔ لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! چاہے وہ روزہ رکھتا اور نماز پڑھتا ہو؟ آپؐ نے کہا: چاہے وہ نماز پڑھتا اور روزہ رکھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو۔

اِس مبارک حدیث سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ جہاد سے پہلے جماعت بنی چاہیے۔ پھر حاکم نظام کی حدود سے نکلنے کے لئے ہجرت کی جائے اور اِس کے بعد مسلح مزاحمت شروع کی جائے۔ پیغمبر علیہ السلام نے مکی دور میں جماعت بنائی اور مدینے کو ہجرت کے ساتھ ہی قریش کے خلاف مسلح جدوجہد شروع کی۔

یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ یہ پانچ کام مسلمانوں پر واجب ہیں: یہ کہ وہ جماعت کی تشکیل پر مامور کیے گئے ہیں۔ ایک ایسی جماعت جو سمع وطاعت پر قائم ہو، پھر وہ جماعت حاکم نظام کے اقتدار سے آزاد ہونے کی سعی کرے گی، ضرورت پڑ جانے پر ہجرت کرے گی اور پھر اُس نظام کے گرانے کے لئے اسلحہ اُٹھائے گی۔

ریاست کی تشکیل تو اسلامی جہاد کا ہدف اور مقصد ہے نہ کہ پہلے حکومت بنائی جائے گی پھر یہ حکومت جہاد کا اعلان کرے گی۔ جہاد اسی لئے تو فرض کیا گیا ہے کہ اُس کے ذریعے غیر اسلامی نظام اُلٹ دیا جائے اور اُس کی جگہ اسلامی نظام قائم کیا جائے۔ پیغمبر علیہ السلام نے ابوجہل کی حکومت گرانے کے لئے اور تمام حجاز کے مرکز اور دارالحکومت (مکہ) میں ایک اسلامی حکومت قائم کرنے کے لئے جہاد شروع کیا۔ نہ تو غیر اسلامی حکومتیں خود بخود گرتی ہیں اور نہ ہی اسلامی حکومت جہاد کے بغیر کسی اور طریقے سے بن سکتی ہے۔ جو لوگ جہاد کے لئے حکومت کی موجودگی اور اعلان کی شرط لگاتے ہیں وہ اِس کا کیا جواب دیں گے کہ پیغمبر علیہ السلام نے ایک ایسے وقت جہاد شروع کیا کہ ابھی حجاز پر قریش کی حکومت اور اقتدار موجود تھا۔ آپؐ اور صحابہ کرام اُس کے پایہ تخت (مکہ)

سے دور ایک چھوٹے سے گاؤں میں مہاجر کی حیثیت سے قیام پذیر تھے، وہاں نہ اُن کی حکومت تھی اور نہ فوج۔ اِن صاحبان کی خدمت میں عرض ہے کہ: کیا روسیوں کے خلاف جہاد کا حکم کابل کی حکومت کے کارپرداز دیتے؟ کیا فلسطین میں جہاد کا اعلان شیرون کرے گا؟ کشمیر میں واجپائی، چیچنیا میں پوٹین اور اب افغانستان میں ڈیوڈ بارنو یا اِن کا کوئی دستِ راست حکمران جہاد کا اعلان کرے گا؟

جہاد کے اعلان کو وہ لوگ حکومت کے ساتھ منسلک کرتے ہیں جو حکومت کے ملازم ہوں یا جہاد کے مخالف ہوں اور جہاد کی ہمت اور ارادہ نہ رکھتے ہوں۔ ایسے فتوے ہمیشہ سرکای مفتیوں کی طرف سے آتے ہیں۔ تمہیں ایسا کوئی غیر سرکاری مفتی نہیں ملے گا جو قرآن اور حدیث کا عالم ہو اور وہ جہاد کو حکومتوں خصوصاً موجودہ مفسد اور غیر اسلامی حکومتوں کے ساتھ مربوط کرے۔ اگر تھوڑے سے دقت نظر سے کام لیں اور اِس قسم کے مفتیوں کے پوشیدہ رابطے تلاش کریں تو آپ یقین کے ساتھ اِس نتیجے پر پہنچ جائیں گے کہ یہ لوگ اسلام اور جہاد کے مخالفین کی طرف سے مامور (implant) کیے گئے ہیں۔ کسی مسیحی یا اُن کے نشریاتی ادارے کے لئے کام کرتے ہیں یا کسی کلیسا کی ملکیت خیراتی ادارے کی طرف سے مامور ہیں۔ انگریزوں نے اپنے اقتدار کے زمانے میں اسلامی دنیا میں ایسے بہت سارے مفتی کام پر لگا رکھے تھے، اب بھی لاتعداد مغربی ادارے اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ اِس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ جہاد کا مفہوم اسلامی اُمت کے ذہنوں سے مٹا دیں۔ ہجرت، جہاد، شہادت، اور اسلامی خلافت جیسے الفاظ اسلامی ممالک کے تعلیمی نصاب سے خارج کر دیں۔ امریکیوں نے افغانستان اور عراق میں یہی کام کیا اور پاکستان اور سعودی عرب سے بھی یہی مطالبہ کیا کہ نہ صرف جہادی مفاہیم نصاب سے خارج کر دیں بلکہ قرآنی آیات بھی نکال دیں۔ یہ حکومتیں اب پارلیمنٹ سے تقاضا کر رہی ہیں کہ تعلیمی نصاب سے قرآنی آیات کے اخراج کے تحریک کا ساتھ دیں اور یہ سب اِس لئے کہ امریکہ اِس پر زور دیتا ہے۔

مکہ میں ابو جہل کی حکومت اور ریاست قائم تھی پیغمبر علیہ السلام نے اپنی بعثت کے پہلے دن سے اِس ریاست کے گرانے اور اِس کی جگہ ایک الٰہی اور دینی ریاست کے قیام کا کام شروع کیا۔ اگرچہ مکہ میں آپؐ نے مسلح جہاد کا اعلان کبھی نہیں کیا مگر دشمن کے لئے آپؐ کی ہر بات کا یہی مطلب تھا کہ آپؐ اُن کے، اُن کے مذہب کے اور اُن کے نظام کے خلاف ہیں۔ وہ آپؐ کی ہر بات سے سمجھ جاتے تھے کہ اِس کا نتیجہ اِس طاغوتی نظام کا خاتمہ ہے، یہی وجہ تھی کہ وہ نہ آپؐ کو برداشت کر سکتے تھے اور نہ ہی آپؐ کی دعوت کو۔ اگرچہ وہاں آپؐ کی دعوت کی بنیادی اور اساسی بات یہی تھی کہ: لا الہ الا اللہ کہو تا کہ نجات حاصل کر سکو۔ دشمن لا الہ الا اللہ کا معنٰی جانتے تھے، اِسے وہ اپنے نظام کے خلاف بغاوت کا اعلان سمجھتے تھے۔ وہ اِس کا یہ معنٰی

جانتے تھے کہ پہلے طاغوت کا انکار کرو پھر اللہ پر ایمان لاؤ۔ وہ جانتے تھے کہ اِس کلمے کی رو سے اللہ پر ایمان اُس وقت منظور اور مقبول ہے جب طاغوتی حکومت اور نظام سے انکار کرلیا جائے اور وہ جانتے تھے کہ طاغوت کیا اور کون ہے۔

اسلامی دنیا کے موجودہ حکام اور حکومتیں تمام کی تمام غاصب اور جابر حکومتیں ہیں۔ یہ نہ تو عوام کی مرضی سے اور نہ ہی عدم جبر واکراہ کے کسی بیعت کے نتیجے میں قائم ہوئی ہیں۔ نہ قوم کے سامنے جواب دہی کا کوئی احساس رکھتی ہیں، نہ ماانزل اللہ پر فیصلے کرتی ہیں اور نہ ہی عوام سے مشورہ لیتی ہیں۔ نہ اللہ کا خوف رکھتی ہیں اور نہ قوم پر رحم کھاتی ہیں۔ نہ حکمرانی کو ایک الٰہی امانت سمجھتی ہیں اور نہ بیت المال کو عوام کی امانت۔ واضح رہے کہ یہ تمام حکومتیں دوسروں کے زورِ بازو کے سہارے مسلط کی گئی ہیں اور اُنہی کے لئے اپنے عوام کو قربان کرنے پر تیار ہیں۔ اِن میں سے کوئی ایک بھی ابوجہل اور ابوجہل کی حکومت سے بہتر نہیں ہے۔ ابوجہل اپنے آپ کو خادم الحجاج بیت اللہ اور خادم الحرم الشریف کہا کرتا تھا۔ اپنے آپ کو کعبے کا متولی کہتا تھا اور دیانت میں اپنے آپ کو اِس قدر حق پرست سمجھتا تھا کہ کہا کرتا تھا کہ: اے اللہ اگر محمد (ﷺ) حق پر اور ہم ناحق پر ہیں تو ہم پر آسمان سے پتھر برسادے۔ مجھے یہ بتادیں کہ وہ کون سی چیز (برائی) ہے جو ابوجہل کی حکومت میں موجود تھی اور اِن کی حکومتوں میں نہیں ہے؟ قرآن مکہ میں فرعون کا قصہ اِس لئے بیان کرتا ہے کہ لوگوں کو بتادے کہ: تمہارا ابوجہل وہی فرعون ہے جس کے مقابلے پر موسیٰ علیہ السلام بھیجے گئے تھے۔ اِس لئے کہ لوگوں کو سمجھادے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے موجودہ فرعونی نظام کے خلاف وہی کچھ کر رہا ہے جو اُس کا بھائی موسیٰ علیہ السلام فرعون کے خلاف کر رہا تھا۔ پیغمبر علیہ السلام فرماتے ہیں: ابوجہل میری اُمت کا فرعون ہے۔ موجودہ حکومتوں کے ساتھی اور حامی دراصل فرعون اور ابوجہل کے ساتھی ہیں۔ جو کوئی کہتا ہے کہ: اِن حکومتوں کی اجازت سے جہاد جائز ہے اور اُس کی غیر موجودگی میں جہاد بدامنی اور فساد پر منتج ہوتا ہے؛ تو یہ وہی لوگ ہیں جو موسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ: یہ شر پھیلانے کا باعث بن رہے ہیں، بدامنی پیدا کر رہے ہیں اور اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ جو کوئی اسلامی ممالک کی موجودہ حالت کو امن کی حالت سمجھتا ہے اور یہ کہتا ہے یا چاہتا ہے کہ اِس حالت کو دوام ملنا چاہیے؛ جو کہتا ہے کہ: اِن میں ایسی کوئی بات نہیں جسے شدید بحران کا نام دے سکیں تاکہ اُس پر قابو پانے کے لئے جہاد کی جائے، تو وہ یا تو نہایت ناسمجھ اور بے خبر ہے، دین سے بھی اور دنیا سے بھی اور یا انتہائی خود غرض اور حکام کا نوکر اور خادم ہے۔ اسلامی ممالک کی صورت حال تو اتنی ابتر ہے کہ اُس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ فقر، بھوک، مالدار اور غریب میں موجود گہرا فرق، مظلوموں کے سر ومال اور عزت پر دست درازی، اخلاقی فساد، شرک، الحاد اور بے دینی، دوسروں کے سامنے ذلت اور غلامی؛ یہ سب تو چھوڑیں آج اکثر اسلامی ممالک نہ تو سیاسی استحکام رکھتے ہیں اور نہ ہی اقتصادی۔

سیاسی، اقتصادی، تعلیمی، فوجی اور دفاعی ہر لحاظ سے غیروں کی غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں۔ آج اِن میں سے اکثر ممالک میں ایف بی آئی اور سی آئی اے کھلے بندوں ہر کام کر سکتی ہیں، اُن کو اختیار ہے کہ کسی کو بھی کسی بھی وقت گرفتار کریں۔ اکثریت میں امریکیوں کے فوجی اڈے قائم ہیں اور اِن اڈوں سے افغانستان اور عراق میں فوجی کارروائیاں کی جاتی ہیں۔ اِن کی حکومتیں مظلوم مسلمانوں کے قتل وغارت اور گرفتاریوں میں امریکیوں کی مدد کرتی ہیں، حتیٰ کہ خود اپنی قوم کے خلاف لڑ رہی ہیں۔ کابل کی حکومت امریکیوں سے مطالبہ کرتی ہے کہ پاکستان میں اُن کے مخالفین کے خلاف کاروائیاں کی جائیں؛ امریکہ کے بغیر پائلٹ کے جہاز روزانہ پاکستان کی فضا میں پروازیں کرتے ہیں اور سرحدی قبائلی علاقوں میں کبھی ایک اور کبھی دوسرے گھر پر راکٹ برساتے ہیں جہاں سوئی ہوئی عورتیں، بچے اور بوڑھے اُن کا نشانہ بنتے ہیں۔ کابل کے حکام اِس پر خوشیاں مناتے ہیں اور اسلام آباد کے حکام اِن کو روکنے سے نہ صرف عاجز ہیں بلکہ اِس کے برعکس کہتے ہیں کہ: اسلام آباد دہشت گردی کے خلاف جنگ میں امریکہ کا مخلص اور وفادار ساتھی ہے۔ بہت سے اسلامی ممالک کے ٹیلی ویژن روزانہ بے دینی اور اخلاقی فساد کے وہ نظارے دکھاتے ہیں جن کی مثال مغرب کے بھی صرف اُن جنسی ٹیلی ویژنی شعبوں کے اُن پروگرامات میں دیکھی جاسکتی ہیں جو فحاشی کے باقاعدہ اڈوں کی طرف سے نشر کی جاتی ہیں اور مادر پدر آزاد ننگی جنسی فلمیں دکھاتی ہیں۔ ایسا فساد نہ تو فرعون کی حکومت میں موجود تھا اور نہ ہی مکہ کے دورِ جاہلیت کے نظام میں۔ قرآن فرعونی نظام کی بعض انفرادیتیں اور خصوصیات بیان کرتا ہے جو تمام بلکہ اُن سے کہیں زیادہ موجودہ نظامات میں نظر آتی ہیں:

- فرعون اپنے آپ کو مصر کے تمام وسائل (خزانوں) کا مالک سمجھتا تھا۔ ہمارے موجودہ حکمران بھی اسی طرح ملک کے تمام وسائل کو اپنا مالِ غنیمت سمجھتے ہیں۔
- اُس نے اپنی رعایا کو حاکم اور محکوم، سرمایہ دار اور غریب میں تقسیم کر رکھا تھا اور مصر میں طبقاتی نظام رائج کیا تھا، مالدار اور حاکم طبقہ اور نادار اور محکوم طبقہ۔ آج یہی نظام تمام اسلامی ممالک میں رائج ہے، حاکم اور محکوم کے درمیان تفاوت اتنی گہری ہے کہ فرعون کے طبقاتی نظام میں اِس سے زیادہ قطعاً نہیں تھی۔
- فرعون اپنے آپ کو خود مختار سمجھتا تھا، ہر فیصلے کا آخری مرجع، جائز و ناجائز اور حلال حرام کے تعین کی آخری عدالت۔ آج ہمارے حکام ایسے ہی ہیں، مصر کے فرعون سے زیادہ مستبد اور مطلق العنان۔

- فرعون ایک بڑے محل کا مالک تھا۔ ہمارے حکام کے قصر اگر فرعون کے محل سے زیادہ بڑے، شاندار اور سجے سجائے نہیں تو کم بھی کسی لحاظ سے نہیں ہیں۔ اگر اِن کے اِن قصروں کا موازنہ ملک کے عام لوگوں کے غاروں، خیموں اور جھگیوں سے کیا جائے تو دونوں میں اتنی تفاوت ہے جو فرعون کے محل اور ایک عام مصری کے گھر میں نہیں ملے گی۔
- قرآن کہتا ہے کہ فرعون موسیٰ علیہ السلام کے قتل کی اجازت اپنے درباریوں سے لیتا ہے۔ اسی طرح یوسف علیہ السلام مصر کے اُس وقت کا ایک بااختیار وزیر ہوتے ہوئے بھی اِس پر قادر نہیں تھا کہ کسی قانونی دلیل کی عدم موجودگی میں اپنے بھائی کو چند دن کے لئے روک لیتا۔ مگر ہمارے اربابِ حکومت کسی کی گرفتاری یا کسی کے قتل کے بارے میں کسی سے مشورہ کرنے کے محتاج ہیں اور نہ ہی کسی قانونی جواز کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ امریکہ کی وزارتِ خارجہ کے کسی ایک افسر کا ٹیلی فون پر دیا گیا حکم کافی ہے کہ اِن مسلمان ممالک کے حکمران اپنی قوم کے خلاف خون ریز حملے شروع کر دیں۔ چاہیں تو ایک ہی حکم پر بم برسا دیں، توپوں اور ٹینکوں کا بے تحاشا استعمال کریں اور دسیوں مظلوم انسانوں کا خون بہا دیں۔ امریکہ کو فوجی اڈے دینے کے لئے اور افغانستان کے خلاف امریکی کمانڈروں کی کمان کے تحت جنگ میں شریک ہونے کے لئے پارلیمنٹ سے رسمی اجازت لینے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ مظلوم مسلمان پکڑے جاتے ہیں اور کسی محکمانہ کاروائی کے بغیر امریکہ کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں۔
- فرعون کہتا تھا کہ درست بات وہی ہے جو میں کہتا ہوں اور تمہاری بھلائی صرف میری بات ماننے میں ہے۔ ہمارے حکمران اِس معاملے میں فرعون سے کہیں آگے ہیں، نہ خدا اور قرآن کا کوئی لحاظ کرتے ہیں اور نہ قانون کا۔ پارلیمان اور عوام کی قیمت شہتوت کے ایک دانے کے برابر بھی نہیں۔ جو کچھ اِن کے دل میں آتا ہے کر گزرتے ہیں۔

سرکاری مفتی جہاد کے خلاف فتویٰ دیتے وقت اِس بات سے استناد کرتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام نے مکی دور میں اسلحہ اُٹھانے کی اجازت نہیں دی۔ حتیٰ کہ اُس وقت بھی جب آپؐ کے صحابہ یکے بعد دیگرے قتل کیے جا رہے تھے بلکہ اِس کے برعکس آپؐ نے صبر کی تلقین کی۔ اِن صاحبان کی خدمت میں گزارش ہے کہ: آخر کیوں اُنہیں قتل کیا جا رہا تھا اور یہ تمہیں کیوں کچھ نہیں کہا جا رہا؟ یہ ظالم جابر اور بے دین حکام تمہیں کوئی اذیت دیتے ہیں، نہ جیل میں ڈالتے ہیں اور نہ ہی قتل کرتے ہیں!! یہ کون سا فرق ہے تمہارے اور صحابہ کے ایمان میں، کہ وہ ایمان کی خاطر قتل ہونا گوارا کرتے تھے مگر ابو جہل اور اُس کے نظام کے سامنے جھکنا قبول نہیں کرتے تھے۔ اگر وہ بھی یہی تمہاری بات کرتے تو قتل ہوتے اور نہ ہی ہجرت پر مجبور کیے جاتے۔ اُن کے قتل کیے جانے کا تو مطلب ہی یہی ہے کہ حاکم نظام سے بغاوت کیے ہوئے تھے۔ اُس نظام کے سامنے سر نہیں جھکا رہے

تھے، نظام کے ساتھ ٹکراؤ اور تصادم کی حالت میں تھے اور حاکم نظام اُن سے کوئی خطرہ محسوس کر رہا تھا۔ اسی لئے تو اُن کو مارا جا رہا تھا اور قتل کیا جا رہا تھا۔ مکہ میں اُن کے صبر سے کیوں استناد کرتے ہو، مدینہ میں انہی صحابہ کے مسلسل جہاد سے استناد کیوں نہیں کرتے؟ اِس سے استناد کرنے میں کون سی شے مانع ہے؟ اُن کی ہجرت سے کیوں استناد نہیں کرتے؟ اِس سے استناد کیوں نہیں کرتے کہ مدینہ کی دس سالہ زندگی میں پیغمبر علیہ السلام دشمنوں کے ساتھ ستر سے زیادہ معرکے برپا کر چکے تھے۔ یعنی یہ کہ آپؐ نے ہر پینتالیس دن میں ایک معرکہ ترتیب دیا تھا۔ اُن میں سے ہر ایک میں اگر خود حصہ نہیں لیا تو بھی کسی وجہ سے شریک نہیں ہوئے مگر اپنی تمنا اِس حدیث میں بیان کی:

عن ابي ہريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال سمعت النبي صلى الله عليه و سلم يقول و الذي نفسي بيده لو لا أن رجالا بن المومنين لا تطيب أنفسهم أن يتخلفوا عني و لا أجد ما أحملهم عليه ما تخلفت عن سرية تغزوا في سبيل الله و الذي نفسي بيده لوددت أني أقتل في سبيل الله ثم أحيا ثم أقتل ثم أحيا ثم أقتل ثم أحيا ثم أقتل:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اُنہوں نے فرمایا: اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اگر اُن مومنوں کی فکر نہ ہوتی جو مجھ سے پیچھے رہنا نہیں چاہتے اور میں اُن کے لئے سواری کا انتظام نہیں کر سکتا؛ تو اللہ کی راہ میں جنگ کے لئے نکلنے والے کسی گروہ سے پیچھے نہ رہ گیا ہوتا۔ اور مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ مجھے یہ بہت پسند ہے کہ اللہ کی راہ میں ایک مرتبہ شہید کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں۔

یہ کیوں پیغمبر علیہ السلام بار بار شہادت کی تمنا کرتا ہے مگر تم شہادت تو چھوڑو جہاد کی بات کرنے پر بھی تیار نہیں ہو۔

اگر ہم پیغمبر علیہ السلام کی سنت اور اسلوب کے مطابق سیاسی اور اجتماعی معرکے کی ایک تصویر پیش کرنا چاہیں تو اُس میں درج ذیل چار مراحل واضح طور پر نظر آئیں گے:

- ایک ایسی دعوت کا مرحلہ جسے معاشرے پر مسلط مقتدر قوتیں برداشت نہیں کر سکتیں۔ تعذیب، قید و بند، مقاطعے، محاصرے اور تبعید کے خطرات سے دوچار ایک دعوت جسے کسی سازش یا مصالحت سے دبایا نہ جا سکتا ہو اور جس کے منہج کار میں دشمن کے ساتھ صلح صفائی کی کوئی شق وجود نہ رکھتی ہو۔ جو حاکم نظام سے مکمل بغاوت اور عصیان کی دعوت دیتی ہو، اُس کی فکری اور اعتقادی بنیادوں سے برأت کے شعار سکھاتی ہو۔ وہ دعوت نہیں جو حاکم نظام سے اجازت نامہ حاصل کر کے برپا کی جاتی ہے اور صرف وہ بات کرتی ہے جو اربابِ اختیار کو گوارا ہو اور بالادست نظام

اُس کی اجازت دیتی ہو۔ اِس دعوت کا سری ہونا یا علانیہ ہونا قطعی غیر اہم ہے؛ اہمیت اِس بات کی ہے کہ اپنی خصوصیات خوب حفظ کر چکی ہو اور مکی دور کی تمام خصوصیات رکھتی ہو۔

- جو دعوت پیغمبر علیہ السلام کی دعوت کی مانند ہو، سیاسی، اجتماعی اور فکری انقلاب چاہتی ہو اور دشمن کے ساتھ اصولوں پر سمجھوتہ نہ کرتی ہو وہ حتماً ہجرت کے مرحلے سے دوچار ہوگی۔ ہجرت حقیقی اسلامی جدوجہد کا ایک طبیعی پڑاؤ ہے۔ یہ پڑاؤ احتیاط اور ہوشمندی سے نہیں بلکہ اصل راستے سے انحراف اور بھٹک جانے کے بدولت avoid کیا جاسکتا ہے۔
- معرکے کا تیسرا پڑاؤ دشمن کے ساتھ مسلح تصادم کا پڑاؤ ہے یہ پڑاؤ مھجر (مقام ہجرت) کے میسر ہونے کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے، پیغمبر علیہ السلام نے مدینے کی طرح کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں پناہ ملنے کے ساتھ ہی اپنی مسلح جدوجہد کا آغاز کیا۔ شروع میں خفیہ مسلح کاروائیاں، چھوٹے چھوٹے گوریلا دستوں کے ذریعے، جس کا ہدف دشمن کا اقتدار (writ of the govt) متزلزل کرنا اور پہلے سے قائم اُس امن کا خاتمہ تھا جو حاکم نظام کے مفاد اور بقاء کا ضامن تھا۔ اور دوسرے مرحلے میں کھلم کھلا مقابلہ اور آمنے سامنے کی لڑائی شامل تھی۔ کافرانہ نظام کے مفادات کے ضامن "امن و اقتصاد" کو ہلا کر رکھ دینا اور عوام پر حکام کا مسلط رعب و دبدبہ ختم کرنا اِس مرحلے کے اساسی اور اہم اہداف ہیں۔ ہر نظام مالیاتی امکانات کا محتاج ہوتا ہے اور اِس کے بغیر اُسے دوام حاصل نہیں ہو سکتا۔ گوریلا کارروائیوں کے نتیجے میں حکام کے مفاد و مرضی کا امن درہم برہم ہو جاتا ہے، شاہراہیں غیر محفوظ ہو جاتی ہیں اور نظمِ حکومت اِس سے عاجز ہو جاتا ہے کہ تاجر برادری اور سرمایہ داروں کو جو حکومت کا تیسرا استون ہے؛ کارکردگی دکھانے کے لئے لازمی شرائط اور محفوظ ماحول فراہم کرے۔ کوئی بھی نظام ایسی حالت کا طویل عرصے تک متحمل نہیں ہو سکتا۔ عام رعایا جس کی زندگی حکومت کے ظلم سے اجیرن ہو چکی ہوتی ہے مگر خوف کی وجہ سے کچھ نہیں کہہ سکتی، میں اِن کارروائیوں کے نتیجے میں ہمت اور جرأت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی ہمت و جرأت ایک عمومی تحریک کا مقدمہ بن جاتی ہے اور اسی سے ایک بڑے انقلاب کا راستہ نکل آتا ہے۔ اسی لئے پیغمبر علیہ السلام نے سب سے پہلے ایسی کاروائیاں شروع کیں جن کا مقصد قریش کے تجارتی راستوں کا امن ختم کرنا تھا۔ ایسی کارروائیوں ہی کے نتیجے میں کسی رژیم کو ختم کیا جاسکتا ہے اور بڑی بڑی طاقتوں کو شکست دینا ممکن ہو جاتا ہے۔ ہم بڑی آسانی سے یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ فوجی انقلاب کے بعد کسی رژیم کے تاخت کرنے کا یہ سب سے آسان طریقہ ہے۔ اگر پیغمبر علیہ السلام کے زیرِ قیادت کیے گئے مسلح معرکے کا بنظرِ عمیق جائزہ لیں تو ہم دیکھ لیں گے کہ یہ معرکہ قریش کے خلاف گوریلا

کاروائیوں (سرایا) سے شروع ہوا اور رفتہ رفتہ اِس کا دامن آمنے سامنے برپا ہونے والی لڑائیوں تک پھیل گیا۔ فتح مکہ کے بعد جزیرۃ العرب کی دوسری طاقتوں کے ساتھ اور آخر میں بین الاقوامی سطح پر روم اور فارس جیسی عظیم طاقتوں تک پہنچ گیا۔ یہ تسلسل ہمیں بتاتا ہے کہ معرکے کا دامن بتدریج اور طبیعی طور پر علاقائی طاقتوں سے شروع کر کے برِاعظمی اور پھر بین الاقوامی سطح تک پھیلا لینا چاہیے۔

اِن صاحبان کو یہ بھی سمجھ نہیں آتی کہ مکہ میں جہاد کی اجازت نہ دینے کی وجہ یہ تھی کہ وہاں جہاد فرض نہیں ہوا تھا۔ جہاد ہجرتِ مدینہ واقع ہونے کے بعد فرض ہوا اور اُس کی یہ فرضیت تا قیامت دوام رکھتی ہے اِس لئے کہ جہاد کی فرضیت منسوخ نہیں ہوئی۔ مکی دور سے اگر استناد کرنا بھی ہے تو اِس پہلو سے کیا جائے کہ اگر مسلمانوں کی صورت حال ابھی ایسی ہو جیسی مکہ میں تھی اور اُن کی تعداد اتنی ہو جتنی مکہ میں مسلمانوں کی تھی تو اِن کو صحابہ کرام کی طرح صبر کرنا چاہیے اور اسلحہ نہیں اُٹھانا چاہیے۔ مگر جب اِن کی وضع ایسی ہو جائے جو مدنی دور سے مشابہہ ہو اور مسلمانوں کی تعداد اتنی ہو جائے جتنی مدینہ میں تھی تو اِنہیں چاہیے کہ جہاد پر کمربستہ ہو جائیں۔ پیغمبر علیہ السلام کی سنت پر عمل کرنے کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہم جہاد کے میدان میں بھی وہی کچھ کر لیں جو آپؐ نے کیا تھا۔ آپؐ تو مکہ میں ایک مومن جماعت کی تیاری میں لگے رہے اور اِس کوشش میں تھے کہ کوئی مہجر (ہجرت کی جگہ) تلاش کر سکیں، کوئی ایسی قوم تلاش کر سکیں جو آپؐ کو پناہ دے اور اللہ کی راہ میں جہاد پر تیار ہو جائے۔ جونہی مدینے کے باشندوں کی ایک تعداد اِس کام کے لئے تیار ہو گئی تو مدینہ ہجرت کر کے آپؐ نے جہاد کا آغاز کیا۔ ابتداء میں گنتی کے چند نفوس پر مشتمل گروہ کاروائیاں کرنے کے لئے بھیجنے شروع کئے، دشمن کو تنگ کرنا شروع کیا اور ہر جگہ اُن کو ہزیمت پہچانے کی کوشش کرنے لگے حتیٰ کہ عوام میں اُن کا اعتبار، رعب اور دبدبہ جاتا رہا۔ یوں عوام اور ملک پر اُن کا اقتدار متزلزل ہونے لگا تو پھر دشمن کے تجارتی قافلوں پر حملے کرنا شروع کئے۔ آخر کار بدر میں تین سو تیرہ ساتھیوں کے ساتھ دشمن کا دوبدو مقابلہ کیا؛ تم یہ بات کیوں نہیں کہہ سکتے کہ جب مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تک پہنچ جائے تو وہی کچھ کر لیا جائے جو پیغمبر علیہ السلام نے کیا۔

مخالفینِ جہاد یہ بات کیوں نہیں سمجھتے کہ امت اسلامیہ کی یہ موجودہ وضع اُس شکست کا نتیجہ ہے جس میں اسلامی خلافت کی بیخ کنی کی گئی، مغربی طاقتوں نے اسلامی دنیا کو آپس میں بانٹ لیا اور ہر حصے پر علیٰحدہ علیٰحدہ طاقت مسلط ہو گئی۔ اُس کے بعد کتنے مہ و سال بیت گئے کہ مسلمان ذلت، غلامی اور محکومیت میں زندگی بسر کر رہے ہیں، آزادی اور خود مختاری سے محروم ہیں۔ سیاسی، اقتصادی اور فکری لحاظ سے استعماری طاقتوں کے غلام ہیں اور اُنہوں نے اپنی کٹھ پتلی حکومتیں اِن پر مسلط کی ہوئی ہیں۔ ایسے جبر اور استبداد کا سامنا کر رہے ہیں جس کی مثال دنیا کے کسی گوشے میں نہیں ملتی۔ اِن کے حکمران غیر کے آگے ذلیل اور حقیر جبکہ اپنی

قوم کے سامنے مغرور اور بے رحم ہیں، خود دوسروں کے غلام ہیں اور عوام کو اپنا غلام سمجھتے ہیں۔ غلامی، ذلت اور محکومیت کی ایسی دردناک صورتحال میں مسلمان قوموں میں عزتِ نفس کا احساس، آزادی اور خود مختاری کا جذبہ اور سربلندی اور خودداری (ملّی عصبیت) کی زندگی کی تڑپ اور بے تابی دم توڑ چکی ہے۔ ایک وقت وہ تھا جب تمام اسلامی ممالک پر استعماری طاقتیں براہِ راست اپنی فوجوں کے زور پر حکومت کرتی تھیں مگر جب یہ طاقتیں اپنے خاص عوامل کی وجہ سے نکل گئیں تو اپنے پیچھے ایسی رژیم چھوڑ گئیں جو اُن کے مفادات کی محافظ ہیں۔ اِن (اسلامی) ممالک کی مسلح افواج کی اُنہوں نے ایسی تنظیم کی اور ایسے ڈھانچے تشکیل دیئے کہ وہ کٹھ پتلی حکومتوں کی مدافعت اور قومی بیداری کو کچلنے کے لئے اُن طاقتوں کی خدمت میں دست بستہ کھڑی رہتی ہیں۔ ایسا تعلیمی نظام اور نصاب تشکیل دیا کہ علمی اداروں کے زیر سایہ جوان ہونے والی نسل میں آزادی اور خود اختیاری کا جذبہ پرورش نہ پا سکے؛ بلکہ دوسروں کی غلامی اور تقلید پر احساس تفخر میں مبتلا ہو اور اپنے ملی اور اسلامی تشخص سے بیگانہ ہو جائے۔ اُنہوں نے جاتے جاتے اِن اسلامی ممالک کے جغرافیائی نقشے اِس طرح ترتیب دیئے کہ ایک طرف تو اِن کے درمیان ہمیشہ سرحدی تنازعات چلتے رہیں اور دوسری طرف اِن ممالک میں آباد وہ قومیں اور قبیلے جو اِن استعماری قوتوں کے ساتھ لڑتی رہی تھیں اور اُن کی ہیئتِ ترکیبی ایسی تھی کہ غلامی سے لگا نہیں کھاتی تھی وہ آپس میں مختلف ملکوں کے اندر تقسیم ہو جائیں۔ اقتدار سے نکال دی جائیں اور اختیارات اُن اقلیتوں کو منتقل ہو سکیں جنہوں نے اِن استعماری قوتوں کی پشت پناہی کی تھی۔ اِس طرح اِس بات کی بھی ضمانت حاصل ہو گئی کہ یہ کمزور اقلیتی حکومتیں مستقبل میں ہمشہ اُنہی استعماری طاقتوں پر انحصار کرنے پر بھی مجبور ہوں اور اپنے اقتدار کو دوام دینے کے لئے اُن کی تمام شرائط ماننے پر بھی تیار رہیں۔ اِس کی اچھی مثالیں پٹھان اور کُرد ہیں جنہیں اِن استعماری قوتوں کے ساتھ مسلسل جنگ کے شعلے بھڑکائے رکھنے کے جرم میں علی الترتیب تین اور چار حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ استعماری قوتوں نے اِس طویل عرصے میں وسیع پروپیگنڈے کے ذریعے قومی، لسانی اور علاقائی تعصبات کو بھی اتنی ہوا دی کہ کوئی بھی ایک وسیع تر اور متحد ملت اور امت کا تصور اور منصوبہ بندی نہ کر سکے اور استعمار کی کھینچی گئی سرحدی لکیریں نا قابل تغیر اور مقدس قرار پا جائیں۔ اِس درے کے رہنے والے اُس دوسرے درے کے رہنے والوں کو پرائے اور حتیٰ کہ دشمن سمجھ بیٹھیں اور اصل دشمن کو بھول جائیں۔ یہ لوگ اتنا بھی نہیں جانتے کہ اسلامی ممالک کے اکثر حاکم نظام یا تو دوسروں کے تھوپے گئے ہیں اور اسلامی ممالک میں پرانے استعمار کی باقیات ہیں یا خاندانی ہیں اور کسی خاص گھرانے نے عوام کے رائے کے خلاف زبردستی اور دوسروں کی مدد کے سہارے اُن پر ٹھونس رکھے ہیں۔ یا پھر ایسے ہیں کہ فرقہ وارانہ اور قومی ہیئتِ ترکیبی پر استوار کیے گئے ہیں، کسی ایک مذہبی فرقے کے حامی تمام اختیارات اپنے ہاتھوں میں رکھتے ہیں اور دوسروں کو اُن کے اسلامی اور انسانی حقوق سے محروم کیے ہوئے ہیں۔ اُن کے سیاسی اور مذہبی پیشوا قتل کئے جا رہے ہیں، کوئی

شیعہ کے نام کا سہارا لے کر سُنیوں کا استحصال کر رہا ہے اور اُن کے انسانی اور اسلامی حقوق پامال کر رہا ہے اور کوئی سُنی کا جامہ پہن کر شیعوں کو محروم کر رہا ہے۔ اسلامی ممالک کے اِن دردناک حالات پر وہی شخص راضی ہو سکتا ہے جو غلامی اور محکومیت میں پرورش پا کر جوان ہوا ہے، غلامانہ ذہنیت رکھتا ہے، آزادی کو نہ جانتا ہے اور نہ کبھی اُس کا مزا چکھا ہے اور یا وہ شخص جو اپنے معاشرے میں پھیلے ہوئے فساد، ظلم، بے انصافی اور بدامنی سے بے خبر ہے۔ جو یہ جانتا ہی نہیں کہ اُس کے ارد گرد کیا ہو رہا ہے، ہر روز کتنے گھر اُجڑ رہے ہیں، کتنے بے بس انسانوں کے جان و مال اور عزت پر دست درازی ہو رہی ہے۔ جس کو اِس سے کوئی سروکار نہیں کہ سرمایہ دار کیسے سرمایہ دار بنے اور نادار کس طرح اور کس کے ظلم اور حد سے تجاوز کرنے کی وجہ سے اپنی ہر چیز سے محروم ہوئے؟ ایسے ہی لوگ ہیں جنہیں معاشرے کی موجودہ حالت امن کی حالت نظر آ رہی ہے؛ اِس لئے کہ وہ نہیں جانتے کہ یہاں صرف حکمران امن سے رہتے ہیں، حکمرانوں کے علاوہ کسی کو امن کا احساس نہیں ہو رہا، پچانوے (۹۵) فیصد لوگوں کا سر و مال اور عزت محفوظ نہیں ہے۔ اگر یہاں آپ کسی عام انسان سے پوچھیں کہ وہ ایک پولیس والے کے پاس سے گزرتے وقت کیا محسوس کرتا ہے؟ جب اُس کے گاؤں میں پولیس آجائے تو لوگ کیا محسوس کرتے ہیں؟ کیا اُن کو دیکھ کر تحفظ کا احساس کرتے ہیں یا اُن کو وردی میں ملبوس روزِ روشن کے ڈاکو سمجھتے ہیں اور اُن سے اِس قدر خوفزدہ رہتے ہیں جتنے چوروں سے نہیں رہتے۔ حاکم اور قاضی کے بارے میں کیا سوچتے ہیں، اُسے مظلوم کا حامی سمجھتے ہیں یا ظالم کا؟ دفتر میں افسر کو کس نظر سے دیکھتے ہیں، اُس کی عدالت اور امانت پر کتنا اعتماد کرتے ہیں؟ یہ نظام اُنہیں کس ظلم سے بچا سکا ہے، اُنہوں نے نظام سے کیا فوائد اکٹھے کیے اور کیا بھلائی سمیٹی، کیا اِس نے کبھی اُس کے سر، مال اور عزت کا دفاع کیا ہے اور اگر کیا تو کس کے مقابلے پر؟ آئیں دیکھیں کہ پولیس روزانہ کتنے لوگوں کو کتنا تنگ کرتی ہے؟ ہر روز ہر گاؤں میں کوئی خان، ملک، مالدار، اور زمینوں کا مالک، نادار دیہاتیوں پر کتنے ظلم ڈھاتا ہے؟ کتنے لوگوں کی زمینیں اور جائیدادیں طاقتور کے ہاتھوں غصب ہوتی ہیں؟ کتنے بے کسوں کی کتنی بیٹیوں سے زبردستی نکاح پڑھائے جاتے ہیں اور کتنی دوشیزاؤں کی عزت لوٹی جاتی ہے؟ ہر دفتر میں ہر روز کتنے ناجائز کام اور کتنی حق تلفیاں ہوتی ہیں، بیت المال میں کتنی خیانت کی جاتی ہے؟ حکمرانوں نے اُس بیت المال سے جو نادار عوام سے ایک یا دوسرے بہانے ہتھیایا گیا ہے، استفادہ کرکے خوشحال زندگی گزارنے کے کیا کیا سامان کر رکھے ہیں اور عام لوگ کس قدر فقر، بھوک، خوف اور ذلت سے بھرپور دردناک زندگی گزار رہے ہیں؟ تعجب ہے اگر کوئی اِسے امن کا نام دے کر کہتا ہے کہ: ہمیں ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہیے جس سے موجودہ امن کو صدمہ پہنچ جائے یا یہ کہ اُس وقت اِس حالت کو بدلنے کی کوشش کرنی چاہیے جب ہمیں اطمینان ہو کہ اِس سے بہتر حالت لا سکتے ہیں۔ اِن حقائق نا آشنا لوگوں کا درست جواب یہ ہے کہ تمام پیغمبروں کو یہی کہا گیا تھا کہ وہ موجود امن کے دشمن ہیں۔ فساد پھیلانا چاہتے ہیں اور فتنوں اور لڑائیوں کا باعث بن رہے ہیں۔ اِن

کو یہ بھی جواب دینا چاہیے کہ: وہ امن جو بے انصافی اور ظلم کی خدمت میں، ظالموں کے مفادات کی حفاظت کے لئے، اُن کے اقتدار کا ضامن جبکہ نادار اور بے کس مظلوموں کے نقصان اور اُن کی مظلومیت اور محرومیت میں دائم پڑے رہنے کا باعث ہو، اُسے آگ میں جھونک دینا چاہیے۔ انبیاء آئے ہی اِس لئے ہیں کہ اِس جھوٹے امن کا خاتمہ کر دیں اور اِس کی جگہ وہ سچا امن قائم کریں جو عدل پر استوار ہو اور مظلوم کو ظلم سے بچائے۔ تعجب ہے اگر کوئی اِس حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتا کہ اسلامی دنیا کی موجودہ حالت داخلی ظالموں اور خارجی استعماری طاقتوں کے مفاد میں ہے اور اِس میں ہر تبدیلی اِن کے مفادات کے خلاف اور عوام کے فائدے کی حامل ہے۔ اِس وقت اسلامی ممالک میں صرف اسلامی احزاب اور گروہ منظم اور طاقتور سیاسی قوتوں کے طور پر موجود ہیں اور اِنہی گروہوں کو ایسی تبدیلیوں کا فائدہ ہو سکتا ہے۔

اب آتے ہیں دوسرے سوال کی طرف: کیا ایک مسلمان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کہے کہ: میں مکی دور کی مانند صبر سے کام لیتا ہوں؟ نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، یوسف علیہ السلام اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی مانند مسلح جہاد سے اجتناب کرتا ہوں اِس لئے کہ اُنہوں نے دشمن کے خلاف اسلحہ استعمال نہیں کیا تھا۔ اِس بارے میں مندرجہ ذیل وضاحتوں کا جاننا ضروری ہے:

- یہ بات کوئی بھی دین کی سمجھ بوجھ رکھنے والا انسان نہیں کرے گا۔ جس کو دین کی ذرا بھی شدھ بدھ ہے وہ یہ جانتا ہے کہ جہاد کی فرضیت کے بعد کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ کہے: اب جہاد کی ضرورت نہیں رہی اُس کے بجائے اب مکی دور کی طرح صبر کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ یہ بات بھی ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآن کے نزول کے بعد اِس سے پہلی تمام آسمانی کتابیں منسوخ قرار پا گئی ہیں اب قرآن کے علاوہ دوسری کسی بھی کتاب پر عمل کرنا حرام ہے۔ ویسے بھی قرآن کے علاوہ ایسا کوئی قابلِ اطمینان مرجع اور کتاب باقی رہی بھی نہیں ہے جو دوسرے پیغمبروں کے بارے میں ہمیں کوئی ثقہ معلومات فراہم کر سکے اور ہمیں یہ بتا سکے کہ اُنہوں نے کافرانہ نظامات بدلنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا تھا۔ اِن انبیاء کے بارے میں کم از کم اِس حد تک تو قرآن نہایت صراحت سے بتاتا ہے کہ ہر ایک نے اپنے وقت کی مسلط طاقتوں اور نظاموں کا مقابلہ کیا ہے۔ بعض نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کی ہیں، بعض ہجرت پر مجبور ہوئے ہیں، بعض آگ میں ڈالے گئے ہیں اور بعض کے لئے صلیب پر چڑھانے اور پھانسی دینے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اِن کے اصحاب قتل کئے گئے ہیں اور آگ کی خندقوں میں زندہ جلائے گئے ہیں۔ پتا نہیں کہ "اِن انبیاء کی مانند صبر" کرنے سے اِن لوگوں کی کیا مراد ہے؟ جس قسم کا صبر یہ لوگ کہہ رہے ہیں وہ تو اُن میں سے ایک نے بھی نہیں کیا۔ سمجھ نہیں آتی کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی سنت پر عمل کرنا چاہتے ہیں یا ابراہیم علیہ السلام کی سنت پر یا پھر نوح، داوٗد، سلیمان اور عیسیٰ علیہم السلام میں سے کسی

کی سنت پر؟ میرے صابر بھائی! تم تو بے دین، مفسد اور ظالم حکومتوں کے اقتدار کے تحت آرام سے گزر بسر کر رہے ہو، نہ تمہیں حکمرانوں کے ناجائز کاموں پر کوئی اعتراض ہے اور نہ ہی حکومت تمہاری مزاحم ہوتی ہے بلکہ انہی حکومتوں کی نوکری کر رہے ہو۔ تم نہ تو جیل میں ڈالے گئے، نہ ہجرت پر مجبور ہوئے، نہ کہیں قتل ہوئے یا پھانسی چڑھے اور نہ ہی آگ میں ڈالے گئے۔ مجھے تو سمجھ نہیں آئی کہ تم نے کس پیغمبر کی سنت پر عمل کیا اور اُن "انبیاء کی سنت پر عمل" کے الفاظ سے تمہارا مقصد کیا ہے؟ اُن کی سنت پر عمل کرنے کا معنٰی تو یہ ہے کہ تم ابراہیم علیہ السلام کی طرح کلہاڑی اُٹھا کر وقت کی نمرودی نظام کا وہ بت اوندھے منہ گرادو جس کے ساتھ اِن کے تمام محلات لرز اُٹھیں اور ایسا کرتے وقت اِس بات کی کوئی پروا بھی نہ کرو کہ تمہیں آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ یا موسیٰ علیہ السلام کی طرح ایک لاٹھی لے کر فرعون کے مقابلے پر نکل آؤ اور یا نوح علیہ السلام کی طرح ایک ہزار سال تک دعوت دے کر بھی درماندگی کا احساس نہ کرو اور یا عیسی علیہ السلام کی طرح کہ ایک شہر سے نکل کر دوسرے شہر جلاوطن ہوتا رہا اور آخر میں آپؑ کے قتل اور سولی پر چڑھانے کا فیصلہ ہوا۔ لیکن اگر تمہارا مقصد یہ ہے کہ اِن حکومتوں میں اپنی نوکری کو مصر میں یوسف علیہ السلام کی وزارت سے تشبیہ دینا چاہتے ہو تو میری چند معروضات کو غور سے سن لو:

- یوسف علیہ السلام نے یہ کام اُس وقت کیا جب وہ پیغمبری پر مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ ہم انبیاء علیہم السلام کے صرف اُن کاموں سے استناد کرنے کا حق رکھتے ہیں جو اُنہوں نے اپنی بعثت کے بعد کئے ہوں یا قرآن میں اُن کی تائید کی گئی ہو۔
- یوسف علیہ السلام زندان سے دربار تک پہنچے ہیں۔ اُنہیں مصر کا بادشاہ وزارت عظمٰی کی پیشکش کرتا ہے اور کہتا ہے: میں چاہتا ہوں کہ تمہیں مصر کا مکمل حکمران (مکین) اور تمام خزانوں کا امین مقرر کر دوں یعنی تمام مصر کا دوسرے نمبر پر مختیارِ اعلیٰ۔ مگر یوسف علیہ السلام نے یہ بہتر سمجھا کہ سیاسی اور انتظامی اختیارات کے بجائے اجتماعی خدمت کی ذمہ داری قبول کرلے اور آنے والے ممکنہ قحط کا مقابلہ کرنے کی ذمہ داری آپؑ کے سپرد کی جائے۔ اُنہوں نے صدارت اور وزارت عظمٰی کی جگہ وزارت مال کا محکمہ سنبھال لیا مگر عملاً وہ مصر کا ایک ایسا خود مختار حاکم تھا کہ بادشاہ کے مرنے کے بعد وہی تاج و تخت کا مالک بنا۔ تعجب ہے کہ تم یوسف علیہ السلام کی اِس ذمہ داری کو موجودہ حکومت میں اپنی ذلیل ماموریت پر محمول کرتے ہو۔ یہ بڑی قبیح اور شنیع توجیہہ اور موازنہ ہے۔

ایسی حکومتوں میں کام کرنے کے بارے میں پیغمبر علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَيَأتِيَنَّ عَلَيْكُمْ أمراء يُقَرِّبونَ شِرَارَ الناس، و يُؤخِّرونَ الصلّاة عَن مواقيتها، فَمَنْ أَدْرَكَ ذٰلكَ مِنْكُمْ، فلا يَكُونَنَّ عَرِيفاً و لا شُرْطِياً و لا جَابِياً و لاخَازِناً. رواه ابن حبان و ابويعلى

ایسے اُمراء تم پر مسلط ہو جائیں گے جو سب سے شریر لوگ اپنے قریب لائیں گے اور نماز کو اپنے اصل وقت سے موئخر کریں گے، تم میں سے جو کوئی یہ حالت پائے تو نہ (اُس نظام میں) لوگوں کی پیغام رسانی کا کام کرے، نہ پولیس کا، نہ عشر و زکوۃ جمع کرنے کا اور نہ ہی خزانچی بنے۔

اِس مبارک حدیث کی روشنی میں آئیں دیکھیں کہ اسلامی ممالک کے موجودہ نظاموں میں کام کرنے کا کیا حکم ہے؟ اگر ہم ایسے امراء اور حاکموں کے قیادت کے تحت کام کرنے سے منع کیے گئے ہیں جن میں صرف یہ دو عیب پائے جاتے ہیں کہ شریر اور مفسد لوگ اپنے ارد گرد جمع کرتے ہیں اور نماز کو اپنے وقت سے موئخر کرتے ہیں تو اُن حکومتوں میں کام کرنے کا کیا حکم ہو گا جس کے حکمران کافر قوتوں کے ہاتھوں مسلط کیے گئے ہوں۔ ماانزل اللہ پر فیصلے نہ کرتے ہوں، فساد، بے دینی، خیانت اور غدر میں گردن تک ڈوبے ہوئے ہوں۔ دین، ایمان اور اخلاق کی بیخ کنی کے لئے کسی چیز سے دریغ نہ کرتے ہوں، سود اور جوا تک جائز قرار دیتے ہوں۔ جنہوں نے شراب کا بازار گرم کیا ہوا ہو، رقص، سرود، مرد و زن کا آزادانہ اختلاط اُن کی ہر محفل کے لوازم میں شامل ہو اور یہ سب کچھ چھپ چھپا کر بھی نہیں بلکہ کھلم کھلا، سرِ عام بلکہ ٹیلی ویژن کے پردے پر کرتے ہوں۔

رہی جہاد مخالف لوگوں کی یہ بات کہ ہم دشمن کے ساتھ مسلح جہاد کے مکلف صرف اُس وقت ہو سکتے ہیں جب تعداد اور سامانِ جنگ کے لحاظ سے اُن کے برابر ہو جائیں تو اُن کی خدمت میں عرض ہے کہ: پیغمبر علیہ السلام نے قریش کے خلاف جہاد اُس وقت شروع کیا تھا جب نہ مجاہدین کی تعداد قریش کے جنگجوؤں کے برابر تھی اور نہ اُن کا اسلحہ، سامانِ جنگ اور دوسرے وسائل۔ اگر ہمارے پیغمبر علیہ السلام نے یہ تعادل (برابری) ضروری اور حتمی نہیں جانا اور یہ نہیں کہا کہ دشمن کے ساتھ لڑائی صرف اُس وقت شروع کریں گے جب قوت اور وسائل کی برابری اور توازن قائم ہو جائے تو تم کس طرح اور کس دلیل کی بنیاد پر یہ حکم لگاتے ہو؟ تعداد اور وسائل کی بنیاد پر تو طریقۂ جنگ کا تعین کیا جاتا ہے نہ کہ اِس کی ضرورت اور فرضیت کا۔ اگر تمہاری تعداد دشمن سے کم ہے تو جنگ کا ایک طریقہ اختیار کرو گے اور اگر زیادہ ہو گئے تو دوسرا طریقہ۔ کیا دیکھتے نہیں ہو کہ عراق اور افغانستان میں مجاہدین کس دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں اور کس طرح کرتے ہیں؟

تاہم یہاں چند اہم وضاحتیں ضروری معلوم ہوتی ہیں جو درج ذیل ہیں:

- مسلح جد وجہد ایک منظم اور تربیت یافتہ حزب اور جماعت کا کام ہے نہ کہ افراد اور چھوٹے چھوٹے گروہوں کا۔ یہ ایک ایسے حزب کا کام ہے جو مکی دور کے مراحل طے کر کے اِس قدر تربیت یافتہ ہو کہ کندن بن چکا ہو۔ متعہد اور اسلامی اُصولوں کے ملتزم افراد کے زیرِ کمان ہو، ایسے افراد پر مشتمل ہو جن کا اسلحہ اُن کے ایمان کے تابع ہو نہ کہ

اُن کے جذبات اور احساسات کے اور اُن کا ہدف انتقام اور بدلہ لینا نہ ہو۔ یہ ایک ایسا حزب ہو جو مکی دور کو کامیابی سے طے کر چکا ہو اور مدنی دور سے ملتی جلتی حالت اور شرائط پر پورا اُترتا ہو۔

- اسلحہ اُس دشمن کے خلاف اُٹھایا جائے جو مسلمانوں کے خلاف اپنا اسلحہ نیام سے نکال چکا ہو اور اپنی طرف سے لڑائی کی ابتداء کر چکا ہو۔
- مسلح جد وجہد اُس وقت شروع کی جائے جب پُر امن دعوت کے امکانات مکمل طور پر ختم ہو چکے ہوں، دوسرے راستوں سے معاشرے میں تبدیلی اور تغییر لانا ممکن نہ رہا ہو۔
- اِس بات کا ہمیشہ التزام رکھا جائے کہ جنگی اقدامات کی آڑ میں بے گناہ اور غیر متحارب لوگوں کو گزند اور نقصان نہ پہنچے۔ اُس شخص کے ساتھ لڑنے سے باز رہا جائے جو نہ تو خود مسلمانوں سے لڑا ہو اور نہ اُن لوگوں کی مدد کرتا ہو جو مسلمانوں کے ساتھ لڑتے ہیں۔

ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ يُقَـٰتِلُونَ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ ۖ وَٱلَّذِينَ كَفَرُواْ يُقَـٰتِلُونَ فِى سَبِيلِ ٱلطَّـٰغُوتِ فَقَـٰتِلُوٓاْ أَوْلِيَآءَ ٱلشَّيْطَـٰنِ ۖ إِنَّ كَيْدَ ٱلشَّيْطَـٰنِ كَانَ ضَعِيفًا ﴿٧٦﴾

(۷٦)۔ ایمان والے اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کافر طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں پس لڑو شیطان کے دوستوں کے ساتھ؛ بے شک شیطان کی تمام تدبیریں کمزور ہیں۔

---

(۷٦)۔اِس مبارک آیت میں چند اہم رہنمائیاں کی گئی ہیں:

- مومن اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، اُن کے جنگ کا ہدف اللہ کے دین کا قیام ہوتا ہے اور ایک ایسی جنگ لڑنا اُن کے ایمان کا تقاضا ہے۔
- کافر، عاصی اور باغی لوگ حکمرانوں کے اقتدار کے لئے لڑتے ہیں یہ شیطان کے حامی ہیں، اِن کے جنگ کا مقصد اُن اہداف کا حصول ہوتا ہے جو شیطان کو پسند ہوتے ہیں۔
- اِن کا ہر داؤ، چال اور تدبیر کمزور ہوتی ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوٓاْ أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُواْ ٱلزَّكَوٰةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ ٱلْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ ٱلنَّاسَ كَخَشْيَةِ ٱللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُواْ رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا ٱلْقِتَالَ لَوْلَآ أَخَّرْتَنَآ إِلَىٰٓ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۗ قُلْ مَتَـٰعُ ٱلدُّنْيَا قَلِيلٌ وَٱلْأَخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ ٱتَّقَىٰ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلاً ﴿٧٧﴾ أَيْنَمَا تَكُونُواْ يُدْرِككُّمُ ٱلْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِى بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۗ وَإِن تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُواْ هَـٰذِهِۦ مِنْ عِندِ ٱللَّهِ ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُواْ هَـٰذِهِۦ مِنْ عِندِكَ ۚ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ ٱللَّهِ ۖ فَمَالِ هَـٰٓؤُلَآءِ ٱلْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ﴿٧٨﴾ مَّآ أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ ٱللَّهِ ۖ وَمَآ أَصَابَكَ مِن سَيِّئَةٍ فَمِن نَّفْسِكَ ۚ وَأَرْسَلْنَـٰكَ لِلنَّاسِ رَسُولاً ۚ وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ شَهِيدًا ﴿٧٩﴾

(۷۷)۔ کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کہا گیا کہ: اپنے ہاتھ روکے رکھو، نماز ادا کرو اور زکوۃ دو مگر جب اُن پر جہاد فرض کیا گیا تو اُن کا ایک گروہ لوگوں سے اِس طرح خوفزدہ تھا جیسے اللہ سے خوف ہونا چاہیے بلکہ اُس سے بھی زیادہ خوف اور کہنے لگے: اے ہمارے رب! تونے ہم پر لڑنا کیوں فرض کیا؟ اِسے کچھ عرصے تک مؤخر کیوں نہیں کیا؟ اِنہیں کہو: دنیا کی متاع تو قلیل چیز ہے اور آخرت بہتر ہے، اُس کے لئے جس نے تقویٰ اختیار کیا اور تمہارے اوپر ایک ذرے کے برابر بھی زیادتی نہیں ہوگی۔ (۷۸) تم جہاں کہیں ہوگے موت تمہیں آلے گی چاہے تم بلند و بالا اور مضبوط قلعوں میں چھپے ہو اور جب اِن کو کوئی بھلائی نصیب ہوتی ہے تو کہتے ہیں: یہ تو اللہ کی طرف سے ہے، لیکن اگر کوئی گزند پہنچ جائے تو کہتے ہیں: یہ تمہاری وجہ سے ہے۔ اِنہیں کہو: سب اللہ کی طرف سے ہے، اِن لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ اِن کو کوئی بات سمجھ ہی نہیں آتی۔ (۷۹) تمہیں جو بھلائی ملتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور تمہیں جو دکھ پہنچتا ہے وہ خود تمہاری وجہ سے ہوتا ہے اور تمہیں تو ہم نے لوگوں کے لئے ایک پیغام پہنچانے والا بھیجا ہے اور اللہ بطور شاہد کافی ہے۔

(۷۷۔۷۹)۔ اِن مبارک آیات میں ہماری درج ذیل رہنمائی کی گئی ہے:

- بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو دشمن کے ساتھ لڑائی کا وقت آنے سے قبل جنگ پر اصرار کرتے ہیں۔ کہتے ہیں: دشمن کے ساتھ ایک فیصلہ کن معرکے کی ضرورت ہے تا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے اور معاملہ ہمیشہ کے لئے صاف ہو۔ اُن کا یہ اصرار مضبوط ایمان اور اللہ کی راہ میں قربانی کے جذبے سے ابھرا ہوا نہیں ہوتا بلکہ ایک بیمار دل کی صدا ہوتی ہے۔ اِس بے موقع اصرار سے اُن کا مقصد اپنے آپ کو مخلص اور انقلابی ثابت کرنا ہوتا ہے اور اِس کے ذریعے اپنے غلط کرتوتوں اور غلط باتوں پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ لوگوں کو دکھائیں کہ آج سخت مراحل پڑنے سے قبل اُن کے اعمال میں جو کوتاہیاں نظر آتی ہیں اور وہ جو اپنی دینی اور مذہبی ذمہ داریوں میں دوسروں سے پیچھے ہیں تو اِس کے وجوہات یہ ہیں کہ وہ دراصل آزمائے نہیں گئے۔ کہتے ہیں: اگر دشمن کے مقابلے میں دین کے دفاع اور جانبازی کا مرحلہ آیا تو تم ہمیں سب سے زیادہ مخلص پاؤ گے۔ ہماری اخلاص اور صداقت کا تب پتہ چلے گا جب ننگی تلوار ہاتھ میں اُٹھائے ہمیں سب سے اگلی صفوں میں لڑتے ہوئے پاؤ گے۔ تم دیکھ لوگے کہ ہم سب سے آگے ہیں اور پہلی قطار میں دشمن کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ مگر جب لڑائی کا اصل موقع آجاتا ہے، لڑنے کا حتمی فیصلہ ہو جاتا ہے اور قرآن کا واضح اور صریح حکم اُس کا تقاضا کرنے لگ جاتا ہے تو تم دیکھ لوگے کہ اُن کے چہروں پر سخت خوف طاری ہو گا۔ آنکھیں پھٹی پڑ رہی ہوں گی، ایسے نظر آرہے ہوں گے جیسے موت کے خوف سے بے ہوش ہونے والے ہیں اور لوگوں سے ایسے ڈرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ سے ڈرا جاتا ہے بلکہ اُس سے بھی زیادہ۔
- پھر کہیں گے: اب تو لڑائی کا مناسب وقت اور موقع نہیں ہے، ضروری وسائل مہیا نہیں ہوئے، کچھ مزید وقت ملنا چاہیے اور یہ کہ لڑائی کچھ عرصہ کے لئے مؤخر ہو جانی چاہیے۔
- یہ لوگ لڑائی سے اور دشمن کا سامنا کرنے سے اِس طرح گھبرا رہے ہیں جیسے موت کی جانب گھسیٹے جا رہے ہوں۔ جیسے موت اپنے جبڑے کھولے تیار کھڑی ہو اور ان کا آخری وقت آپہنچا ہو۔ کہتے ہیں اللہ نے کیوں نہ ہمیں مزید کچھ مہلت دے دی اور کیوں اتنی جلد لڑائیوں سے نبرد آزما کر دیا؟
- اِن لوگوں کو یہ بات سمجھانے کی ضرورت ہے کہ: دراصل یہ دنیا کے ساتھ افراطی محبت ہی ہے جو تمہیں موت سے ڈراتی ہے۔ تم آخرت کو بھول بیٹھے ہو، آخرت پر دنیا کو ترجیح دی ہوئی ہے اسی لئے موت سے ڈرتے ہو اور لڑائی سے گریز کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے عدل پر یقین نہیں رکھتے، تمہیں شک ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی تمام بھاگ دوڑ اور

قربانیاں ضائع کر دے گا حالانکہ اللہ اپنے بندوں پر ایک ذرے کے (کھجور کی گٹھلی میں موجود ایک ریشے کے) برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔

- خوب جان لو کہ بلند وبالا برجوں میں بیٹھ کر اور مضبوط قلعوں کے حصار میں بھی موت سے فرار ممکن نہیں، داعیِٔ اجل کو ہر حال میں لبیک کہنا پڑے گا۔
- یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر اِنہیں تمہاری معیت میں کچھ بھلائی ہاتھ لگ جائے تو اُسے تمہارا ساتھ دینے کا نتیجہ نہیں بلکہ اپنے اوپر اللہ کی نوازش سمجھتے ہیں لیکن اگر اِنہیں کوئی گزند پہنچ جائے تو اُسے تمہارے سر مونڈھتے ہیں۔ اِنہیں کہو: کہ نیک وبد تمام اللہ کی طرف سے ہیں؛ اِن کو یہ سمجھ ہی نہیں کہ نیک وبد، خیر وشر، نفع اور نقصان سب کا فیصلہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔
- ہر بھلائی اللہ کی عنایت ہوتی ہے، اُسے کبھی اپنے اعمال سے منسوب نہ کرنا، اِس لئے کہ نیک عمل کی توفیق بھی اللہ ہی کی عنایت سے ملتی ہے۔
- ہر تکلیف اور گزند تمہارے بُرے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے، اپنے علاوہ کسی کو موردِ الزام نہ ٹھہراؤ۔
- اللہ کا پیغمبرؐ بھی خیر وشر کا مالک نہیں بلکہ بطور ایک پیغام بر کے بھیجا گیا ہے۔ اللہ اِس کی گواہی دیتا ہے کہ خیر وشر خود اُسی کی جانب سے ہے اور تمہارے اعمال کے ساتھ مربوط ہیں۔ اُس کا پیغمبر صرف ایک امین پیغام بر کی ذمہ داری پوری کر رہا ہے؛ خیر وشر کا فیصلہ اُس کے اختیار میں نہیں ہے۔

مَّن يُطِعِ ٱلرَّسُولَ فَقَدۡ أَطَاعَ ٱللَّهَۖ وَمَن تَوَلَّىٰ فَمَآ أَرۡسَلۡنَٰكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيظٗا ﴿٨٠﴾

(۸۰) جس نے پیغمبرؐ کی اطاعت کی اُس نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی اور جو کوئی منہ پھیرے تو ہم نے تمہیں اُس پر نگران مقرر نہیں کیا۔

---

(۸۰)۔ پیغمبر کی اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہے تو اُس کی مخالفت اللہ کی مخالفت ہوئی۔ پیغمبر کی ذمہ داری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچائے، وہ اللہ کا پیام بر ہوتا ہے نہ کہ لوگوں کا نگران۔ اُس سے یہ قطعاً نہیں پوچھا جاتا کہ لوگوں کو مخالفت سے کیوں نہ روک سکا، وہ اِس کا مکلف ہی نہیں ہے اُس کی ذمہ داری تو صرف یہ ہے کہ لوگوں تک اللہ کا دین پہنچادے۔

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُواْ مِنْ عِندِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ ٱلَّذِى تَقُولُ ۖ وَٱللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ ۖ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى ٱللَّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ وَكِيلاً ﴿٨١﴾

(۸۱) اور کہتے ہیں کہ اطاعت (کرتے ہیں)، مگر جب تمہارے پاس (محفل) سے باہر نکل جاتے ہیں تو اِن کا ایک گروہ رات کو اپنی کہی گئی باتوں کے برعکس مشاورت کرتا ہے۔ اور اللہ اِن کے راتوں کو کیے گئے یہ مشورے لکھتا ہے پس تم اِن سے منہ موڑ کر اللہ پر توکل کرو اور اللہ بطور وکیل کافی ہے۔

---

(۸۱)۔ منافقین پیغمبر علیہ السلام کے سامنے ایمان اور اطاعت کا دعویٰ کرتے تھے مگر رات کو اپنی آپس کی محفلوں میں اپنے اُن دعاوی کے برعکس کچھ اور کہتے تھے۔ یہاں دوستی اور وہاں دشمنی کی باتیں کرتے تھے، یہاں اطاعت کے وعدے اور وہاں بغاوت کے منصوبے، یہاں اخلاص اور وہاں نفاق؛ ہر وہ شخص منافق ہے جو سامنے کچھ کہے اور غیاب میں کچھ اور۔ ایسے منافقین کے حوالے سے تمہاری ذمہ داری یہ ہے کہ:

- اِن سے منہ پھیر لو اور اِن کی جانب کوئی اعتنا نہ کرو۔
- صرف ایک اللہ پر توکل کرو اِس لئے کہ اللہ بطور وکیل کافی ہے۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ ٱلْقُرْءَانَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ ٱللَّهِ لَوَجَدُواْ فِيهِ ٱخْتِلَٰفًا كَثِيرًا ﴿٨٢﴾

(۸۲) تو کیا اِنہوں نے قرآن میں تدبر نہیں کیا، اگر وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے (نازل ہوا) ہوتا تو اُس میں ضرور بہت سا اختلاف پاتے۔

---

(۸۲)۔ قرآن تیئس (۲۳) سال میں مکمل ہوا اور اِس طویل عرصے میں پیغمبر علیہ السلام کو قسم قسم کے حالات پیش آئے۔ ہر حالت انسان میں کچھ خاص قسم کے مشاعر اور عواطف اُبھارنے کا سبب بنتی ہے، مختلف قسم کے افکار و نظریات اُسے اپنے زیرِ اثر لاتی ہیں، اُس کے ضعف کی حالت کے احساسات اور باتیں اور ہوتی ہیں اور قوت و بالادستی کی حالت کے جذبات اور افکار اور ہوتے ہیں۔ غضب کی حالت میں اُس کی باتیں اور فیصلے غصے کی آئینہ دار ہوتی ہیں مگر جب اُس کا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے تو اپنی باتوں پر پشیمان ہوتا ہے اور اُن میں ترمیم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام نے ابتداء میں جب وہ تنہا تھے،

گنتی کے چند افراد ہی آپؐ پر ایمان لائے، اپنی ہی قوم مخالفت پر کمربستہ ہوئی، ایک چچا مخالفین کے سرخیلوں میں شامل ہوا، اپنے بیٹوں سے کہا کہ آپؐ کی بیٹیوں کو طلاق دے دیں اور اُنہوں نے یہ کر بھی ڈالا۔ آپؐ کے ساتھی شدید تعذیب سے دوچار کیے گئے، ہجرت پر مجبور ہوئے، مشکلات سے بھرپور روز و شب بسر کیے۔ یہ حالت رفتہ رفتہ بدل گئی، آپؐ کے حامی بڑھتے گئے، بالادستی اور فتوحات کا مرحلہ شروع ہوا، دشمن کو بار بار شکست سے ہمکنار کیا اور آپؐ کی رحلت سے قبل تقریباً تمام حجاز آپؐ کے زیرِ تسلط آیا۔ اِس تمام عرصے میں یہی قرآن، اِن تمام اونچ نیچ، مشکلات، تکالیف، فتح اور شکست کے مراحل کے دوران رفتہ رفتہ مکمل ہوا مگر نہ تو اِس کے الفاظ اور کلمات میں کوئی اختلاف سامنے آیا اور نہ ہی اِس کے مطالب میں خلافِ حقیقت کوئی ایک جملہ یا لفظ نظر آیا۔ یہ بات انسان کے بس سے کہیں ماوراء اور اُس کے لئے محال اور ناممکن ہے کہ اُس کے تیئیس (۲۳) سال کی تمام باتیں مربوط اور سچی ثابت ہوں اور اُن میں سے ایک بھی بات خلافِ حقیقت اور اپنی کہی گئی باتوں کے خلاف نظر نہ آئے۔ اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو لازماً اِس کے متن میں اور مدعا اور مفہوم میں بھی بہت اختلاف واقع ہوا ہوتا۔ صرف یہ بات بھی کافی ہے کہ مان لیا جائے کہ پیغمبر علیہ السلام اللہ کا ایلچی اور قرآن اللہ کی کتاب ہے۔

اگرچہ آیت کا مدعا عام ہے مگر یہاں مخاطب منافقین ہیں اور اُنہیں کہا گیا ہے کہ تمہاری منافقت کی اصل وجہ یہ ہے کہ تم نہ تو پیغمبرؑ پر بطور اللہ کے پیغمبر کے یقین رکھتے ہو اور نہ قرآن پر بطور اللہ کی کتاب کے۔

وَإِذَا جَآءَهُمۡ أَمۡرٞ مِّنَ ٱلۡأَمۡنِ أَوِ ٱلۡخَوۡفِ أَذَاعُواْ بِهِۦۖ وَلَوۡ رَدُّوهُ إِلَى ٱلرَّسُولِ وَإِلَىٰٓ أُوْلِي ٱلۡأَمۡرِ مِنۡهُمۡ لَعَلِمَهُ ٱلَّذِينَ يَسۡتَنۢبِطُونَهُۥ مِنۡهُمۡۗ وَلَوۡلَا فَضۡلُ ٱللَّهِ عَلَيۡكُمۡ وَرَحۡمَتُهُۥ لَٱتَّبَعۡتُمُ ٱلشَّيۡطَٰنَ إِلَّا قَلِيلٗا ﴿٨٣﴾

(۸۳) اور جب امن یا خوف کی کوئی اطلاع اِنہیں مل جاتی ہے، اُسے پھیلاتے ہیں، لیکن اگر اُسے پیغمبر یا اپنے اولوالامر کے سامنے پیش کر دیتے تو اُس سے استنباط کرنے کے اہل اُس کو سمجھ جاتے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو ایک قلیل تعداد کے علاوہ تم سب شیطان کی پیروی کرنے لگ گئے ہوتے۔

---

(۸۳)۔ قرآن کی نگاہ میں یہ بھی منافقین کا طرزِ عمل ہے کہ کبھی تو مسلمانوں میں خوف پھیلایا جائے اور کبھی بے جا امیدیں جگائی جائیں۔ کبھی مسلمانوں کو دشمن سے ڈرایا جائے اور کبھی غافل کیا جائے اور اُس کی اپنے دشمن سے بے جا اُمیدیں وابستہ

کر ائی جائیں۔ دشمن سے بے جاخوف بھی خطرناک نتائج کا حامل ہوتا ہے اور اُس سے غافل ہو کر خطرے سے آنکھیں بند کر لینا اور دشمن کی طرف سے امن اور سکون کا احساس کر لینا بھی انتہائی خطرناک ہوتا ہے۔ جو کوئی اِس طرح بے جا ڈرانے یا غافل کرنے والا کام کرتا ہے وہ منافق ہے، پیغمبر علیہ السلام کے زمانے میں بھی منافق تھا اور آج بھی ہے۔

یہ ہدایت دے کر مسلمانوں کو سمجھایا گیا ہے کہ اُن مطبوعات کے پھیلانے سے احتراز کریں جو بے جاخوف یا مسلمانوں کو خطرات سے بے نیاز کرنے والی ہوتی ہیں۔ اگر دشمن کے بارے میں تمہیں کوئی اطلاع ملتی ہے تو اُسے اپنے بڑوں کو پہنچائیں۔

جو کوئی یہ کام کرتا ہے وہ نہ صرف منافق ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُسے ایک ایسے شیطان کے نام سے یاد کیا ہے جس کی شر سے اللہ تعالیٰ صرف اپنے فضل و کرم کے ذریعے مسلمانوں کو بچاتا ہے۔ یہ آستین کا سانپ ہے اِس کے ڈنک سے صرف اللہ کے فضل کے سہارے ہی بچا جا سکتا ہے۔

فَقَـٰتِلۡ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفۡسَكَۚ وَحَرِّضِ ٱلۡمُؤۡمِنِينَۖ عَسَى ٱللَّهُ أَن يَكُفَّ بَأۡسَ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْۚ وَٱللَّهُ أَشَدُّ بَأۡسٗا وَأَشَدُّ تَنكِيلٗا ﴿٨٤﴾

(۸۴) تو اللہ کی راہ میں لڑو، اپنے علاوہ دوسروں کو مکلف نہ بناؤ اور مومنوں کو ترغیب دو، اُمید ہے اللہ کافروں کی لڑائی کا زور توڑ دے گا۔ اللہ کی جنگ بھی شدید ہے اور عذاب بھی۔

---

(۸۴)۔ گذشتہ موضوع کے تعلق سے؛ جنگ کے بارے میں اور پیغمبر علیہ السلام سے خطاب کے تناظر میں چند اہم رہنمائیاں کی گئی ہیں:

- اللہ کی راہ میں لڑو۔
- یہ کوشش نہ کرو کہ دوسروں کو جنگ پر مجبور کر دو۔ جنگ کے لئے مجبور کئے گئے جنگجو فائدے کے بجائے نقصان کا موجب بنتے ہیں۔
- مومنوں کو جنگ کی رغبت دلاؤ۔
- امید ہے کہ یہ لڑائی دشمن کی شکست پر ختم ہو جائے، تمہارا دشمن لمبے عرصے کے لئے جنگ جاری نہیں رکھ سکتا، اُس کے سامنے کوئی ایسا مقدس ہدف موجود نہیں ہے جس کے لئے پوری زندگی جنگ کی مشکلات برداشت کی جا سکیں۔

- اِن کی لڑائی دراصل اللہ کے خلاف جنگ ہے، پھر وہ کس طرح اُس سے کوئی ہدف حاصل کر سکتے ہیں؟
- اللہ کی جنگ بھی شدید ہے اور اُس کا عذاب بھی۔

مَّن يَشْفَعْ شَفَٰعَةً حَسَنَةً يَكُن لَّهُۥ نَصِيبٌ مِّنْهَا ۖ وَمَن يَشْفَعْ شَفَٰعَةً سَيِّئَةً يَكُن لَّهُۥ كِفْلٌ مِّنْهَا ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ مُّقِيتًا ﴿٨٥﴾

(۸۵)۔ جو کوئی بھلی بات کی وصیت کرے گا (رغبت دلائے گا) اُس کے لئے اُس میں سے حصہ ہے اور جو کوئی بُری بات کی وصیت کرے گا وہ اُس خصوصی گناہ کا بار اُٹھائے گا اور اللہ ہر چیز پر خوب نظر رکھنے والا ہے۔

(۸۵)۔ اگرچہ اِس آیت کے الفاظ عام ہیں اور عمومی طور پر بیان کیا گیا ہے کہ جو کوئی نیکی کی نصیحت کرے گا، ثواب کما لے گا اور اگر بُرائی کی ترغیب دے گا تو گناہگار ہو گا۔ لیکن آیت کے سیاق وسباق سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہاں اِس سے مراد جہاد کی ترغیب دلانا ہے۔ جو کوئی مسلمانوں میں جہاد کا ولولہ بیدار کرے گا تو مجاہدین کے ساتھ ثواب میں شریک ہو گا اور جس نے مجاہدین کو دشمن کے زور و شور سے ڈرانے کی کوشش کی یا اُنہیں غافل کرنے کی کوشش کی یا اُن کا جوش و جذبہ سرد کرنے کی کوشش کی، اُن کا عزم و ارادہ متزلزل کیا تو گناہگار ہو گا اور ترکِ جہاد کے گناہ کے بھاری بوجھ کا ایک حصہ اُس کے شانوں پر آپڑے گا۔

وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا۟ بِأَحْسَنَ مِنْهَآ أَوْ رُدُّوهَآ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ حَسِيبًا ﴿٨٦﴾

(۸۶)۔ اور جب بھلے کلمات کے ساتھ تمہیں سلام کہا جائے تو (جواب میں) اُس سے بہتر سلام کہو اور یا وہی لوٹا دو، بے شک اللہ ہر چیز کا خوب حساب کرنے والا ہے۔

(۸۶)۔ سلام؛ خوش آمدید اور جیتے رہو کا جواب یا تو اِس سے بہتر کلمات کے ساتھ دیا کرو اور یا (کم از کم) یہی کلمات جواب میں لوٹا دیا کرو۔ یہ بات جان لو کہ اللہ تعالیٰ حسیب ہے اور بندے کے ساتھ ہر چیز کا حساب کرتا ہے۔

ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلْقِيَٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۗ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ ٱللَّهِ حَدِيثًا ﴿٨٧﴾

(۸۷)۔ اللہ وہی ہے جس کے علاوہ دوسرا کوئی معبود نہیں، تمہیں ضرور قیامت کے دن جمع کرے گا اور کون ہے جو اللہ سے زیادہ اپنی بات کا سچا ہو سکتا ہے؟

---

(۸۷)۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرا کوئی معبود نہیں، قیامت کے دن اللہ کے سامنے تمہارا جمع ہونا ایک اٹل حقیقت ہے، یہ اللہ کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا اور کون ہو سکتا ہے؟

فَمَا لَكُمْ فِي ٱلْمُنَٰفِقِينَ فِئَتَيْنِ وَٱللَّهُ أَرْكَسَهُم بِمَا كَسَبُوٓا۟ ۚ أَتُرِيدُونَ أَن تَهْدُوا۟ مَنْ أَضَلَّ ٱللَّهُ ۖ وَمَن يُضْلِلِ ٱللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُۥ سَبِيلًا ﴿٨٨﴾ وَدُّوا۟ لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا۟ فَتَكُونُونَ سَوَآءً ۖ فَلَا تَتَّخِذُوا۟ مِنْهُمْ أَوْلِيَآءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا۟ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا۟ فَخُذُوهُمْ وَٱقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ ۖ وَلَا تَتَّخِذُوا۟ مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿٨٩﴾

(۸۸)۔ تو تمہیں کیا ہوا کہ منافقین کے بارے میں دو گروہوں میں بٹ گئے ہو حالانکہ اللہ نے اُنہیں اُن کے کرتوتوں کی وجہ سے اوندھا کر دیا، کیا تم اُن لوگوں کو ہدایت دینا چاہتے ہو جنہیں اللہ نے گمراہ کر دیا ہے اور جنہیں اللہ گمراہ کر دے اُن کے لئے تم کوئی راہ تلاش نہ کر سکو گے۔ (۸۹) اِن کی خواہش ہے کہ تم بھی ویسے ہی کافر ہو جاؤ جیسے یہ خود کافر ہوئے ہیں تو پھر آپس میں برابر ہو جاؤ گے پس اُس وقت تک اِن میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ جب تک یہ اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کر لیں؛ تو اگر یہ اِس سے گریز کریں تو اِنہیں پکڑو اور جہاں کہیں اِنہیں پاؤ اِنہیں قتل کر دو اور ان میں سے کسی کو نہ دوست بناؤ اور نہ ہی مددگار۔

(۸۸۔۸۹)۔ اِن دو آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اُن لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے جو ایمان کے دعویدار تھے مگر دارالکفر میں رہ گئے تھے اور ایسے حال میں مدینہ ہجرت کرنے سے گریزاں تھے کہ ایک طرف تو اُن کو ہجرت کا حکم دیا گیا تھا اور دوسری طرف وہاں کھلے عام اور اطمینان کے ساتھ وہ اپنے دینی شعائر انجام دینے پر قادر بھی نہیں تھے۔ اُن لوگوں کے زیرِ تسلط گزر بسر کرنے کو دوام دیئے ہوئے تھے جو مسلمانوں کے ساتھ بر سرِ جنگ تھے۔ دارالحرب میں اُن کے زندگی گزارنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ اپنے دین اور ایمان کی خاطر قربانی دینے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اِس پر آمادہ نہیں تھے کہ اسلام کی خاطر گھر بار چھوڑ دیں،

کافروں کے تسلط سے آزاد ہوں اور اسلام کے پرچم تلے زندگی گزارنے کے لئے مدینہ ہجرت کر لیں جبکہ اُن کی راہ میں نہ کوئی مجبوری حائل تھی اور نہ ہی کمزوری اور ناتوانی۔ کئی بار یہ بھی موقع آجاتا تھا کہ یہ لوگ کافروں کی سرداری میں اُن کا ساتھ دیتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف معرکوں میں بھی شرکت کر لیتے تھے۔ کئی بار مجاہدین تشویش میں مبتلا ہو جاتے تھے کہ اگر وہ دشمن کے کسی ایسے علاقے پر حملہ کر دیں جہاں ایسے مسلمان موجود ہوں یا دشمن اِن پر حملہ کر دے اور اُن کے ہمراہ ایسے مسلمان بھی پابہ رکاب ہوں اور وہ اِن کے ہاتھوں مارے جائیں تو اِن کے بارے میں کیا حکم ہو گا؟ اللہ تعالیٰ نے اِن کی اِس تشویش کو رفع کرنے کے لئے یہ رہنمائی نازل فرمائی۔ اِس کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

- یہ منافقین ہیں۔
- اِن کے بارے میں اختلاف میں نہ پڑو۔
- اِن کے اعمال ایسے ہیں کہ یہ دارلایمان میں آنے کے قابل نہیں ہیں، اللہ نے اِنہیں اِس قابل نہیں جانا کہ اِنہیں تمہارے پاس لے آئے۔ یہ اسلام کی راہ پر آگے بڑھنے کے بجائے کافروں کے زیرِ تسلط رہنے پر راضی ہوئے، پس اللہ تعالیٰ نے اِنہیں اُسی حالت میں اوندھا پڑے رہنے دیا۔
- اِن کے بارے میں تمہارا آپس کا اختلاف کیا فائدہ دے سکے گا اور کس طرح اِن کی ہدایت کا باعث بن سکے گا جبکہ خود اللہ تعالیٰ نے اِن کو ہدایت کے قابل نہیں سمجھا اور اِنہیں یہ توفیق نہ دی کہ اُس گندے جوہڑ سے نکل آئیں۔
- اِن کی تو خواہش ہے کہ کاش تم بھی اِنہی کی طرح ہوتے۔ تم بھی اپنے جھونپڑے چھوڑ کر ہجرت نہ کرتے، دوسرے لوگوں (کفار) سے مل جل کر رہنے کی کوئی صورت نکال لیتے، اِس طرح نہ وہ تمہارے راستے میں مزاحم ہوتے اور نہ تمہیں اُن کی زندگی پر کوئی اعتراض ہوتا۔ کہتے ہیں کہ اگر ہم اِن کے ساتھ صلح اور آشتی کی گزر بسر کر سکتے ہیں تو تم کیوں نہیں کر سکتے۔
- جب تک یہ لوگ اللہ کی راہ میں ہجرت نہیں کر لیتے اِن کو اپنے اولیاء اور دوست نہ سمجھو۔
- یہ اگر ہجرت کرنے سے اغماض برتیں تو اِن کے پکڑنے اور قتل کرنے میں ذرا نہ ہچکچاؤ۔ اِنہیں دشمن کے حلقے میں سے قرار دو، اور اِن کے ساتھ وہی کچھ کرو جو دشمن کے ساتھ کرتے ہو۔ اِن میں سے کسی کو نہ تو اپنا دوست سمجھو اور نہ اُس سے بھلائی کی کوئی امید رکھو۔

ہم اِن مبارک آیات کی روشنی میں اُن لوگوں کی وضع صاف دیکھ سکتے ہیں جو آج کل امریکہ کے زیرِ تسلط افغانستان میں زندگی گزار رہے ہیں اور دوسروں کو بھی دعوت دیتے ہیں کہ ثابت قدم رہنے کے بجائے اِن کی طرح نہ صرف دشمن کے سامنے جھک جائیں بلکہ اُن لوگوں کا راستہ بھی اختیار کرلیں جو امریکی سپہ سالاروں کے زیرِ کمان مسلمانوں کے ساتھ لڑتے ہیں۔

إِلَّا ٱلَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوۡمِۭ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُم مِّيثَٰقٌ أَوۡ جَآءُوكُمۡ حَصِرَتۡ صُدُورُهُمۡ أَن يُقَٰتِلُوكُمۡ أَوۡ يُقَٰتِلُواْ قَوۡمَهُمۡۚ وَلَوۡ شَآءَ ٱللَّهُ لَسَلَّطَهُمۡ عَلَيۡكُمۡ فَلَقَٰتَلُوكُمۡۚ فَإِنِ ٱعۡتَزَلُوكُمۡ فَلَمۡ يُقَٰتِلُوكُمۡ وَأَلۡقَوۡاْ إِلَيۡكُمُ ٱلسَّلَمَ فَمَا جَعَلَ ٱللَّهُ لَكُمۡ عَلَيۡهِمۡ سَبِيلٗا ﴿٩٠﴾

(۹۰)۔ صرف وہ لوگ (منافق) اِس سے مستثنیٰ ہیں جو کسی ایسی قوم سے وابستہ ہو جاتے ہیں جن کے ساتھ تمہارا کوئی معاہدہ ہے یا یہ کہ تمہارے پاس اِس حال میں آجائیں کہ وہ اِس سے دل برداشتہ ہوگئے ہیں کہ تم سے لڑیں اور یا اپنی قوم سے لڑیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو اُنہیں تم پر دلیر کردیتا اور پھر وہ بھی ضرور تم سے لڑتے تو اگر وہ تم سے کنارہ کش ہو جائیں اور جنگ نہ کریں بلکہ صلح صفائی کی پیشکش کریں تو پھر اللہ نے تمہارے لئے بھی اُن پر زیادتی کرنے کی کوئی راہ نہیں چھوڑی۔

(۹۰)۔ دو صورتوں میں اِن کے گرفتار کرنے اور قتل کرنے سے رک جاؤ:

- یہ کہ وہ کسی ایسی قوم کے ساتھ وابستگی رکھتے ہوں جن کے ساتھ تمہارا جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو۔
- تمہارے پاس اِس حال میں آجائیں کہ لڑائیوں سے بیزاری کا اظہار کر رہے ہوں، اپنے کئے پر نادم ہوں، نہ تم سے لڑنا چاہتے ہوں نہ اپنی قوم کے ساتھ۔

یہ جو ایک گروہ تمہارے خلاف لڑنے سے باز آرہا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی نوازش سمجھو۔ اِس کا مثبت جواب دو، اِن کی پیشکش مان لو اور اِن کے خلاف لڑنے سے باز رہو۔ اگر یہ کنارہ کش ہو جاتے ہیں، تم سے لڑتے نہیں ہیں اور صلح کی پیشکش کرتے ہیں تو پھر تمہیں اِن کے ساتھ تعرض کرنے کا کوئی حق نہیں؛ اللہ تعالیٰ نے اِن کے خلاف تمہیں تلوار اُٹھانے کی اجازت نہیں دی۔

سَتَجِدُونَ ءَاخَرِينَ يُرِيدُونَ أَن يَأۡمَنُوكُمۡ وَيَأۡمَنُواْ قَوۡمَهُمۡ كُلَّ مَا رُدُّوٓاْ إِلَى ٱلۡفِتۡنَةِ أُرۡكِسُواْ فِيهَاۚ فَإِن لَّمۡ يَعۡتَزِلُوكُمۡ وَيُلۡقُوٓاْ إِلَيۡكُمُ ٱلسَّلَمَ وَيَكُفُّوٓاْ أَيۡدِيَهُمۡ فَخُذُوهُمۡ وَٱقۡتُلُوهُمۡ حَيۡثُ ثَقِفۡتُمُوهُمۡۚ وَأُوْلَٰٓئِكُمۡ جَعَلۡنَا لَكُمۡ عَلَيۡهِمۡ سُلۡطَٰنًا مُّبِينًا ﴿٩١﴾

(۹۱)۔ عنقریب ایسے بھی تمہیں ملیں گے جو چاہتے ہیں کہ وہ تمہارے ساتھ بھی امن سے رہیں اور اپنی قوم کے ساتھ بھی امن سے رہیں مگر جب فتنے میں ڈالنے کے لئے بلائے جاتے ہیں تو اُس میں پڑ جاتے ہیں۔ تو یہ لوگ اگر تم سے کنارہ کش نہ رہیں، صلح صفائی نہ کریں اور اپنے ہاتھ تم سے نہ روکیں تو اِنہیں پکڑو اور جہاں کہیں اِنہیں پاؤ؛ قتل کر دو۔ اِس گروہ پر تمہیں کھلی حجت دی جاتی ہے۔

---

(۹۱)۔ تمہیں ایسے لوگوں کے ساتھ بھی واسطہ پڑے گا جو امن پسند ہیں، چاہتے ہیں کہ تمہارے ساتھ بھی امن سے رہیں اور اپنی قوم سے بھی مامون رہیں، کوئی اُن پر زیادتی نہ کرے۔ لڑائی جھگڑے کو فتنہ سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اِس سے دور رہیں لیکن ایسے ہیں کہ اگر اُنہیں لڑائی پر مجبور کیا جائے اُن کے ساتھ زیادتی ہو تو پھر لڑنے پر اُتر آنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں اور اپنی پوری توانائی سے اِس میں حصہ لینے والے بھی ہیں۔ اِن لوگوں کو لڑائی پر نہ اُبھارو، اُنہیں مثبت جواب دے دو اور اپنی طرف سے اطمینان دلاؤ۔ لیکن اگر وہ باز نہ آئیں، کنارہ کش نہ ہوں، صلح صفائی کی پیشکش نہ کریں اور تم سے اعراض کا رویہ نہ رکھیں تو جہاں کہیں اُنہیں پاؤ، پکڑ کر قتل کر دو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اِس کی اجازت اور حق دیتا ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤۡمِنٍ أَن يَقۡتُلَ مُؤۡمِنًا إِلَّا خَطَـًٔاۚ وَمَن قَتَلَ مُؤۡمِنًا خَطَـًٔا فَتَحۡرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهۡلِهِۦٓ إِلَّآ أَن يَصَّدَّقُواْۚ فَإِن كَانَ مِن قَوۡمٍ عَدُوٍّ لَّكُمۡ وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَتَحۡرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍۖ وَإِن كَانَ مِن قَوۡمِۭ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُم مِّيثَٰقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهۡلِهِۦ وَتَحۡرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍۖ فَمَن لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ شَهۡرَيۡنِ مُتَتَابِعَيۡنِ تَوۡبَةً مِّنَ ٱللَّهِۗ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٩٢﴾

(۹۲)۔ اور کسی مومن کو زیبا نہیں کہ کسی دوسرے مومن کو قتل کرے مگر یہ کہ غلطی سے ایسا ہو جائے۔ اور جس نے کسی مومن کو غلطی سے مار ڈالا تو پھر (اِس کا کفارہ) ایک مومن غلام کو آزاد کرنا اور اُس کے اہلِ خانہ کو پوری دیت ادا کرنا ہے الّا یہ کہ وہ اسے

معاف کر دیں۔ اور اگر وہ مومن ہو مگر کسی دشمن قوم کا فرد ہو تو پھر صرف ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہو گا۔ لیکن اگر ایسی قوم کا فرد ہو جس کے ساتھ تمہارا کوئی معاہدہ ہو تو پھر اُس کے اہلِ خانہ کو پوری دیت اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہے۔ اگر کوئی (غلام آزاد) نہ کر سکے تو پھر دو مہینے مسلسل روزہ رکھے یہ ہے اللہ سے توبہ (کا طریقہ) اور اللہ با حکمت جاننے والا ہے۔

(۹۲)۔ یہ بات مومن کی شان سے بہت بعید ہے کہ قصداً کسی دوسرے مومن کو قتل کرے، ایسے قتل کی توقع صرف غلطی سے ہو سکتی ہے۔ قتل خطا کے بارے میں یہاں درج ذیل رہنمائی کی گئی ہے:

- مقتول کے ورثاء کو خون بہا دیا جائے گا اور ایک مومن غلام آزاد کیا جائے گا۔ اِس طرح کسی نہ کسی حد تک مقتول کے خاندان کا نقصان پورا ہو جائے گا اور وہ نقصان بھی جو قتل کا ارتکاب کرنے سے معاشرے کو پہنچایا گیا ہے۔
- اگر یہ مقتول کسی ایسی قوم کا فرد ہے جس کے ساتھ مسلمان حالتِ جنگ میں ہیں تو پھر قاتل صرف ایک غلام آزاد کرے گا۔
- اور اگر اُس قوم کا مسلمانوں کے ساتھ عدم تعرض کا معاہدہ بھی ہو تو پھر دیت بھی لازم ہے اور غلام کو آزاد کرنا بھی۔
- اگر قاتل کسی غلام کو آزاد کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا تو پھر دو مہینے مسلسل روزہ رکھنا لازم ہے۔
- اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ کی قبولیت اِن شرائط کے ساتھ مربوط کر رکھی ہے۔
- یہ علیم اور حکیم خدا کی طرف سے حکیمانہ رہنمائیاں ہیں اِن میں بڑی حکمتیں مضمر ہیں۔

وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُۥ جَهَنَّمُ خَٰلِدًا فِيهَا وَغَضِبَ ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُۥ وَأَعَدَّ لَهُۥ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿۹۳﴾

(۹۳) اور جو کسی مومن کو عمداً قتل کرے تو اُس کی سزا دوزخ ہے، اُس میں ہمیشہ رہے گا، اُس پر اللہ کا غضب اور لعنت ہے اور اُس (اللہ) نے اُس کے لئے ایک عظیم عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(۹۳)۔ ناجائز طور پر اور جانتے بوجھتے اِس حال میں کسی مومن کو قتل کرنا کہ اُس کے ایمان سے بھی باخبر ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ اُس کو قتل کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا تو ایسے قاتل کی اُخروی سزا یہ ہے:

- ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈالا جائے گا۔

- اُس پر اللہ کا غضب ہو گا۔
- اللہ اُس پر لعنت بھیجتا ہے۔
- اُس کے لئے عظیم عذاب تیار کیا گیا ہے۔

ایسے شخص کی دنیوی سزا سورۂ بقرۃ کی آیت نمبر ۱۷۸ میں بیان کی گئی ہے۔

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا ضَرَبْتُمْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ فَتَبَيَّنُوا۟ وَلَا تَقُولُوا۟ لِمَنْ أَلْقَىٰٓ إِلَيْكُمُ ٱلسَّلَـٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا فَعِندَ ٱللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ ۚ كَذَٰلِكَ كُنتُم مِّن قَبْلُ فَمَنَّ ٱللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿٩٤﴾

(۹۴)۔ اے ایمان والو! جب جہاد کے لئے نکلو تو خوب تحقیق کر لیا کرو اور اُس شخص کو جو تمہیں سلام کہے؛ اُسے دنیوی سامان کی غرض سے یہ نہ کہو کہ "تم مومن نہیں ہو"۔ (تمہارے لئے) اللہ کے ہاں بے حساب غنائم موجود ہیں۔ اِس سے قبل تم بھی ایسے ہی تھے مگر اللہ نے تم پر احسان فرمایا؛ پس تحقیق کر لیا کرو، بے شک اللہ اُس چیز کو خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

---

(۹۴)۔ مومنوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ جہاد کے دوران درج ذیل امور کا سختی کے ساتھ خیال رکھو گے:

- لوگوں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت انتہائی احتیاط سے کام لو گے کہ بے گناہ انسان خصوصاً مسلمان تمہارے ہاتھوں نہ مارا جائے۔
- جو تمہیں سلام کرے اور اُس کے سلام سے اندازہ ہو تا ہو کہ مسلمان اور مسلمانوں کا ہمدرد ہے اُس کے بارے میں یہ نہ کہو کہ مسلمان نہیں ہے۔ صرف جان کے خوف سے سلام کہہ رہا ہے یا دھوکہ دے رہا ہے بلکہ اُس کے انہی الفاظ پر اکتفاء کرتے ہوئے اُسے مسلمان تسلیم کرنا چاہیے اور اُس کے تادیب اور قتل سے اجتناب کرنا چاہیے۔
- ایسا نہ ہو کہ مالِ غنیمت کے لالچ میں اُس کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ لو۔ غنائم کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی کمی نہیں، تمہیں اُن حلال اور شک و شبہے سے بالاتر غنائم کی خواہش کرنی چاہیے۔
- اِس سے پہلے تم بھی تو اِنہی کے طرح تھے، اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنا فضل کیا اور مسلمان ہونے کی توفیق بخشی، پس چاہیے کہ تم بھی اِن کے ساتھ اِسی طرح احسان سے کام لو۔

- خبر دار رہو کہ خبیر اللہ تمہارے ہر عمل اور اُس کی پشت پر موجود اہداف واغراض سے خوب واقف ہے۔

لَّا يَسْتَوِى ٱلْقَـٰعِدُونَ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُوْلِى ٱلضَّرَرِ وَٱلْمُجَـٰهِدُونَ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ بِأَمْوَٰلِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ۚ فَضَّلَ ٱللَّهُ ٱلْمُجَـٰهِدِينَ بِأَمْوَٰلِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ عَلَى ٱلْقَـٰعِدِينَ دَرَجَةً ۚ وَكُلًّا وَعَدَ ٱللَّهُ ٱلْحُسْنَىٰ ۚ وَفَضَّلَ ٱللَّهُ ٱلْمُجَـٰهِدِينَ عَلَى ٱلْقَـٰعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٩٥﴾ دَرَجَـٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٩٦﴾

(۹۵) مومنوں میں سے غیر معذور قاعدین اُن لوگوں کے برابر نہیں ہیں جو اپنے مال اور جان کے ساتھ اللہ کی راہ کے مجاہد ہیں۔ اللہ نے اِن جان ومال کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو بیٹھے رہنے والوں پر خصوصی فضیلت دی ہے گو کہ اِن میں سے ہر ایک کے ساتھ اللہ نے اچھے بدلے کا وعدہ کیا ہے۔ مگر اللہ نے مجاہدین کو بیٹھے رہنے والوں پر ایک بڑے اجر کی فضیلت دے رکھی ہے۔ (۹۶) اُس کی طرف سے منفرد درجات، مغفرت اور نوازش اور اللہ مہربان بخشنے والا ہے۔

(۹۵-۹۶)۔ یہاں مجاہد اور غیر مجاہد مسلمانوں کے درمیان اللہ کی نوازشوں میں روا رکھے جانے والے فرق کی وضاحت کی گئی ہے:

- وہ مسلمان جو معذور نہیں مگر جہاد کے موقع پر پیچھے رہتا ہے، اُس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جو اپنے سر ومال کی قربانی دے کر جہاد میں حصہ لیتا ہے۔
- مجاہد کا مقام اور درجہ بھی اُس سے بڑھا ہوا ہے اور اجر بھی، پیچھے رہ جانے والے دوسرا کوئی ایسا عمل نہیں کر سکتے جس کی بدولت اُن کا مقام ومرتبہ حاصل کر سکیں۔
- پیچھے رہ جانے والے بھی اپنے ایمان، اخلاص اور نیک اعمال کا اجر پائیں گے مگر مجاہدین کے برابر اجر وفضیلت نہیں پا سکتے۔
- یہ فرق کسی عام درجے کے فرق پر محمول نہ کریں، یہ الٰہی معیارات کی رو سے بڑے بڑے مدارج کے درمیان واقع فرق ہیں۔
- مہربان اور بخشنے والا رب اِن کے گناہ معاف فرماتا ہے اور اپنی عظیم رحمت اِن کے شاملِ حال کرتا ہے۔

توجہ رہے کہ یہاں اُس صورتِ حال کے مطابق بحث کی جارہی ہے جب جہاد میں حصہ لینا مسلمانوں کی مرضی پر چھوڑا گیا ہو؛ جہاد فرضِ عین نہیں بلکہ فرضِ کفایہ ہو۔ نفیرِ عام کا موقع نہ آیا ہو اور سب سے جہاد کا مطالبہ نہ کیا گیا ہو اِس لئے کہ اُس حالت میں تو جہاد پر نہ نکلنا ایک ایسا بڑا گناہ ہے جو ایمان اور آخرت کو خطرے میں ڈال دیتا ہے۔

إِنَّ ٱلَّذِينَ تَوَفَّىٰهُمُ ٱلۡمَلَٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنفُسِهِمۡ قَالُواْ فِيمَ كُنتُمۡۖ قَالُواْ كُنَّا مُسۡتَضۡعَفِينَ فِي ٱلۡأَرۡضِۚ قَالُوٓاْ أَلَمۡ تَكُنۡ أَرۡضُ ٱللَّهِ وَٰسِعَةٗ فَتُهَاجِرُواْ فِيهَاۚ فَأُوْلَٰٓئِكَ مَأۡوَىٰهُمۡ جَهَنَّمُۖ وَسَآءَتۡ مَصِيرًا ﴿٩٧﴾ إِلَّا ٱلۡمُسۡتَضۡعَفِينَ مِنَ ٱلرِّجَالِ وَٱلنِّسَآءِ وَٱلۡوِلۡدَٰنِ لَا يَسۡتَطِيعُونَ حِيلَةٗ وَلَا يَهۡتَدُونَ سَبِيلٗا ﴿٩٨﴾ فَأُوْلَٰٓئِكَ عَسَى ٱللَّهُ أَن يَعۡفُوَ عَنۡهُمۡۚ وَكَانَ ٱللَّهُ عَفُوًّا غَفُورٗا ﴿٩٩﴾

(۹۷) بے شک وہ لوگ جن کی ارواح ایسی حالت میں فرشتے قبض کرتے ہیں جب وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں تو اُن سے کہتے ہیں: تم کس حالت میں تھے؟ وہ جواب دیں گے: ہم زمین میں کمزور (اور دبائے گئے) تھے۔ وہ کہیں گے کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ ہجرت کر لیتے؟ تو یہ وہی ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ لوٹ کر آنے کی کتنی بری جگہ ہے۔ (۹۸) مگر وہ کمزور مرد، عورتیں اور بچے جو نہ کسی تدبیر کی طاقت رکھتے تھے اور نہ ہی کوئی راہ پانے کی۔ (۹۹) تو توقع ہے کہ اللہ اُن کو معاف کر دے اور اللہ بخشنے والا درگزر کرنے والا ہے۔

(۹۷-۹۹)۔ یہاں اُن لوگوں کے بارے میں بحث کی گئی ہے جنہوں نے ہجرت فرض ہو جانے کے بعد ہجرت سے پہلو تہی کی اور دارالحرب میں زندگی بسر کرتے رہے۔ کوئی ایسا خاص عذر بھی نہیں رکھتے تھے بس یونہی اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑنا اور مال و دولت سے ہاتھ دھونا اُنہیں مشکل لگ رہا تھا؛ اُن کے بارے میں درج ذیل وضاحتیں کی گئی ہیں:

- وہ اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں اور اپنی دنیا اور آخرت کے درپے ہیں۔
- جانکنی کے وقت فرشتے اُن کا یہ عذر قبول نہیں کریں گے کہ وہ ناتواں اور مجبور تھے۔
- فرشتے اُنہیں کہیں گے کہ: کیا اللہ تعالیٰ کی یہ وسیع زمین تمہارے لئے اتنی تنگ ہو گئی تھی کہ ہجرت کے لئے بھی کوئی جگہ نہیں مل رہی تھی تاکہ اپنے دین اور ایمان کی سلامتی کے لئے وہاں چلے جاتے اور کفر کے تسلط سے رہائی پا لیتے۔

- اُن کاٹھکانہ دوزخ ہے۔
- وہ حقیقی مستضعف مرد، عورتیں اور بچے اِس سے مستثنیٰ ہیں جو نہ کوئی تدبیر اور چارۂ کار پاتے ہیں اور نہ ہی نکلنے کی کوئی راہ۔

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ دارالحرب میں طاغوت کے زیرِ تسلط زندگی گزارنا اللہ کے دین میں ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ دارالحرب سے نکلنا اور طاغوت کے اقتدار سے اپنے آپ کو بچانے کی خاطر ہجرت کرنا فرض ہے اور اِس کا تارک شدید مواخذے کے قابل اور جہنم کا مستحق ہے۔

وَمَن يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ يَجِدْ فِي ٱلْأَرْضِ مُرَٰغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ وَمَن يَخْرُجْ مِنۢ بَيْتِهِۦ مُهَاجِرًا إِلَى ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ثُمَّ يُدْرِكْهُ ٱلْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُۥ عَلَى ٱللَّهِ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٠٠﴾

(۱۰۰) اور جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے تو زمین میں روزی کے کثیر ذرائع اور وسعت پالے گا۔ اور جو کوئی اپنے گھر سے اللہ اور رسول کی طرف مہاجر کی حیثیت سے نکلے اور اُسے موت آلے تو یقیناً اُس کا اجر اللہ کے ذمہ واقع ہو چکا اور اللہ تو مہربان بخشنے والا ہے۔

---

(۱۰۰)۔ یہاں اِن دارالحرب میں باقی رہ جانے والے مسلمانوں کو ہجرت کی ترغیب دلائی جارہی ہے اور اِنہیں چند باتوں کا اطمینان دلایا جارہا ہے:

- یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہاری روزی کا ضامن ہے۔ اِس بات کا اندیشہ نہ رکھو کہ اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کے باعث روزی کے موجودہ ذرائع سے محروم ہو جاؤ گے تو فقر اور بھوک سے دوچار ہو گے؛ رازق اللہ تمہیں اور چراگاہیں عطا کر دے گا۔
- اللہ کی زمین کو تنگ نہ سمجھو۔ یہ گمان نہ کرو کہ یہ وسیع دنیا تمہارے لئے تنگ ہو گئی ہے اور اپنے ملک میں بسے رہنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں رکھتے۔
- اگر تمہارے گمان کے مطابق تمہاری یہ ہجرت تمہاری موت کا باعث بن جائے تو بھی کس بات کا اندیشہ رکھتے ہو۔ اِس کا اجر اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور دے گا، وہ تمہارا اجر اپنے ذمے لیتا ہے۔

- کیا تمہیں یہ پسند نہیں ہے کہ ہجرت کے نتیجے میں بخشنے والا مہربان رب تمہارے گناہ بخش دے اور اپنی نوازشیں اور رحمت تمہارے شاملِ حال کر دے؟

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي ٱلْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُوا۟ مِنَ ٱلصَّلَوٰةِ إِنْ خِفْتُمْ أَن يَفْتِنَكُمُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱلْكَٰفِرِينَ كَانُوا۟ لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا ﴿١٠١﴾

(۱۰۱)۔ اور جب زمین میں سفر پر نکلو تو اِس پر تمہیں کوئی گناہ نہیں کہ نماز مختصر کر لو اگر کافروں کی جانب سے فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو، بے شک کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔

---

(۱۰۱)۔ دورانِ سفر اور اُس وقت جب دشمن کا خطرہ ہو تو تم نماز مختصر کر سکتے ہو، چار رکعتوں کو دو رکعات جبکہ رکوع، سجدہ، قرأت اور تسبیحات کو بھی مختصر کرنے کی تمہیں اجازت ہے۔ قصر نماز میں کئی اور آسانیاں بھی شامل ہیں جن کے ایک حصے کی وضاحت سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۳۹ میں کی گئی ہے۔

یہاں درج ذیل سوالات جنم لیتے ہیں:

- یہ کہ سفر میں قصر کا حکم کیا اسی آیت سے لیا گیا ہے یا اِس کا کوئی اور مرجع بھی ہے؟
- یہاں قصر سفر کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا ہے یا خوف اور خطرے کی وجہ سے؟
- قصر سے مراد کیا رکعتوں کی تعداد میں فرق ہے یا اُس کی ہیئت اور کیفیت اور تقدیم و تاخیر میں بھی؟

اِن سوالات کے جواب میں درج ذیل باتیں معاونت کرتی ہیں۔

- آیت مابعد سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں خوف اور خطر کی وجہ سے قصر کی اجازت دی گئی ہے۔
- اسی بعد والی آیت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ قصر سے نماز کی ہیئت اور کیفیت میں بھی قصر مراد ہے، اِس لئے کہ یہاں نماز کے دوران ایک جگہ سے دوسری جگہ پر ہٹ آنے کا ذکر اور اُس کی اجازت بھی دی گئی ہے۔
- پیغمبر علیہ السلام نے اپنے اسفار میں قصر کا اہتمام کیا ہے، ہمیشہ چار کی بجائے دو رکعات پڑھی ہیں، ایسے حالات میں بھی جب کسی خوف و خطر کا اندیشہ نہیں ہوتا تھا۔
- قصر کی بابت اِس کے علاوہ دوسری آیت نہیں ملتی۔

اِن باتوں سے واضح پتہ چلتا ہے کہ سفر کا قصر بھی اِسی آیت سے لیا گیا ہے اور نماز خوف کا قصر بھی اور یہ کہ قصر میں رکعات کا قصر بھی شامل ہے اور ہیئت و کیفیت کا قصر بھی۔

جنگِ احزاب میں جہاں سفر کے بغیر مگر خوف و خطر کی حالت تھی، قصر کی دو صورتیں ملتی ہیں: جمعہ کے علاوہ باقی نمازوں کی انفرادی طور پر ادائیگی، اُن کا تاخیر سے اور قضاء پڑھنا۔

وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ ٱلصَّلَوٰةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوٓا۟ أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا۟ فَلْيَكُونُوا۟ مِن وَرَآئِكُمْ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا۟ فَلْيُصَلُّوا۟ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا۟ حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۗ وَدَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَٰحِدَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم مَّرْضَىٰٓ أَن تَضَعُوٓا۟ أَسْلِحَتَكُمْ ۖ وَخُذُوا۟ حِذْرَكُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٠٢﴾

(۱۰۲) اور اگر تم خود بھی اِن کے ساتھ ہو اور نماز پڑھانا ہو تو اِن میں سے ایک گروہ تمہارے پیچھے کھڑا ہو جائے اور جب وہ سجدہ ادا کر لے تو پیچھے ہٹ جائے اور وہ دوسرا گروہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی، آکر تمہارے ساتھ نماز ادا کرے اور اپنی احتیاطی تدابیر کا خیال رکھتے ہوئے اپنا اسلحہ ساتھ رکھے۔ کافر اِس انتظار میں ہیں کہ تم لوگ اپنے اسلحہ اور مال و متاع سے غافل ہو جاؤ تو یکبارگی تم پر ٹوٹ پڑیں۔ لیکن اگر بارش تنگ کرے یا کوئی بیمار ہو تو اپنا اسلحہ رکھ دینے میں کوئی گناہ نہیں مگر احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہوئے۔ بے شک اللہ نے کافروں کے لئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔

---

(۱۰۲)۔ اِس آیت میں صلوٰۃِ خوف کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔ اِس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اِس سورت کا یہ حصہ سخت بحرانی حالات میں نازل ہوا ہے۔ ہر لمحے اِس بات کا اندیشہ رہتا تھا کہ مسلمانوں کے کسی گروہ پر کسی جانب سے اچانک حملہ ہو جائے۔ اِس قسم کے حالات جنگِ اُحد کے بعد پیدا ہو گئے تھے اور جنگ احزاب پر منتج ہو کر اُس کے اختتام پر ختم ہوئے۔

اِس آیت میں صلوٰۃ خوف کے بارے میں درج ذیل ہدایات دی گئی ہیں:

- نماز کے لئے لوگ دو گروہوں میں بٹ جایا کریں جن میں سے ایک امام کے پیچھے کھڑا ہو جائے اور دوسرا پہرہ دے۔

- پہلا گروہ ایک رکعت پڑھ کر سجدہ ادا کرنے کے بعد پہرہ دینے کے لئے پیچھے ہٹ جائے اور نماز کے دوران مسلح رہے۔
- دوسرا گروہ آکر امام کی اقتداء کرے اور اپنی نماز پوری کرے۔ اِنہیں کہا گیا ہے کہ مسلح بھی رہے اور احتیاطی تدابیر بھی اختیار کرے۔ یہ اِس لئے کہ پہرے کے لئے ڈیوٹی بدلنا احتیاط کا متقاضی ہوتا ہے؛ اِس میں جلدی نہ کی جائے اور جب پہلا گروہ ڈیوٹی سنبھال لے تو یہ نماز کے لئے آجائیں۔
- پہلا گروہ اپنی نماز اُس وقت مکمل کرے جب دوسرا گروہ نماز سے فارغ ہو کر اِن کی جگہ سنبھال لے۔
- نماز کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور صرف ایک رکعت کو ہی اِس کا ایک حصہ تسلیم کیا گیا ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر اور خطر کے وقت قصر کی نماز چار رکعت نہیں بلکہ دو یا تین رکعت ہو سکتی ہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے بھی سفر میں صرف مغرب کی نماز تین رکعت پڑھی ہے اور باقی نمازوں میں دو ہی رکعتیں پڑھی ہیں۔

یہاں خوف اور خطرے کی کوئی متوسط صورت حال بیان کی گئی ہے اِس لئے کہ کم خطرے میں جماعت پڑھی جا سکتی ہے جبکہ زیادہ خطرے کی حالت میں انفرادی نماز کی حتیٰ کہ قضا کر کے بعد میں پڑھنے کی اجازت بھی دی گئی ہے۔

اِس صورت میں اپنے آپ سے اسلحہ ہٹا کر رکھ لینے کی اجازت صرف اُس وقت دی گئی ہے جب بارش برس رہی ہو یا کوئی اتنا بیمار ہو کہ اسلحہ اُٹھانا مشکل ہو رہا ہو۔

فَإِذَا قَضَيْتُمُ ٱلصَّلَوٰةَ فَٱذْكُرُواْ ٱللَّهَ قِيَـٰمًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ ۚ فَإِذَا ٱطْمَأْنَنتُمْ فَأَقِيمُواْ ٱلصَّلَوٰةَ ۚ إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ كَانَتْ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ كِتَـٰبًا مَّوْقُوتًا ﴿١٠٣﴾

(۱۰۳)۔ اور جب نماز ادا کر چکو تو اللہ کو کھڑے، بیٹھے اور پہلو کے بل لیٹے (ہر حالت) میں یاد کر لیا کرو، پھر جب اطمینان نصیب ہو تو وہی نماز ادا کیا کرو۔ بے شک نماز مومنوں پر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔

---

(۱۰۳)۔ یہاں چار بنیادی باتیں ہمارے سامنے آتی ہیں:

- سفر اور خطر کی حالت میں قصر کی اجازت اِس ہدایت کے ساتھ دی گئی ہے کہ کھڑے، بیٹھے اور لیٹے اللہ کو یاد کرو گے۔

- قصر میں یہ بھی شامل ہے کہ نماز کو مقدم یا مؤخر کر لو اِس لئے کہ اِس کے فوراً بعد کہا گیا ہے کہ جب اطمینان نصیب ہو تو پھر مکمل نماز اپنے اپنے وقت پر ادا کیا کرو۔ صاف لگتا ہے کہ جمع بین الصلاتین کی رخصت کا جواز بھی اِسی آیت سے لیا گیا ہے۔
- پہلی آیت میں صراحت سے بتایا گیا ہے کہ سفر اور خوف کی حالت میں قصر کر سکتے ہو مگر یہ نہیں کہا گیا کہ بے خطر سفر کے دوران قصر کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ مگر اِس آیت کے مفہوم سے پتہ چلتا ہے کہ سفر کی حالت میں بھی قصر کر سکتے ہیں اِس لئے کہ پوری نماز کی ادائیگی کے لئے اطمینان کی شرط رکھی گئی ہے۔ اگر صرف خوف کی نہی مقصود ہوتی تو اطمینان کے بجائے امن کا لفظ لایا جاتا۔ خوف کے مقابل امن کا لفظ استعمال ہوتا ہے جیسے کہ سورۂ بقرہ کی آیت ۱۹۶ میں خوف کے اختتام کو امن کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ: جب حالت امن ہو جائے تو پھر حج سے پہلے عمرے کی ادائیگی کا حکم یہ ہے۔ سفر چاہے کتنا ہی آرام دہ اور آسان ہو انسان اُس میں پریشان حال اور غیر مطمئن ہوتا ہے۔
- نماز کے لئے اوقات مقرر کیے گئے ہیں اور ہر نماز اپنے اپنے مقرر وقت پر ادا کرنا فرض ہے؛ پہلے دی گئی رخصت ایک عارضی ضرورت کے تحت وقتی رخصت تھی۔ عام حالات میں ہر نماز اپنے وقت پر ادا کرنا لازمی ہے تاہم سفر اور خوف کی حالت میں نماز کو اُس کے مقررہ وقت سے پہلے یا بعد پر ٹالنے کے بارے میں دو آراء پائی جاتی ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ ظہر اور عصر کی نمازیں ایک ہی وقت آگے پیچھے ایک ہی اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا کی جائیں اور اسی طرح مغرب اور عشاء کی نمازیں بھی اکٹھی ایک ہی وقت ادا کی جائیں۔ بالکل ویسے ہی جیسے حج کے دوران عرفات میں ظہر اور عصر جبکہ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء اکٹھی کی جاتی ہیں۔ دوسری رائے یہ ہے کہ حج کے علاوہ دوسرے اسفار میں دو نمازوں کو اکٹھا اِس شکل میں کیا جا سکتا ہے کہ ایک کے آخری وقت اُسے اِس طرح پڑھ لیا جائے کہ اُس کے متصل دوسری نماز اپنے پہلے وقت پر پڑھی جا کر اُنہیں جمع صلاتین کی شکل وصورت دی جائے۔ اسے صوری یا شکلی جمع صلاتین کہتے ہیں۔ یہ احناف کی رائے ہے، احناف کے علاوہ باقی تمام پہلی صورت کو فوقیت دیتے ہیں اور اِس لحاظ سے حج اور دوسرے اسفار میں فرق پر یقین نہیں رکھتے۔ اِس کے لئے وہ درج ذیل دلائل پیش کرتے ہیں: (۱) صوری جمع اِس سے کہیں مشکل کام ہے کہ دونوں نمازیں علیٰحدہ علیٰحدہ اپنے اپنے اوقات میں پڑھی جائیں۔ دو نمازوں کو اپنے اپنے وقت پر پڑھتے ہوئے اُنہیں اِس طرح ترتیب دینا کہ اکٹھی پڑ جائیں اور وہ بھی سفر کے دوران؛ انتہائی مشکل کام ہے۔ عام حالات میں ہر نماز کے لئے سہولت اور مہلت کے ساتھ کافی وقت دیا گیا ہے جبکہ صوری جمع صلاتین اِس سہولت اور مہلت کی نقیض ہے اور نماز کو ایک محدود وقت میں سمو دینے کا تقاضا کرتی ہے حالانکہ قصر اور جمع صلاتین تو تخفیف اور آسانی کے لئے ہیں۔ (۲) سفر میں نماز کو آگے یا پیچھے کرنا اِس طرح ہے جیسے مسافر یا مریض کے لئے

روزہ سال کے دوسرے دنوں میں مؤخر کرنے کی اجازت ہے۔ روزہ بھی نماز کی طرح ایک مقررہ وقت کے تعین کے ساتھ فرض ہے مگر مسافر اور مریض کو سہولت دی گئی ہے۔(۳) حج کے دوران ہمارے لئے جمع صلاتین کی دو مثالیں موجود ہیں، ایک عرفات میں ظہر اور عصر کی صورت میں اور دوسری مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی اکٹھی کرنے کی صورت میں۔ جمع صلاتین اگر حج کے دوران اور عرفات و مزدلفہ جیسے مقامات میں جائز ہے تو دوسرے اوقات و مقامات پر تو بدرجۂ اولیٰ جائز ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت نماز کو اوقات کے ساتھ منسلک کرنے کے حوالے سے نہایت واضح ہدایت دیتی ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کی سنت بھی ہمارے سامنے ہے؛ آپؐ نے تقریباً اٹھارہ ہزار نمازیں مدینہ میں ادا فرمائی ہیں۔ مدینہ کے سینکڑوں اور ہزاروں لوگ دن میں پانچ وقت اذان کی آواز سنتے رہے ہیں، پیغمبر علیہ السلام کی امامت میں نماز ادا ہوتے دیکھتے رہے ہیں، اذان اور اقامت کے الفاظ سنتے رہے ہیں، آپؐ اور صحابہ کرام کے نمازوں کی کیفیت دیکھتے رہے ہیں اور یہ سب کچھ مدینے کے مسلمان نسل در نسل منتقل بھی کرتے رہے ہیں۔ مگر اِس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ ساری نمازیں ایک ہی وقت میں ادا کرنا بھی جائز سمجھتے ہیں اور سفر اور خطر کے علاوہ عام حالات میں دن کی پانچ نمازوں کو تین اوقات میں ادا کرنا بھی جائز سمجھتے ہیں۔ اپنے لئے اذان کے خاص الفاظ اور نمازوں کی خاص ترتیب اور ترکیب مقرر کیے ہوئے ہیں اور اپنے مسلک اور مذہب کے بارے میں اتنا تعصب رکھتے ہیں کہ اُس سے مختلف کیفیت اور ہیئت میں نماز کو نماز نہیں سمجھتے۔ دوسرے مسلک کے امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے، اُس کی اذان پر روزہ افطار نہیں کرتے اور یہ کہ اُسے مسلمان تک نہیں سمجھتے۔ اے کاش! تمام امت کم از کم ایسے واضح مسائل میں تو اختلاف کرنے سے محفوظ رہ گئی ہوتی؛ قران کی صریح نص، پیغمبر علیہ السلام کی واضح سنت اور مدینے کے مسلمانوں کی نماز کی کیفیت اور ہیئت کو تو معیار تسلیم کر لیا ہوتا۔

وَلَا تَهِنُوا۟ فِى ٱبْتِغَآءِ ٱلْقَوْمِ ۖ إِن تَكُونُوا۟ تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ ٱللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٠٤﴾

(۱۰۴)۔ اور اِس قوم کے تعاقب میں سستی نہ کرو، اگر تمہیں گزند پہنچتی ہے تو اِن کو بھی تمہاری طرح گزند پہنچتی ہے، حالانکہ تم اللہ سے وہ امیدیں رکھتے ہو جو یہ نہیں رکھتے اور اللہ باحکمت جاننے والا ہے۔

(۱۰۴)۔ دشمن کے تعاقب میں سستی اور کسالت نہ کرو۔ شکست، جانی نقصانات اور زخم تمہاری راہ کھوٹی نہ کرنے پائیں اور دشمن کے مسلسل اور اَن تھک تعاقب میں مانع نہ ہونے پائیں۔ اگر تمہیں زخم لگتے اور نقصانات ہوتے ہیں تو ایسے ہی نقصانات، زخمی اور لاشیں اُن کی بھی گرتی ہیں۔ تم اپنے نقصانات سے امید رکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں اپنی راہ میں قبول کرلے گا اور تمہیں اُن کی جزا دے دے گا مگر اُن کو تو یہ امید بھی نہیں ہے؛ تعجب کی بات ہو گی اگر تم اُن سے پہلے تھک ہار کر بیٹھ جاؤ۔ دشمن کے تعاقب کی یہ ہدایت اُس ذات کی طرف سے ہے جو خوب جانتی ہے اور اُس کے ہر فیصلے میں مصالح اور حکمتیں مضمر ہیں۔

إِنَّآ أَنزَلۡنَآ إِلَيۡكَ ٱلۡكِتَٰبَ بِٱلۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُۚ وَلَا تَكُن لِّلۡخَآئِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾ وَٱسۡتَغۡفِرِ ٱللَّهَۖ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٠٦﴾ وَلَا تُجَٰدِلۡ عَنِ ٱلَّذِينَ يَخۡتَانُونَ أَنفُسَهُمۡۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ﴿١٠٧﴾ يَسۡتَخۡفُونَ مِنَ ٱلنَّاسِ وَلَا يَسۡتَخۡفُونَ مِنَ ٱللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمۡ إِذۡ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرۡضَىٰ مِنَ ٱلۡقَوۡلِۚ وَكَانَ ٱللَّهُ بِمَا يَعۡمَلُونَ مُحِيطًا ﴿١٠٨﴾ هَٰٓأَنتُمۡ هَٰٓؤُلَآءِ جَٰدَلۡتُمۡ عَنۡهُمۡ فِي ٱلۡحَيَوٰةِ ٱلدُّنۡيَا فَمَن يُجَٰدِلُ ٱللَّهَ عَنۡهُمۡ يَوۡمَ ٱلۡقِيَٰمَةِ أَم مَّن يَكُونُ عَلَيۡهِمۡ وَكِيلًا ﴿١٠٩﴾

(۱۰۵)۔ بے شک ہم نے تم پر حق پر قائم یہ کتاب نازل کی تاکہ لوگوں کے مابین اُس کے مطابق فیصلہ کرو جو راہ اللہ نے تمہیں دکھائی ہے اور خیانت کرنے والوں کے لئے مجادلہ کرنے والے نہ بنو (وکالت نہ کرو)۔(۱۰۶) اور اللہ سے معافی مانگو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔(۱۰۷) اور اُن لوگوں کے لئے مجادلہ نہ کرو جو اپنے آپ کے ساتھ خیانت کرتے ہیں یقیناً اللہ اُنہیں پسند نہیں کرتا جو گناہگار خائن ہوتے ہیں۔(۱۰۸) (سرگوشیاں کرکے) لوگوں سے تو چھپانا چاہتے ہیں اور اللہ سے چھپانا نہیں چاہتے حالانکہ وہ اُس وقت بھی اِن کے ساتھ تھا جب یہ رات کو اُس کی ناپسندیدہ بات پر مشورے کر رہے تھے۔ اور اللہ اِن کے اعمال کا احاطہ کرنے والا ہے۔(۱۰۹) اے لوگو! دنیا کی زندگی میں اِن کی دفاع کے لئے تو تم نے وکالت کرلی، قیامت کے دن کون اِن کی خاطر مجادلہ کرے گا اور کون ہو گا جو اِن کا وکیل بنے گا؟

(۱۰۵-۱۰۹)۔اِن آیات کے بارے میں جو شانِ نزول بیان ہوا ہے وہ اِن آیات کا مطلب سمجھنے میں بہت معاونت کرتا ہے۔ شانِ نزول یوں ہے کہ: ایک صحابی کے گھر سے چوری ہو گئی۔ چور مسلمانوں کے ایک قبیلے کا فرد تھا، چوری کا مال لے جا کر ایک یہودی ساتھی کے گھر اپنا مال ظاہر کرتے ہوئے اُس کے پاس امانت رکھا۔ اگلے دن مال کے مالک نے اُسی شخص پر چوری کا دعویٰ کر دیا، بات پیغمبر علیہ السلام تک پہنچ گئی مگر پوچھ گچھ اور تلاش کے بعد مال یہودی کے گھر سے بر آمد ہوا۔ یہودی نے کہا کہ یہ تو اِس شخص کا مال ہے اور میرے پاس گزشتہ شب اِس نے امانت رکھا ہے۔ چور نے انکار کیا اور اُس کے عزیز و اقارب اور قبیلے والوں نے اُس کا دفاع کرنا شروع کر دیا اور پیغمبر علیہ السلام کے پاس آکر اُس کی برأت کی تاکید کرنے لگے۔ مال یہودی کے گھر سے بر آمد ہوا تھا، چور انکار کر رہا تھا اور کئی مسلمان اُسے بری الذمہ سمجھتے ہوئے اُس کی تائید کر رہے تھے۔ بعض دوسرے اِس وجہ سے اُس کا دفاع کر رہے تھے کہ اپنا قبیلہ بدنامی سے بچا لیں، بعض مسلمان ہونے کے ناطے اُس کا ساتھ دے رہے تھے اور بلا تحقیق اُس کا دفاع کر رہے تھے۔ ادھر اُدھر مشورے اور سرگوشیاں ہو رہی تھیں کہ قضیے کا فیصلہ چور کے حق میں کرا لیا جائے۔ قریب تھا کہ فیصلہ یہودی کے خلاف آجائے، کہ یہ آیات نازل ہو گئیں۔ اِن آیات میں پیغمبر علیہ السلام اور آپؐ کی وساطت سے مسلمانوں کی درج ذیل رہنمائیاں کی گئی ہیں:

- یہ حقیقت پر قائم کتاب ہے۔ حق اور حقیقت اِس کتاب میں جمع کی گئی ہے؛ اِس کتاب کے علاوہ کسی دوسری چیز یا دوسری جگہ حق کی تلاش اور جستجو نہ کرو۔
- اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب اِس لئے نازل فرمائی ہے کہ لوگوں کے درمیان تنازعات اِس کی روشنی میں اور اُسی طریقے سے حل کئے جائیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھایا ہے۔
- کسی خائن کا دفاع نہیں کرو گے۔
- اگر ایسی غلطی ہو جائے تو فوراً اللہ سے معافی مانگو۔
- اُس شخص کے مفاد میں مجادلہ اور مناظرہ نہ کرو جو اپنے آپ کے ساتھ خیانت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ گناہگار اور خائن کو پسند نہیں کرتا۔
- چاہیے تو یہ کہ گناہ کا کوئی بھی کام کرتے ہوئے سب سے زیادہ اللہ سے شرم و حیا کا احساس آڑے آئے۔ لوگوں سے چھپاتے پھرنے کی بجائے یہ بہتر ہے کہ اللہ سے چھپانے کی خواہش میں ایسا کام کرو ہی نہیں۔
- ناجائز کاموں کے لئے جرگے، مشورے اور سرگوشیاں نہ کرو اور ایسی باتوں سے گریز کرو جو اللہ کو ناپسند ہیں۔

- نہ تمہاری باتیں اللہ سے چھپی رہ سکتی ہیں اور نہ ہی اعمال۔ وہ تمہاری باتیں بھی سنتا ہے اور تمہارے اعمال بھی دیکھتا ہے۔
- تمہارا ناجائز اور خلافِ عدل دفاع کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اگر دنیا میں کوئی کسی کا ایسا ناجائز دفاع کر بھی لے تو آخرت میں کون اُس کا مدافع اور وکیل بنے گا۔

وَمَن يَعْمَلْ سُوٓءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُۥ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ ٱللَّهَ يَجِدِ ٱللَّهَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١١٠﴾ وَمَن يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُۥ عَلَىٰ نَفْسِهِۦ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١١﴾ وَمَن يَكْسِبْ خَطِيٓـَٔةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِۦ بَرِيٓـًٔا فَقَدِ ٱحْتَمَلَ بُهْتَـٰنًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴿١١٢﴾

(۱۱۰)۔ اور جس سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا یا اپنی جان پر ظلم کر بیٹھا اور پھر اللہ سے معافی مانگی، تو وہ اللہ کو مہربان بخشنے والا پائے گا۔ (۱۱۱) اور جو گناہ کا کوئی کام کرتا ہے وہ اپنے لئے (کمائی) کرتا ہے اور اللہ باحکمت جاننے والا ہے۔ (۱۱۲) اور جو کوئی غلطی یا گناہ کرے پھر کسی پاکدامن پر تہمت لگائے تو کھلے بہتان اور گناہ کا بوجھ اپنے کندھوں پر اُٹھاتا ہے۔

(۱۱۰۔ ۱۱۲)۔ اِن مبارک آیات کی اہم رہنمائیاں درج ذیل ہیں:

- اگر گناہ سرزد ہو جانے کے بعد توبہ کرو گے اور اللہ تعالیٰ سے بخشش کے خواستگار ہو گے تو اُسے مہربان بخشنے والا پاؤ گے۔
- گناہ کا وبال سب سے پہلے گناہ کرنے والے پر پڑتا ہے۔
- جو کوئی غلطی سے یا عمداً گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور پھر اُس کی تہمت کسی پاکدامن انسان پر ڈالتا ہے تو وہ ایک کھلے گناہ اور واضح بہتان کا بوجھ اپنے کندھوں پر اُٹھاتا ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ ٱللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُۥ لَهَمَّت طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ أَن يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّآ أَنفُسَهُمْ ۖ وَمَا يَضُرُّونَكَ مِن شَىْءٍ ۚ وَأَنزَلَ ٱللَّهُ عَلَيْكَ ٱلْكِتَـٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ ٱللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ﴿١١٣﴾

(۱۱۳) اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت نہ ہوتی تو اِن میں سے ایک گروہ کی کوشش تھی کہ تمہیں غلط راہ پر ڈال دے؛ اور وہ لوگ اپنے سوا کسی کو گمراہ نہیں کر رہے تھے اور وہ تمہیں کسی چیز کا نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اللہ نے تو تم پر یہ کتاب اور حکمت نازل فرمائی اور وہ کچھ تمہیں سکھایا جو تم نہیں جانتے تھے اور تم پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔

(۱۱۳)۔ اِن کا ایک گروہ چاہتا تھا کہ تمہیں غلط فہمی میں ڈال دے اور آپؐ سے ایک خائن کے مفاد میں فیصلہ کرائے۔ اِن کا استدلال اور اصرار بلا شبہ اِس قدر شدید تھا کہ قریب تھا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور رحمت کی بدولت تمہیں بچایا۔ اگرچہ وہ تمہارا کوئی نقصان نہیں کر سکتے تھے، اِس لئے کہ تمہارا جو بھی فیصلہ ہوتا؛ اُن دلائل کی بنیاد پر ہوتا جو تمہارے سامنے پیش کئے جاتے؛ آپؐ تو کتابُ اللہ اور اُس حکمت کے تحت فیصلہ کرتے جو اللہ نے آپؐ کو عطا کی ہے۔ یہ جو کچھ آج آپؐ جانتے ہیں یہ اللہ ہی کی دَین ہے، اِس سے قبل تو آپؐ کو یہ باتیں معلوم نہیں تھیں اور آپؐ پر اللہ تعالیٰ نے بڑا فضل فرمایا ہے۔

لَّا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١١٤﴾

(۱۱۴)۔ اِن کی کاناپھوسی میں اکثر کوئی بھلائی نہیں ہوتی مگر یہ کہ کوئی اِس میں کوئی صدقہ، بھلائی کی کوئی بات یا لوگوں کے درمیان صلح صفائی کی سفارش کرے اور جو کوئی اللہ کی رضا کے لئے یہ کام کرے گا عنقریب ہم اُسے بڑا اجر دے دیں گے۔

(۱۱۴)۔ کاناپھوسی اور خفیہ سرگوشیاں اکثر کسی بری نیت اور ایسی باتوں کے بارے میں کی جاتی ہیں جن کے ظاہر کرنے سے شرمندگی ہوتی ہے، اِس لئے کہا گیا ہے کہ اِن کی اکثر سرگوشیاں بھلائی سے عاری ہوتی ہیں۔ ہاں اگر یہ کسی کو چھپ کر کوئی صدقہ دینے کی نیت سے ہوں یا بھلائی کے کسی کام کے لئے اور یا دو فریقوں کے درمیان صلح صفائی کی نیت سے کی جائیں تو یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ اللہ کی رضا کے لئے اِس طرح کرنا موجبِ اجر و ثواب ہے۔

وَمَن يُشَاقِقِ ٱلرَّسُولَ مِنۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ ٱلۡهُدَىٰ وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيلِ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ نُوَلِّهِۦ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصۡلِهِۦ جَهَنَّمَۖ وَسَآءَتۡ مَصِيرًا ﴿١١٥﴾

(۱۱۵)۔ اور جو کوئی پیغمبر کے ساتھ، اِس کے بعد کہ اُس پر سیدھا راستہ کھل گیا ہو، مخالفت کی روش اختیار کرے اور مومنوں سے الگ کسی راستے پر چلے، ہم اُسے اُسی طرف چلا دیں گے جس طرف اُس نے رُخ کر لیا ہے اور اُسے دوزخ میں ڈال دیں گے اور وہ لوٹ کر آنے کا کتنا بُرا ٹھکانا ہے۔

---

(۱۱۵)۔ جس کو صراط مستقیم اور حق راستہ معلوم ہو جائے اور اِس کے باوجود پیغمبر علیہ السلام، اُس کے فیصلوں اور اُس کی سنت کی مخالفت کرے۔ مومنوں کا راستہ چھوڑ دے اور جاہلیت اور اُس کے ناجائز تعصبات اختیار کر لے تو اللہ تعالیٰ اُسے اُسی راستے پر چلنے کے لئے چھوڑ دیتا ہے جو اُس نے خود اپنے لئے منتخب کیا ہوتا ہے، دوزخ کی بدترین جائے قرار اُس کا ٹھکانہ ہو گا۔

إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَغۡفِرُ أَن يُشۡرَكَ بِهِۦ وَيَغۡفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَآءُۚ وَمَن يُشۡرِكۡ بِٱللَّهِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلَٰلَۢا بَعِيدًا ﴿١١٦﴾

(۱۱۶)۔ یقیناً اللہ یہ معاف نہیں کرے گا کہ اُس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اِس سے کم کوئی بھی چیز اُس کے لئے بخش دے گا جس کے لئے وہ چاہے گا اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو یقیناً وہ بڑی دور کی گمراہی میں پڑ گیا۔

---

(۱۱۶)۔ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرتا۔ شرک سے کم کسی بھی گناہ کو معاف کر دیتا ہے مگر اُس شخص کے لئے جسے وہ خود معافی کے قابل گردانے۔

إِن يَدۡعُونَ مِن دُونِهِۦٓ إِلَّآ إِنَٰثٗا وَإِن يَدۡعُونَ إِلَّا شَيۡطَٰنٗا مَّرِيدٗا ﴿١١٧﴾ لَّعَنَهُ ٱللَّهُۘ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنۡ عِبَادِكَ نَصِيبٗا مَّفۡرُوضٗا ﴿١١٨﴾ وَلَأُضِلَّنَّهُمۡ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمۡ وَلَأٓمُرَنَّهُمۡ

فَلَيُبَتِّكُنَّ ءَاذَانَ ٱلْأَنْعَٰمِ وَلَءَامُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ ٱللَّهِ ۚ وَمَن يَتَّخِذِ ٱلشَّيْطَٰنَ وَلِيًّا مِّن دُونِ ٱللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِينًا ﴿١١٩﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ ٱلشَّيْطَٰنُ إِلَّا غُرُورًا ﴿١٢٠﴾ أُو۟لَٰٓئِكَ مَأْوَىٰهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا ﴿١٢١﴾

(۱۱۷)۔ یہ توماسوا اللہ کے صرف عورتوں کی عبادت کرتے ہیں اور سرکش شیطان کے علاوہ کسی چیز کی عبادت نہیں کرتے۔ (۱۱۸)۔ وہی جسے اللہ نے دھتکارا ہے اور جس نے کہا ہے کہ: میں ضرور تمہارے بندوں میں سے ایک مخصوص حصہ اپنے پیچھے لگاؤں گا۔ (۱۱۹) اور ضرور اُن کو گمراہ کروں گا اور لازماً اُن کی آرزوئیں بیدار کروں گا اور اُنہیں حکم دوں گا تو وہ جانوروں کے کان کاٹیں گے اور ضرور اُن کو بہکاؤں گا تو وہ خدائی ساخت بدل دیا کریں گے اور جو کوئی اللہ کو چھوڑ کر شیطان کے ساتھ دوستی کرے گا تو اُس نے کھلم کھلا گھاٹے کا سودا کیا۔ (۱۲۰) وہ اِن کے ساتھ وعدے کرتا ہے اور اِن کی تمنائیں بیدار کرتا ہے اور شیطان تو کوئی وعدہ اِن کے ساتھ نہیں کرتا، سوائے فریب کے۔ (۱۲۱) یہ وہی ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور اُس سے بچ نکلنے کی راہ نہیں پائیں گے۔

(۱۱۷۔۱۲۱)۔ اِن مبارک آیات میں کئے گئے بڑے بڑے ارشادات درج ذیل ہیں:

- جو کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے سامنے دعا کے لئے ہاتھ اُٹھاتا ہے، اُسے اپنی حاجات پیش کرتا ہے اور اُس کی عبادت کرتا ہے تو وہ نہایت کمزور معبودوں پر مدد کے لئے انحصار کرتا ہے؛ اکثر مشرکین نے عبادت کے لئے عورتوں کے شکل وصورت کے معبود تراش رکھے ہیں۔ یہ صرف عورتوں کی عبادت کرتے ہیں یعنی یہ اِن کی جنسی بے راہ روی ہے جو اِن کو اِس حال پر پہنچادیتی ہے کہ اِن کے دل و دماغ پر بے مہار جنسی خیالات کا تسلط ہو جاتا ہے، اِن کی ساری زندگی جنسیت زدہ ہو کر رہ جاتی ہے، ہر چیز کو اِسی زاویہ نگاہ سے دیکھنے لگ جاتے ہیں اور جنسی ہوس کے بندے بن کر رہ جاتے ہیں۔ اب اِن کی دوستی بھی اِسی کے لئے ہوتی ہے اور دشمنی بھی، اِس کے علاوہ دوسری محبتیں اِن کی زندگی سے فنا ہو جاتی ہیں اور اِس آگ کو شراب نوشی سے بڑھکانے لگ جاتے ہیں جس پر عورتوں اور مردوں کا آزادانہ اختلاط اور برہنگی مزید تیل ڈال دیتی ہے۔ مست موسیقی، رقص و سرود کی محفلیں اور عشق و شہوت کے گیت اِس آگ کو اپنے دامن سے ہوا دینے لگ جاتے ہیں۔ ایسے میں ظاہر ہے کہ اِن کے بت اور اِن کے مجسمے بھی عورتوں کی شکل و صورت میں ڈھل جاتے ہیں۔ اگر آج کے مغربی معاشرے کو آپ

دقّتِ نظر سے دیکھیں تو قرآن کی اِس آیت کے مصداق آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ جدھر نظر اُٹھائیں گے آپ کو عورتوں کے مجسمے نظر آئیں گے، معبدوں میں بھی اور مارکیٹوں میں بھی۔ پادری کے وعظ میں بھی اور ٹیلی ویژن کے اشتہارات میں بھی۔ وہاں تجارت کے لئے بھی عورت اور اُس کے حسن و دلکشی کا سہارا لیا جاتا ہے اور اعلیٰ مراتب کے حصول کے لئے بھی عورت ہی سیڑھی بنی ہوئی ہے۔ وہاں ماں باپ کی محبت قصہٗ پارینہ بن چکی ہے، اِن کی محبت کی بساط لپیٹی جا چکی ہے اور اُس کی جگہ جنسی ہوس اور تعلق نے لے لی ہے۔ نکاح کے بندھنوں اور گھر ہستی کے بکھیڑوں سے آزادی حاصل کی جا چکی ہے اِس لئے کہ نکاح آزاد جنسی تعلق کی راہ کا کانٹا ہے۔ اولاد کے ساتھ عورت اور مرد کا شوق اور محبت نہیں رہی اِس لئے کہ اولاد کی پرورش زحمت کی متقاضی اور جنسی تلذذ اور تسکین کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔ مرد اور عورتیں اولاد کے بجائے کتے اور بلیاں پالتے ہیں۔ وہاں تو معبدوں میں پادری بھی یہی زبان بولتے دکھائی دیتے ہیں، مریم علیہا السلام پر زنا کی نہ صرف تہمت لگاتے ہیں بلکہ اِس بات پر خصوصی تاکید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُس نے بعد میں توبہ کر لی تھی اور یہ بلند مقام حاصل کر لیا تھا۔ کیوں نہیں! اِس لئے کہ ایک زناکار قوم اپنے معبود کو بھی زنا کا سمبل نہ بنائے تو اور کیا کرے۔ وہاں آپ کو اِن کے فرائڈ کی مانند فلسفی بھی یہ کہتے ہوئے ملیں گے کہ: انسان کے تمام افعال، رشتوں ناتوں اور اُٹھک بیٹھک کا منشاء جنسی تلذذ ہے۔ باپ کی محبت بیٹی کے ساتھ، ماں کی محبت بیٹے کے ساتھ اِسی رغبت سے جنم لیتی ہے؛ کہتا ہے کہ جاگتے انسان کے تمام افعال اور سونے والے کے تمام خواب جنسی آسودگی کی تلاش کے تانے بانے ہیں۔

یہ دراصل شیطان کی عبادت کرتے ہیں۔ شیطان نے اِنہیں بہکایا ہے، کسی کو اِس بات پر اُکسایا ہے کہ مریم علیہا السلام کا مجسمہ بنائے اور کسی کو مناۃ، نائلہ اور عزیٰ کی مانند زنانہ بتوں کو معبود بنا کر اُن کے سامنے دوزانو ہو جانے پر۔

یہ اُس دھتکارے گئے شیطان کی تحریک پر شرک کے مرتکب ہوئے ہیں جس نے درج ذیل باتوں کی قسم کھائی ہے:

- وہ اللہ کے بندوں کا ایک حصہ ضرور اپنے دام میں لائے گا۔
- اُنہیں راہِ راست سے بھٹکائے گا۔
- کج روی کو اُن کے لئے دلکش بنائے گا، اِس طرح کہ اُن کو رنگا رنگ سبز باغ دکھائے گا اور وہ بہت ساری آرزویں اور خواہشات پالیں گے۔
- لوگوں کو اِس پر آمادہ کرے گا کہ اپنے بتوں کے نام مویشی مخصوص کر لیں اور اُن کو نشان زد کرنے کے لئے اُن کے کان کاٹ ڈالیں۔

○ اور اِس پر آمادہ کرے گا کہ الٰہی سنن بدل ڈالیں، فطرت کے خلاف اقدامات کریں اور اللہ کی مخلوق کی ساخت میں تغیر لے آئیں۔

اِن چند مختصر جملوں میں شیطان کی اُن تمام خباثتوں کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے جو وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر انجام دیتا ہے۔ شیطان کا ساتھ دینا اور وہ تمام کام کرنا جو شیطان کے حزب کے افراد کے کرنے کے ہیں یعنی راہِ راست سے انحراف، ناجائز ذرائع اور وسائل کی مدد سے اپنے اہداف کے حصول کی کوشش، شرک، جھوٹے معبودوں کے لئے قربانی، فطرت کے ساتھ جنگ اور اُن الٰہی سنن میں تغیر جن کی رعایت تمام مخلوقات کی پیدائش اور بناوٹ میں رکھی گئی ہے۔ آج آپ دیکھتے ہیں کہ یہ جو لوگ سالم اور پاکیزہ جنسی تعلقات چھوڑ کر گندے اور غیر فطری طریقے اختیار کرتے ہیں۔ ہم جنس پرستی کا یہ طوفان، اپنی فطرت کے خلاف مسکّن ادویات کا استعمال جو ہوش وحواس سے بیگانہ کر دیتی ہیں، یہ جو مرد عورتوں کی طرح سنورنا پسند کرتے ہیں اور عورت مرد کی مانند حلیہ اپنانے پر تلی بیٹھی ہے، لباس میں بھی اور حرکات وسکنات میں بھی۔ مرد داڑھیاں منڈوانے لگے ہیں، ہر روز اپنے چہرے کے اربوں خلیے کاٹتے ہیں، کچھ ہی عرصے میں چہرے پر جُھریاں پڑ جاتی ہیں اور ٹھوڑی کے نیچے جلد لٹک آتی ہے۔ یہ فطرت کے خلاف وہ جنگ ہے جس پر شیطان اپنے ساتھیوں کو اُکسا رہا ہے۔ یہ جو آپ دیکھتے ہیں کہ لوگ جھوٹے معبودوں کے لئے انسانوں، حیوانوں بلکہ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ کوئی جانوروں کے کان کاٹتا ہے، کوئی اپنے آپ کو مار رہا ہے، کوئی اپنے آپ پر قسم قسم کی ریاضتیں فرض کئے ہوئے ہے، کسی نے رہبانیت کی راہ اختیار کی ہے اور کوئی نکاح سے کنارہ کش ہوا ہے۔ اِن میں سے ہر ایک شیطان کی وہ قسمیں پوری کر رہا ہے جو اُس نے دھتکارے جانے کے بعد انسان کو گمراہ کرنے کے عزم کے اظہار کے وقت کھائی تھیں۔

وَٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ سَنُدۡخِلُهُمۡ جَنَّٰتٖ تَجۡرِي مِن تَحۡتِهَا ٱلۡأَنۡهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدٗاۖ وَعۡدَ ٱللَّهِ حَقّٗاۚ وَمَنۡ أَصۡدَقُ مِنَ ٱللَّهِ قِيلٗا ﴿١٢٢﴾

(۱۲۲)۔ اور وہ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ہم ضرور اُن کو ایسی جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے، یہ ہے اللہ کا سچا وعدہ اور اللہ سے زیادہ سچی بات اور کس کی ہو گی۔

---

(۱۲۲)۔ مشرکین اور شیطان کے ساتھیوں کے مقابل دوسرا گروہ اُن لوگوں کا ہے جو ایمان رکھتے ہیں اور اُن کے اعمال نیک ہیں۔ اِن کا اجر جنت اور اُس کی ابدی زندگی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے۔

لَّيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَآ أَمَانِيِّ أَهْلِ ٱلْكِتَـٰبِ ۗ مَن يَعْمَلْ سُوٓءًا يُجْزَ بِهِۦ وَلَا يَجِدْ لَهُۥ مِن دُونِ ٱللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٢٣﴾

(۱۲۳)۔ یہ نہ تمہاری آرزوؤں پر منحصر ہے اور نہ اہلِ کتاب کی آرزوؤں پر، جو بھی بُرے اعمال کرے گا اُسے اُس کا بدلہ دیا جائے گا اور وہ اپنے لئے سوائے اللہ کے نہ کوئی دوست پائے گا اور نہ مددگار۔

---

(۱۲۳)۔ یہاں فیصلہ آرزوؤں اور تمناؤں کی بنیاد پر نہیں ہوتا۔ بہت سے لوگ جھوٹی امیدیں باندھے ہوئے ہوتے ہیں، اپنے آپ کو سب سے بہتر سمجھتے ہیں اور جنت کو اپنا بنیادی حق سمجھتے ہیں۔ وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ صرف وہ اور اُنہی کے مسلک کے پیروکار ہی جنت میں جائیں گے مگر ہو سکتا ہے کہ یہ صرف شیطان کے وسوسوں پر قائم جھوٹی تمنائیں ہوں۔ شیطان نے اِس بات کی قسم کھائی ہوئی ہے کہ وہ ایسی ہی خواہشات اور امیدیں لوگوں کے دلوں میں جگائے گا۔ درست بات یہ ہے کہ گناہگار ضرور اپنے کیے کا بدلہ دیکھیں گے، کوئی اُنہیں سزا سے نہیں بچا سکتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ جس کسی سے ایسی امیدیں اور توقعات باندھے ہوئے ہیں، اشتباہ میں پڑ گئے ہیں، یہ صرف فضول اور بے فائدہ تمنائیں ہیں۔

وَمَن يَعْمَلْ مِنَ ٱلصَّـٰلِحَـٰتِ مِن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ يَدْخُلُونَ ٱلْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ﴿١٢٤﴾

(۱۲۴)۔ اور جو کوئی نیک اعمال کرے چاہے مرد ہو یا عورت اور ہو مومن تو وہ جنت میں داخل ہوں گے اور نقیر (کھجور کی گٹھلی پر ایک چھوٹا سا نقطہ) کے برابر بھی اُن پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

---

(۱۲۴)۔ یہاں فیصلے ایمان اور صالح اعمال کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ صالح اور ایمان والے لوگ جنت میں داخل ہوں گے، چاہے مرد ہو یا عورت، الٰہی عدالت میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ یہ جو تم نے جنت اور دوزخ میں جانے کے حوالے سے معیارات مقرر کر

رکھے ہیں اور اُن کی رو سے اپنے آپ کو جنت کا مستحق قرار دے رہے ہو اور دوسروں کو غیر مستحق؛ یہ ظالمانہ اور خلاف عدل معیارات ہیں۔

وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُۥ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَٱتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَٰهِيمَ حَنِيفًا ۗ وَٱتَّخَذَ ٱللَّهُ إِبْرَٰهِيمَ خَلِيلًا ﴿١٢٥﴾ وَلِلَّهِ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِى ٱلْأَرْضِ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ بِكُلِّ شَىْءٍ مُّحِيطًا ﴿١٢٦﴾

(۱۲۵)۔ اور دین کے لحاظ سے اُس شخص سے بہتر کون ہو سکتا ہے جو اللہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے (اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دے)۔ نیک بنے اور حنیف ابراہیم کے دین کی متابعت کرے اور اللہ نے تو ابراہیم کو اپنا خاص دوست بنایا تھا۔
(۱۲۶) اور جو کچھ اسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے سب اللہ کا ہے اور اللہ تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

(۱۲۵۔۱۲۶)۔ بہتر اور واقعی دیندار وہی ہے جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دے۔ اُس کے اعمال نیک ہوں اور وہ ابراہیم علیہ السلام کے دین کی پیروی کرے۔ وہ ابراہیمؑ جو حق پرست تھا، باطل سے بیزار، یکسو، مائلِ حق اور اللہ کا دوست تھا۔ وہ اللہ جو زمین و آسمان کی ہر چیز کا مالک ہے اور جو ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِى ٱلنِّسَآءِ ۖ قُلِ ٱللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِى ٱلْكِتَٰبِ فِى يَتَٰمَى ٱلنِّسَآءِ ٱلَّٰتِى لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَن تَنكِحُوهُنَّ وَٱلْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ ٱلْوِلْدَٰنِ وَأَن تَقُومُوا۟ لِلْيَتَٰمَىٰ بِٱلْقِسْطِ ۚ وَمَا تَفْعَلُوا۟ مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِهِۦ عَلِيمًا ﴿١٢٧﴾

(۱۲۷)۔ اور عورتوں کے بارے میں تم سے فتویٰ مانگتے ہیں۔ کہو: اللہ اِن کے بارے میں بھی تمہیں جواب دیتا ہے اور اُس چیز کے بارے میں بھی جو اُن یتیم بچیوں کے بارے میں کتاب میں تمہیں پڑھایا جاتا ہے جن کو تم اُن کے مقرر کردہ مہر کی ادائیگی

کے بغیر نکاح میں لینا چاہتے ہو اور بے سہارا لڑکوں کے بارے میں بھی۔ اور وہ یہ کہ یتیموں کے بارے میں عدل پر قائم رہو اور بھلائی کا جو بھی کام تم کروگے تو اللہ اُسے خوب جانتا ہے۔

(۱۲۷)۔ عورتوں اور یتیموں کے حقوق کے بارے میں مسلسل تاکید صحابہ کرام کو اِس تشویش میں مبتلا کئے دے رہی تھی کہ مبادا اِن کے حوالے سے اپنی دینی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کسی کوتاہی کا شکار نہ ہو جائیں اور اللہ نہ کرے کہ کوئی زیادتی کر بیٹھیں۔ اِس لئے وہ پیغمبر علیہ السلام سے پوچھتے تھے کہ اِس بارے میں کن کن چیزوں سے رک جائیں اور وہ کیا کیا امور ہیں جو انجام دیں تاکہ اللہ اُن سے راضی ہو جائے؟ اِس مبارک آیت میں اِن کے سوالوں کے دو مختصر مگر جامع جواب دیئے گئے ہیں:

- یہ کہ عدل کرو۔
- بھلائی کے کسی کام سے گریز نہ کرو اِس لئے کہ بھلائی کا جو بھی کام تم کروگے؛ اللہ اُسے جانتا ہے۔

وَإِنِ ٱمۡرَأَةٌ خَافَتۡ مِنۢ بَعۡلِهَا نُشُوزًا أَوۡ إِعۡرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَآ أَن يُصۡلِحَا بَيۡنَهُمَا صُلۡحًاۚ وَٱلصُّلۡحُ خَيۡرٌۗ وَأُحۡضِرَتِ ٱلۡأَنفُسُ ٱلشُّحَّۚ وَإِن تُحۡسِنُواْ وَتَتَّقُواْ فَإِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١٢٨﴾

(۱۲۸) اور اگر کسی بیوی کو اپنے شوہر سے کسی بدخوئی یا بے اعتنائی کا اندیشہ ہو، تو اِس میں کوئی حرج نہیں کہ آپس میں کوئی (سمجھوتہ) صلح کرلیں اور یہ صلح (کرنا) بہتر ہے، اور نفس تو بخل اور حرص پر تیار بیٹھا ہے اور اگر احسان و تقویٰ سے کام لو تو اللہ اُس چیز کو خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

(۱۲۸)۔ اگر بیوی کو یہ احساس ہو جائے کہ اُس کا شوہر اُس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کر رہا اور اُس کو مناسب توجہ نہیں دے رہا تو اُسے اختیار ہے کہ اپنے حقوق کا تقاضا کرے، اور ایسا کوئی مطالبہ کر ڈالے جو صلح صفائی اور کسی سمجھوتے پر منتج ہو۔ خود اپنے شوہر سے بات کرے یا اپنے رشتہ داروں کے توسط سے ایسا کرے، اِس کام کو گناہ نہ سمجھے۔ انسان بخیل اور حریص ہے، کبھی بخل اُسے غلط کام پر آمادہ کرلیتا ہے تو کبھی حرص۔ اگر دوسرے اُسے اِس عیب کی طرف متوجہ نہ کریں تو خود سے اِس پر خبردار نہیں ہو سکتا۔ اُس کے نفس میں موجود بخل اور حرص کی اِن خصلتوں نے اُس کا وہ برا عمل اُس کی نگاہ میں خوبصورت بنا کر پیش کیا ہوا

ہوتا ہے۔ جبکہ چاہیے تو یہ ہے کہ میاں بیوی کے مابین بخل اور حرص کے بجائے احسان، اپنے حقوق سے در گزر، اور ہر قسم کی زیادتی اور تجاوز سے گریز کی فضا قائم ہو اور اِس بات پر توجہ مرکوز ہو کہ اللہ ہمارے اعمال کا ناظر ہے اور ہمارے ہر عمل سے باخبر ہے۔ گناہ اور تجاوز کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ انسان کے اندر یہ احساس مضمحل ہو جاتا ہے۔ اِس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خبر دار اللہ اُس چیز کو خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

وَلَن تَسۡتَطِيعُوٓاْ أَن تَعۡدِلُواْ بَيۡنَ ٱلنِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡۖ فَلَا تَمِيلُواْ كُلَّ ٱلۡمَيۡلِ فَتَذَرُوهَا كَٱلۡمُعَلَّقَةِۚ وَإِن تُصۡلِحُواْ وَتَتَّقُواْ فَإِنَّ ٱللَّهَ كَانَ غَفُورٗا رَّحِيمٗا ﴿١٢٩﴾

(۱۲۹)۔ اور تم کبھی بھی اِس پر قادر نہیں ہو سکو گے کہ بیویوں کے مابین (مطلق،absolute) عدل کر سکو چاہے کتنا بھی حرص (کوشش) کر لو، پس اپنے تمام میلان کے ساتھ کسی ایک کی طرف اتنا نہ جھکو کہ دوسری کو لٹکتا چھوڑ دو، پس اگر اصلاح اور تقویٰ کی روش اپناؤ گے تو اللہ مہربان بخشنے والا ہے۔

---

(۱۲۹)۔ انسان کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ کامل عدل قائم کر سکے، یہاں تک کہ دونوں کے لئے اُس کے دل میں موجود محبت بھی یکساں ہو۔ اِس طرح کرنا نہ تو بیویوں کے مابین ممکن ہے اور نہ اولاد کے مابین؛ یہ انسان کے بس سے باہر ہے اِس لئے اِس پر اللہ کسی کا مواخذہ نہیں کرتا۔ اِس کے ساتھ حساب اُس چیز کا کیا جائے گا جو اِس کے بس میں ہوتا ہے۔ جس چیز کی اُسے رعایت کرنی چاہیئے وہ یہ ہے کہ سب کے ساتھ اُس کا معاملہ یکساں اور عدل پر مبنی ہو۔ کسی ایک کی بھی حق تلفی کا مرتکب نہ ہوتا ہو، ایک کے لئے دوسری کے حقوق پامال نہ کرے۔ ایسا نہ ہونے پائے کہ کسی ایک کی طرف اتنا جھک جائے کہ دوسری کو مکمل طور پر نظر انداز کر بیٹھے، نہ اُسے بیوی کی نظر سے دیکھے اور نہ طلاق دے۔

ایسے حالات میں بھی وصیت صلح اور تقوی ہی کی کی گئی ہے۔ کہا گیا ہے کہ بات چیت اور صلح صفائی کر کے مشکل کا حل نکال لو اور ایک دوسرے کے حقوق پر تجاوز سے اپنا بچاؤ کرو۔

وَإِن يَتَفَرَّقَا يُغۡنِ ٱللَّهُ كُلّٗا مِّن سَعَتِهِۦۚ وَكَانَ ٱللَّهُ وَٰسِعًا حَكِيمٗا ﴿١٣٠﴾

(۱۳۰) اور اگر یہ آپس میں علیٰحدہ ہو گئے تو اللہ اپنے کشادہ رزق سے ہر ایک کو مستغنی کر دے گا اور اللہ باحکمت صاحبِ وسعت ہے۔

(۱۳۰)۔ اگر معاملہ میاں بیوی کے علیٰحدگی تک پہنچ جائے تو چاہیے کہ باوقار طریقے سے علیٰحدہ ہوں۔ رزق اور روزی کے خوف سے اِس پُر صعوبت گرہستگی کو دوام نہ دیں، اللہ اِن کی روزی کا دوسرا مناسب انتظام کر دے گا۔ یہاں اللہ کی وہ دو صفات بیان کی گئی ہیں جو دو متعلقہ مطالب کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں وہ یہ کہ: اللہ حکیم ہے، اُس کے تمام احکامات میں حکمت مضمر ہے۔ اللہ وسعت کا مالک ہے؛ اگر رزق کے اِس ذمہ دار سے ناطہ ٹوٹ جائے گا تو اللہ اپنے لامحدود خزانوں سے دوسرا انتظام کر دے گا۔

وَلِلَّهِ مَا فِي ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَمَا فِي ٱلْأَرْضِ ۗ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَـٰبَ مِن قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۚ وَإِن تَكْفُرُوا۟ فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَمَا فِي ٱلْأَرْضِ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ غَنِيًّا حَمِيدًا ﴿١٣١﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَمَا فِي ٱلْأَرْضِ ۚ وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ وَكِيلاً ﴿١٣٢﴾ إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ أَيُّهَا ٱلنَّاسُ وَيَأْتِ بِـَٔاخَرِينَ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ قَدِيراً ﴿١٣٣﴾

(۱۳۱)۔ اور آسمانوں میں موجود ہر چیز اور زمین کی ہر چیز اللہ کی ہے اور یقیناً ہم نے اُن کو بھی اِسی کا حکم دیا تھا جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی اور تمہیں بھی؛ کہ اللہ کا خوف کرو اور اگر کفر کرتے ہو تو (جان لو) آسمانوں میں جو کچھ ہے اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کا ہے اور اللہ محمود غنی ہے۔ (۱۳۲) آسمانوں میں موجود ہر چیز اور زمین میں ہر چیز اللہ کی ہے اور اللہ بطور وکیل کافی ہے۔ (۱۳۳) اگر چاہے تو اے لوگو! تمہیں فنا کر کے دوسروں کو لے آئے گا اور اللہ اِس پر خوب قادر ہے۔

(۱۳۱۔۱۳۳)۔ اللہ کی بھیجی گئی تمام کتابوں میں درج ذیل اساسی باتیں بتاکید بتائی گئی ہیں:

- اللہ کا خوف رکھو۔
- زمین اور آسمانوں کی تمام چیزیں اللہ کی ہیں۔
- تمہارا انکار اور کفر اُس کی سلطانی میں کوئی کمی نہیں لا سکتا۔ اِس طرح کر کے تم اُس کا نہیں بلکہ اپنا نقصان کرتے ہو۔
- وہ محمود ہے، اپنی ذات، صفات اور اعمال میں بھی اور اپنے احکام اور اوامر میں بھی۔ اُس کا ہر حکم حکیمانہ ہے اور ہر عیب اور نقص سے منزہ ہے۔

- اللہ غنی اور بے نیاز ہے، کسی چیز میں کسی کا محتاج اور ضرورت مند نہیں ہے۔
- تمہیں بھی مکرر یاد دہانی کراتا ہے کہ زمین اور آسمانوں کی ہر چیز اُس کی ہے اور وہ بطور وکیل کافی ہے۔

مَّن كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ ٱلدُّنْيَا فَعِندَ ٱللَّهِ ثَوَابُ ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةِ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ سَمِيعًۢا بَصِيرًا ﴿١٣٤﴾

(۱۳۴)۔ اور جس کسی کو دنیوی بدلے کی طلب ہے تو دنیا اور آخرت کے تو سارے بدلے اللہ کے پاس ہیں اور اللہ علیم سننے والا ہے۔

---

(۱۳۴)۔ بعض لوگ صرف دنیا کی فکر میں مبتلا ہوتے ہیں اور اپنے ہر عمل کا ثمر اور نتیجہ دنیا ہی میں تلاش کرتے ہیں۔ اُن کے اہداف اور مقاصد دنیوی اغراض میں مجتمع ہوئے ہوتے ہیں اور اُن ہی تک پہنچنے کی تگ و دو میں ہر پُر پیچ اور ناجائز راستہ اختیار کرتے ہیں۔ لیکن اگر یہ اللہ پر ایمان لاتے اور وہی راستہ منتخب کرتے جس کی طرف اللہ نے رہنمائی کی ہے تو نہ صرف یہ کہ اپنے اعمال کا دنیوی ثمر اور نتیجہ پورے کا پورا حاصل کر لیتے بلکہ آخرت کا بہتر بدلہ بھی اُنہیں نصیب ہو جاتا۔

۞ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُونُوا۟ قَوَّٰمِينَ بِٱلْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰٓ أَنفُسِكُمْ أَوِ ٱلْوَٰلِدَيْنِ وَٱلْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَٱللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا۟ ٱلْهَوَىٰٓ أَن تَعْدِلُوا۟ ۚ وَإِن تَلْوُۥٓا۟ أَوْ تُعْرِضُوا۟ فَإِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١٣٥﴾

(۱۳۵)۔ اور اے مومنو! عدل پر قائم رہو، اللہ کے لئے گواہی دینے والے بنو، چاہے تمہارے ہی خلاف ہو یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کے؛ چاہے (کوئی) غنی ہو یا فقیر، اللہ اُس سے مقدم ہے۔ تو عدل سے روگردانی کے لئے ہویٰ اور ہوس کی متابعت نہ کرو، چاہے تم لہجے (یا الفاظ) کو توڑ مروڑ لو یا اعراض برت لو پس یقیناً اللہ اُسے خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

---

(۱۳۵)۔ یہاں عدل اور اُصولِ شہادت کی بابت ایسی اساسی رہنمائی کی گئی ہے کہ اگر کہیں کہ یہی عدل کے قیام کے لئے کافی ہے تو مبالغہ نہیں ہو گا:

- یہ کہ عدل پر قائم رہیں، مضبوطی سے قدم جما کر۔

- معاشرے میں تمہاری پہچان اُن شہادت دینے والوں کی ہونی چاہیے جو ہمیشہ اللہ کی خاطر حق کے دفاع میں شہادت دینے والے ہوتے ہیں۔
- چاہے یہ شہادت تمہاری اپنی ذات کے خلاف ہو یا تمہارے ماں باپ یا رشتہ داروں کو نقصان پہنچانے والی ہو۔
- کسی کا فقر و غنا تمہاری شہادت کو متأثر نہ کرنے پائے۔ یعنی نہ کسی سے کوئی توقع ہونے کی بناء پر حق کی گواہی دینے سے گریز کرنا اور نہ کسی پر رحم اور ترس کھا کر۔
- ہویٰ اور ہوس کی بندگی نہ کرو اور حق سے منحرف نہ ہو جانا۔
- حق بات کہنے میں تردد چھوڑ دو۔ اپنی زبانیں ایسے نہ چلاؤ کہ واضح کھلے اور دوٹوک الفاظ میں حق بات بیان کرنے سے کترا جاؤ۔
- گواہی دینے سے گریز نہ کرو۔ نہ تو کسی کا خوف تمہیں گواہی دینے سے روک پائے اور نہ طمع۔
- اللہ ہر کسی سے مقدم (اولیٰ) ہے۔ گواہی دیتے وقت اللہ کی خوشنودی کو ترجیح دو، کسی کی خاطر ایسی بات نہ کہنا جس سے اللہ ناراض ہو جائے۔ اگر تم نے کسی فقیر یا غنی یا ماں باپ اور رشتہ داروں کے خاطر سچی گواہی دینے سے گریز کیا تو اِس کا معنٰی یہ ہے کہ تم نے دوسروں کو اللہ پر ترجیح دی اور اُن کو مقدم رکھا۔ اگرچہ آیت کے اِس ٹکڑے کا ترجمہ اِس طرح بھی کیا گیا ہے کہ اللہ اِن پر اولیٰ ہے یعنی یہ کہ اللہ اِن پر ہر کسی سے زیادہ مہربان ہے، شہادت کے لئے اُس نے جو رہنمائی کی ہے اُس میں اِن کی بھی بھلائی اور خیر مضمر ہے۔ مگر پہلے والے ترجمہ (اللہ اِن پر مقدم ہے) میں اولیٰ اُن معنوں میں لیا گیا ہے جن میں یہ درج ذیل آیات میں آیا ہے۔

ٱلنَّبِيُّ أَوۡلَىٰ بِٱلۡمُؤۡمِنِينَ مِنۡ أَنفُسِهِمۡۖ وَأَزۡوَٰجُهُۥٓ أُمَّهَٰتُهُمۡۗ ----- الاحزاب ۶

وَأُوْلُواْ ٱلۡأَرۡحَامِ بَعۡضُهُمۡ أَوۡلَىٰ بِبَعۡضٖ فِي كِتَٰبِ ٱللَّهِ ----- الاحزاب ۶

اِس بات کو ذہن میں رکھیں کہ (شہادت) صرف قاضی کے سامنے عدالت میں کسی کے بارے میں گواہی کا نام نہیں ہے، یہ تو اُس کا صرف ایک ہی مخصوص پہلو ہے۔ شہادت کا میدان بہت وسیع اور کھلا ہوا ہے، یہ انسان کی تمام زندگی پر محیط ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ ءَامِنُواْ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَٱلۡكِتَٰبِ ٱلَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِۦ وَٱلۡكِتَٰبِ ٱلَّذِيٓ أَنزَلَ مِن قَبۡلُۚ وَمَن يَكۡفُرۡ بِٱللَّهِ وَمَلَٰٓئِكَتِهِۦ وَكُتُبِهِۦ وَرُسُلِهِۦ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلَٰلَۢا بَعِيدًا ﴿١٣٦﴾

(۱۳۶)۔ اے ایمان والو! اللہ پر اور اُس کے پیغمبر پر اور اُس کتاب پر جو اُس نے اپنے پیغمبر پر نازل فرمائی ہے اور اُس کتاب پر جو اُس نے اِس سے پہلے نازل کی، ایمان لاؤ۔ اور جو کوئی اللہ کا، اُس کے فرشتوں کا، اُس کی کتابوں کا، اُس کے پیغمبروں کا اور آخرت کے دن کا کافر ہو جائے تو بے شک وہ دور (بڑی گہری) کی گمراہی میں پڑ گیا ہے۔

(۱۳۶)۔ یہاں ایمان والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو مومن سمجھتے ہیں، اِن سے کہا گیا ہے کہ حقیقی معنوں میں ایمان لے آئیں۔

إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ثُمَّ كَفَرُواْ ثُمَّ ءَامَنُواْ ثُمَّ كَفَرُواْ ثُمَّ ٱزۡدَادُواْ كُفۡرٗا لَّمۡ يَكُنِ ٱللَّهُ لِيَغۡفِرَ لَهُمۡ وَلَا لِيَهۡدِيَهُمۡ سَبِيلَۢا ﴿١٣٧﴾ بَشِّرِ ٱلۡمُنَٰفِقِينَ بِأَنَّ لَهُمۡ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٣٨﴾

(۱۳۷)۔ یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے، پھر کافر ہوئے، پھر ایمان لائے، پھر کفر کیا، پھر کفر میں آگے بڑھ گئے تو اُنہیں اللہ نہ تو معافی کرے گا اور نہ راہِ راست کی ہدایت بخشے گا۔ (۱۳۸) منافقین کو خوشخبری دے دو کہ اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔

(۱۳۷۔۱۳۸)۔ منافقین اللہ کی مغفرت اور بخشش سے محروم ہیں اور ہدایت کے دروازے اُن کے لئے بند کر دیئے گئے ہیں۔ وہ اپنی منافقتوں سے جو امیدیں اور خواہشات وابستہ کئے ہوئے ہیں اور اپنے گندے اغراض و مقاصد حاصل کرنے کے لئے نفاق کا جو راستہ پسند کئے ہوئے ہیں اور گمان رکھتے ہیں کہ اِس طرح وہ اپنے اہداف حاصل کر لیں گے اُنہیں اُن کے انتظار کے برعکس دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔

ٱلَّذِينَ يَتَّخِذُونَ ٱلۡكَٰفِرِينَ أَوۡلِيَآءَ مِن دُونِ ٱلۡمُؤۡمِنِينَۚ أَيَبۡتَغُونَ عِندَهُمُ ٱلۡعِزَّةَ فَإِنَّ ٱلۡعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعٗا ﴿١٣٩﴾

(۱۳۹)۔ جو لوگ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کے ساتھ دوستی کرتے ہیں، کیا اِن کی معیت میں عزت تلاش کرتے ہیں؟ پس بے شک عزت تو تمام کی تمام اللہ کے لئے ہے۔

---

(۱۳۹)۔ یہ کافروں کے ساتھ دوستی کرتے ہیں، اِس امید اور انتظار کے ساتھ کہ کافروں کے پاس اِنہیں عزت ملے گی۔ مگر یہ نہیں جانتے کہ منافقت اور دشمن کے سامنے جھکنے کے باعث تو رہی سہی عزت اور اعتبار بھی کھو دیں گے۔ یہ نہیں جانتے کہ عزت کا فیصلہ اللہ کرتا ہے، عزت ایمان کے سوا دوسرے راستے سے حاصل کی ہی نہیں جاسکتی اور حقیقی عزت کے مستحق تو صرف اللہ کے مومن اور صالح بندے ہی ہوتے ہیں۔ منافق تو ہر کسی کی نظر میں حقیر، ذلیل اور بے توقیر ہوتا ہے، ہر کوئی اُسے ایک ناقابلِ اعتبار اسلحہ سمجھتا ہے، کوئی بھی ایک قابلِ اعتماد دوست کی حیثیت سے اُسے نہیں دیکھتا۔

اِس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کا ساتھ دینا اور اُن کے ساتھ دوستی کرنا نفاق کی نشانی ہے۔ منافق عزت کمانے کی خاطر یہ کام کرتا ہے اور اُس وقت کرتا ہے جب اُسے دشمن طاقتور اور مسلمان کمزور نظر آتے ہیں۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي ٱلْكِتَـٰبِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ ءَايَـٰتِ ٱللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا۟ مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا۟ فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِۦٓ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ جَامِعُ ٱلْمُنَـٰفِقِينَ وَٱلْكَـٰفِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ﴿١٤٠﴾ ٱلَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِن كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ ٱللَّهِ قَالُوٓا۟ أَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ وَإِن كَانَ لِلْكَـٰفِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوٓا۟ أَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُم مِّنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۚ فَٱللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ ۗ وَلَن يَجْعَلَ ٱللَّهُ لِلْكَـٰفِرِينَ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ﴿١٤١﴾

(۱۴۰)۔ اور یقیناً کتاب میں تم پر یہ نازل کیا گیا ہے کہ جب سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا جارہا ہے اور اُن کا مذاق اُڑایا جارہا ہے تو تم اُن کے پاس نہ بیٹھ جایا کرو تا آنکہ وہ اِس کے علاوہ کسی اور موضوع میں مشغول ہو جائیں، نہیں تو تم بھی اُنہی کے مانند ہو جاگے، یقیناً اللہ تمام منافقین اور کافروں کو دوزخ میں جمع کرنے والا ہے۔ (۱۴۱) وہی منافقین جو تمہارے بارے میں منتظر ہیں کہ اگر اللہ کی طرف سے تمہیں کوئی کامیابی ملے تو کہیں کہ: کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ اور اگر کافروں کو کوئی کامیابی ملے تو اُنہیں کہیں

کہ: کیا تم ہمارے قابو میں نہیں تھے اور کیا ہم نے تمہیں مومنوں سے نہیں بچایا؟ تو اللہ قیامت کے دن تمہارے مابین فیصلہ کر دے گا اور اللہ کبھی بھی کافروں کے لئے مومنوں کے اوپر (بالادستی کی) راہ ہموار نہیں کرے گا۔

(۱۴۰۔۱۴۱)۔ اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ ایسی محفلوں میں نہ بیٹھو جہاں اللہ کے اوامر اور احکام کا انکار کیا جارہا ہو اور اللہ کے دین کا مذاق اُڑایا جارہا ہو۔ جہاں ایسا کچھ ہو رہا ہو جو دین سے انکار اور دین پر تمسخر و استہزاء کے مترادف ہو، تو ایسی مجالس میں جو کوئی بھی شریک ہوتا ہے؛ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُسے اُنہی کافروں کے ساتھ اکٹھا کرے گا۔

کافروں کے ساتھ اُن منافقین کو اکٹھا کیا جائے گا جو مسلمانوں کی بالادستی کے وقت اُن کے ساتھ آ ملتے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کا ساتھ دینے اور اُن ہی کے ساتھ خلوص کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ اِس طرح کچھ مفادات حاصل کریں لیکن اگر صورتِ حال بدل جائے اور اسلام کے دشمن بالادست ہو جائیں، حالات کا پلڑا دشمن کے حق میں جھک جائے تو دوڑ کر اُن کی صفوں میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور اُن کے ساتھ اپنے خلوص اور وفاداری کا اعلان کرنے لگ جاتے ہیں۔ اُنہیں کہتے ہیں: ہم اُن متعصب اور شدت پسند مسلمانوں میں سے نہیں ہیں۔ اُن کے اقتدار نے ہمیں اُن کے ساتھ رہنے پر مجبور کر دیا تھا جبکہ ہم تمام تر ہمدردیاں تمہارے ساتھ رکھتے تھے۔ دیکھ لیں ہمارے افکار و نظریات بالکل تمہارے جیسے ہیں، ترقی پسند اور روشن فکر ہیں، مذہبی اور قومی تعصب سے بالاتر ہیں اور ایسے تعصب سے نفرت کرتے ہیں۔ ہم تو آزادیٔ افکار کے علم بردار ہیں، ہمیں نہ تو مذہبی گروہوں میں سے گنیں اور نہ وطن پرست اور قوم پرست شمار کریں۔ ہم تمہارے ہی منتظر تھے، تمہاری بالادستی کے خواہاں تھے اور تمہارے ہاتھوں اِن شدت پسند عناصر کی شکست ہی کو نجات کا واحد حل قرار دیتے رہتے تھے۔ اگر ہم تمہارے ساتھی نہ ہوتے تو برپا معرکوں کے دوران اُن کے ساتھ مل کر تمہارے خلاف جنگ میں حصہ لیا ہوتا، تمہارا کیا خیال ہے ہم اِس پر قادر نہیں تھے؟ مگر اِس کے باوجود یہ کام کبھی نہیں کیا بلکہ ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ تمہارے خلاف اُن کے حملے ناکام بنادیں۔ ہم بھی یہ کر سکتے تھے کہ پہاڑوں پر چڑھ کر مجاہدین کے شانہ بہ شانہ تمہارے خلاف لڑیں، مگر ہم نے یہ غلطی کبھی نہیں کی بلکہ اِس کے برعکس ہمیشہ اُن کی راہ روکتے رہے۔ یہ باتیں صرف مدینے کے منافقین کی باتیں نہیں ہیں، روزِ قیامت تک اِن منافقین کی یہی گفتگو جاری رہے گی، مسلمانوں کی بالادستی کے موقع پر بھی اور اسلام دشمنوں کی بالادستی کے موقع پر بھی۔ یہی باتیں روسیوں کی یلغار کے وقت بھی سنتے رہے اور امریکیوں کی یلغار کے دوران بھی ہم نے بہت سنی ہیں۔ بے شک قرآن معجزہ ہے اور اِس کی باتیں تا قیامت زندہ و پائندہ رہیں گی۔

اِن منافقین کے نفاق کے اصل عوامل دو ہیں:

- یہ کہ آخرت پر یقین نہیں رکھتے۔ وہ اِس بارے میں دلوں میں شکوک رکھتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ مومنوں منافقوں اور کافروں کے مابین فیصلہ فرمائے گا اور ہر ایک کو اُس کے اعمال کے مناسب سزا دے گا۔
- گمان کئے ہوئے ہیں کہ دشمن کی یہ وقتی اور عارضی فتح دائمی ہے۔

اللہ تعالیٰ اِن کے جواب میں فرماتا ہے کہ: قیامت کے دن کا محاسبہ حتمی ہے۔ اللہ کی سنت یہ نہیں ہے کہ کافر ہمیشہ مسلمانوں پر غالب رہیں گے، آگے جا کر یہ راستہ بند ہو جاتا ہے اور اِس میں اللہ نے کافروں کے لئے کوئی روزن نہیں رکھا۔

إِنَّ ٱلْمُنَـٰفِقِينَ يُخَـٰدِعُونَ ٱللَّهَ وَهُوَ خَـٰدِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوٓا۟ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ قَامُوا۟ كُسَالَىٰ يُرَآءُونَ ٱلنَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ ٱللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٤٢﴾ مُّذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَٰلِكَ لَآ إِلَىٰ هَـٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلَىٰ هَـٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَن يُضْلِلِ ٱللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُۥ سَبِيلًا ﴿١٤٣﴾

(۱۴۲)۔ بے شک منافقین اللہ کے ساتھ دھوکہ کر رہے ہیں اور وہ بھی اِن کو غلط فہمی میں ڈالنے والا ہے اور یہ جب بھی نماز کے لئے اُٹھتے ہیں تو سستی کے ساتھ اُٹھتے ہیں محض لوگوں کو دکھانے کے لئے، اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر بہت کم۔ (۱۴۳) مذبذب ہیں، نہ اِس طرف آتے ہیں اور نہ اُس طرف جاتے ہیں۔ اور جنہیں اللہ گمراہ کر دے تم اُن کے لئے کوئی راہ نہ پا سکو گے۔

(۱۴۲۔۱۴۳)۔ یہاں منافقوں کی درج ذیل خصلتیں بتائی گئی ہیں:

- اللہ کے ساتھ چالبازی کرتے ہیں، اپنے نفاق اور نامناسب افعال کے لئے ایسی توجیہات ڈھونڈتے ہیں جن کی بدولت اُنہیں جائز ثابت کیا جا سکے۔
- نماز میں سستی دکھاتے ہیں اور اپنے دینی فرائض کی ادائیگی میں کسالت برتتے ہیں۔
- ریاکار ہوتے ہیں۔ ہر کام دوسروں کو دکھانے کے لئے کرتے ہیں، اِن کے افعال و اعمال کا عامل اِن کا عقیدہ اور ایمان نہیں ہوتا۔
- اللہ کے ساتھ اِن کے روابط مضبوط نہیں ہوتے۔ بہت کم اُسے یاد کرتے ہیں، زبان پر بھی اُس کی تسبیح کم ہی کرتے ہیں، اپنے تبصروں اور گفتگوؤں میں بھی اور عزائم اور ارادوں میں بھی کم ہی اللہ پر انحصار کرتے ہیں۔

توجہ رکھیں کہ اِس آیت اور اِس کی مانند دوسری آیات کی بنیاد پر صرف دوسروں کی قدر و قیمت کا تعین نہ کریں بلکہ اِن کی روشنی میں خود اپنے کردار کا جائزہ لیں۔ یہ اِسی لئے ہیں کہ ہم نفاق سے خبردار رہیں اور خود اپنے آپ کو اِس سے بچائیں۔

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَتَّخِذُواْ ٱلْكَـٰفِرِينَ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۚ أَتُرِيدُونَ أَن تَجْعَلُواْ لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَـٰنًا مُّبِينًا ﴿١٤٤﴾

(۱۴۴)۔ اے مومنو! مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بناؤ، کیا اپنے خلاف اللہ کی صریح حجت قائم کرنا چاہتے ہو؟

---

(۱۴۴)۔ یہاں بھی خطاب عام ہے مگر ضمنی طور پر نفاق کی ایک اور علامت بتائی گئی ہے۔ وہ ہے اسلام کے دشمن کافروں کے ساتھ دوستی کرنا، اسلام اور مسلمانوں کے دشمن کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا۔ جو کوئی یہ کام کرے اُس نے اللہ کو ایسی کھلی دلیل پیش کردی جو اِس کے خلاف اور اِس کے تعذیب کے الٰہی فیصلے کے لئے کافی ہے۔

إِنَّ ٱلْمُنَـٰفِقِينَ فِى ٱلدَّرْكِ ٱلْأَسْفَلِ مِنَ ٱلنَّارِ وَلَن تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ﴿١٤٥﴾ إِلَّا ٱلَّذِينَ تَابُواْ وَأَصْلَحُواْ وَٱعْتَصَمُواْ بِٱللَّهِ وَأَخْلَصُواْ دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُوْلَـٰٓئِكَ مَعَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۖ وَسَوْفَ يُؤْتِ ٱللَّهُ ٱلْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٤٦﴾

(۱۴۵)۔ یقیناً منافقین آگ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اور تم کبھی بھی اِن کے لئے کوئی مددگار نہیں پا سکو گے۔
(۱۴۶) مگر وہ جنہوں نے توبہ کرلی، صالح بنے، اللہ کے ساتھ اپنے رابطے مضبوط کئے اور اللہ کے لئے اپنا دین خالص کرلیا تو وہ مومنوں کے ساتھ ہیں اور اللہ عنقریب مومنوں کو ایک اجرِ عظیم عطا کردے گا۔

(۱۴۵۔۱۴۶)۔ منافقین کا مقام جہنم کی تہہ ہے، اُس کی سب سے گہری کھائی، ہر کسی سے نچلا درجہ، بدترین کافر اور مشرک سے بھی نیچے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ منافق اللہ کے نزدیک کتنا قابلِ نفرت، اسلام کے لئے کتنا خطرناک اور مسلمانوں کا کتنا بڑا دشمن ہوتا ہے۔

اِس بدترین انجام سے اِن کے بچنے کا صرف ایک طریقہ ہے اور وہ یہ کہ منافقت سے باز آجائیں۔ توبہ کریں، اپنی اصلاح کر لیں، اللہ کی طرف متوجہ ہوں، اُس کے ساتھ اپنے روابط مضبوط کریں اور اپنا دین گندی اور ناجائز سوچوں اور اعتقادات سے خالص کر لیں۔ اِس طرح وہ مومنین کے گروہ میں شامل ہو جائیں گے اور اللہ کے عظیم اجر کے مستحق قرار پا جائیں گے۔

اِس آیت میں حقیقی مومن اور منافق کی تین بنیادی نشانیوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

- مومن صالح اور نیک ہوتا ہے جبکہ منافق طالح اور گناہگار۔
- مومن کا ربط اور تعلق اللہ کے ساتھ مضبوط اور اٹوٹ ہوتا ہے جبکہ منافق کا اللہ سے تعلق کمزور یا بالکل نہیں ہوتا۔
- مومن مخلص ہوتا ہے، ہر کام میں صرف اللہ کے دین کا تابع اور پیروی کرنے والا جبکہ منافق بے پرواہ اور لا ابالی ہوتا ہے اور اُس کے دین کا ہر پہلو ناجائز اور نامناسب اعمال اور اعتقادات سے آلودہ ہوتا ہے۔

مَّا يَفْعَلُ ٱللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِن شَكَرْتُمْ وَءَامَنتُمْ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ﴿١٤٧﴾

(۱۴۷)۔ اللہ تعالیٰ کو تمہیں سزا دینے میں کیا دلچسپی ہے اگر تم شکر گزار بنو اور ایمان لاؤ اور اللہ تو علیم قدر دان ہے۔

---

(۱۴۷)۔ اگرچہ اِس آیت کا خطاب عام ہے مگر سیاق و سباق سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں بات کا رخ منافقین کی طرف ہے۔ اُنہیں کہا گیا ہے کہ اگر شکر گزار بنو اور ایمان لے آؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب کیوں دے گا اللہ تو شاکر ہے اور بندے کی نیکیوں کی قدر کرتا ہے۔

یہاں ایمان سے پہلے شکر کا ذکر کرنے میں خاص معنٰی پوشیدہ ہے۔ وہ یہ کہ منافق دراصل ایک ناسپاس گزار اور ناشکرا انسان ہوتا ہے نہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے نہ مسلمانوں کی طرف سے کی گئی بھلائیوں اور نوازشوں کا اور نہ اُن تمام برکات کا جو اسلام کی بدولت اُسے اور اُس کی سوسائٹی کو نصیب ہوتی ہیں — امن، عدل، بھائی چارہ، عزت اور کھلا رزق۔

لَّا يُحِبُّ ٱللَّهُ ٱلْجَهْرَ بِٱلسُّوٓءِ مِنَ ٱلْقَوْلِ إِلَّا مَن ظُلِمَ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا ﴿١٤٨﴾

(۱۴۸)۔ بُری بات کے لئے منہ کھولنا اللہ کو ناپسند ہے، ہاں! مگر یہ کہ کسی پر ظلم ہوا ہو اور اللہ علیم سننے والا ہے۔

---

(۱۴۸)۔ منافقین کے بارے میں بحث کے دوران اِس مدعا کے بیان کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان نفاق اور منافقت کی مذمت کریں اور نفاق و منافقت کے خلاف جتنا کچھ قرآن میں وارد ہے وہ سب کہہ دیں۔ بغیر کسی کا نام لئے اور بغیر اِس کے کہ کسی کو منافق کا

خطاب دیا جائے۔ اللہ کو یہ ناپسند ہے کہ کوئی ایسی بُری باتوں یا گالیوں کے لئے منہ کھولے مگر وہ جو مظلوم ہو؛ اللہ تعالیٰ مظلوم کی فریاد سنتا ہے، اُس کے اور مظلوم کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا، اُس کی فریاد براہِ راست اللہ کو پہنچتی ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے:

عن بن عباس رضي الله عنهما أن النبي صلى الله عليه و سلم بعث معاذا إلى اليمن فقال اتق دعوة المظلوم فإنها ليس بينها و بين الله حجاب   رواه البخاري

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا اور اُس سے فرمایا: مظلوم کی دعا سے ڈرو، اِس دعا اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔

آیت کے الفاظ یہ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نہ صرف مظلوم کی پکار سنتا ہے اور اُس کو اپنی مظلومیت اور ظالم کے خلاف آواز اُٹھانے کی اجازت دیتا ہے بلکہ اُس کی اِس ادا کو پسند کرتا ہے۔ حتیٰ کہ اُس کی وہ باتیں بھی جو عام حالات میں بُری لگتی ہیں اور مظلومیت کے علاوہ دوسرے حالات میں اللہ کو ناپسند ہیں مگر مظلومیت کی حالت میں ایک مظلوم کی زبان سے اُنہیں بھی پسند کرتا ہے۔ ظلم اور ظالم کے خلاف کسی مجاہد کا اونچی آواز میں بات کرنا تو جہادِ اکبر ہے ہی مگر خود مظلوم کی زبان سے اللہ تعالیٰ وہ بُرے الفاظ بھی پسند کرتا ہے جو وہ ظالم سے اپنا حق وصول کرنے کے لئے یا اُس کے مظالم کی مذمت کے لئے ادا کرتا ہے۔

قرآن ایک مومن شاعر کی ایک صفت یہ بیان کرتا ہے کہ اُس کا شعر ظالم سے انتقام اور مظلوم کی حمایت میں ہوتا ہے۔

إِن تُبْدُواْ خَيْرًا أَوْ تُخْفُوهُ أَوْ تَعْفُواْ عَن سُوٓءٍ فَإِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا ﴿١٤٩﴾

(۱۴۹) اگر تم کسی بھلائی کو ظاہر کرتے ہو یا اُسے چھپاتے ہو، یا کسی بُری بات سے اعراض کرتے ہو پس بے شک اللہ قادر عفو کرنے والا ہے۔

---

(۱۴۹)۔ ایسے حال میں کہ اِس سے پہلی آیت میں مظلوم کو ظلم کے خلاف آواز اُٹھانے اور اپنے حق کا مطالبہ کرنے کا اشتیاق دلایا گیا ہے؛ یہاں اُس کو کہا گیا ہے کہ اگر مصلحت کا تقاضا یہ ہو کہ اُسے معاف کر دیا جائے اور اپنے حق سے درگزر کر لیا جائے تو بے شک آگے بڑھ کر یہ کام کر دیا جائے۔ اِس لئے کہ تمہارا رب ایسے حال میں ایسا کر لیتا ہے کہ وہ سب کچھ کرنے پر قادر ہے پس تم بھی انتقام کی قدرت رکھتے ہوئے عفو و درگزر سے کام لو۔ درگزر کا جذبہ ضعف اور کمزوری کے احساس کا پیدا کردہ نہیں ہونا چاہیے؛ اگر کوئی مظلوم اِس لئے عفو و درگزر سے کام لے کہ اُسے اپنا آپ کمزور لگ رہا ہوتا ہے، اپنا حق حاصل کرنے سے

لاچار ہوتا ہے تو ایسی صورت میں در گزر کرنا کوئی عفو نہیں ہے۔ آیت کے آخری حصے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قدرت و طاقت رکھنے کے باوجود انتقام نہ لینا اور اپنا حق دوسرے مسلمان کو بخش دینا عفو ہے۔

إِنَّ ٱلَّذِينَ يَكۡفُرُونَ بِٱللَّهِ وَرُسُلِهِۦ وَيُرِيدُونَ أَن يُفَرِّقُواْ بَيۡنَ ٱللَّهِ وَرُسُلِهِۦ وَيَقُولُونَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَنَكۡفُرُ بِبَعۡضٍ وَيُرِيدُونَ أَن يَتَّخِذُواْ بَيۡنَ ذَٰلِكَ سَبِيلاً ﴿١٥٠﴾ أُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡكَٰفِرُونَ حَقًّاۚ وَأَعۡتَدۡنَا لِلۡكَٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٥١﴾ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ بِٱللَّهِ وَرُسُلِهِۦ وَلَمۡ يُفَرِّقُواْ بَيۡنَ أَحَدٍ مِّنۡهُمۡ أُوْلَٰٓئِكَ سَوۡفَ يُؤۡتِيهِمۡ أُجُورَهُمۡۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٥٢﴾

(۱۵۰)۔ یقیناً وہ جو اللہ اور اُس کے پیغمبروں کے کافر بنتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اُس کے پیغمبروں کے مابین تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اِن کے درمیان سے کوئی راہ نکال لیں۔ (۱۵۱) یہی ہیں جو واقعی کافر ہیں اور ہم نے اِن کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (۱۵۲) اور وہ جو اللہ اور اُس کے پیغمبروں پر ایمان لائے اور اِن میں سے کسی میں فرق روا نہیں رکھا، اُنہیں بہت جلد اُن کا اجر دے دیا جائے گا اور اللہ مہربان بخشنے والا ہے۔

(۱۵۰۔۱۵۲)۔ اِن مبارک آیات میں ایک منافق اور کافر اور ایک مومن کے درمیان چند بنیادی فرق بتائے گئے ہیں:

- منافق کبھی تو اللہ کو مانتا ہے مگر پیغمبر کو نہیں مانتا اور اُس کی اطاعت کو لازمی نہیں سمجھتا جبکہ کبھی ایک پیغمبر کو تو مانتا ہے مگر دوسرے کو نہیں مانتا اور کبھی چاہتا ہے کہ اپنے لئے ایسا راستہ منتخب کر لے جو نہ صریح کفر ہوتا ہے اور نہ خالص ایمان۔ کفر اور ایمان کے امتزاج سے اپنی مرضی کا کوئی مسلک و مذہب بنا لیتا ہے۔ ایسے لوگ بلا شبہ کافر ہیں اور رسوا کرنے والے عذاب کے مستحق ہیں۔

- اِن کے برعکس مخلص مومن وہی ہے جو اللہ اور اُس کے پیغمبر پر ایمان رکھتا ہے، تمام پیغمبروں پر ایمان رکھتا ہے، پیغمبر کی اطاعت ایمان کا تقاضا سمجھتا ہے، زندگی کے کسی بھی حصے میں اور کبھی بھی اِن دونوں کو ایک دوسرے سے علیٰحدہ نہیں سمجھتا۔ ایسے شخص کو اُس کا اجر مل کر رہے گا اور مہربان بخشنے والا رب اِس کے گناہ معاف کر دے گا۔

يَسۡـَٔلُكَ أَهۡلُ ٱلۡكِتَٰبِ أَن تُنَزِّلَ عَلَيۡهِمۡ كِتَٰبًا مِّنَ ٱلسَّمَآءِۚ فَقَدۡ سَأَلُواْ مُوسَىٰٓ أَكۡبَرَ مِن ذَٰلِكَ فَقَالُوٓاْ أَر K ِنَا ٱللَّهَ جَهۡرَةً فَأَخَذَتۡهُمُ ٱلصَّٰعِقَةُ بِظُلۡمِهِمۡۚ ثُمَّ ٱتَّخَذُواْ ٱلۡعِجۡلَ مِنۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ ٱلۡبَيِّنَٰتُ فَعَفَوۡنَا عَن ذَٰلِكَۚ وَءَاتَيۡنَا مُوسَىٰ سُلۡطَٰنًا مُّبِينًا ﴿١٥٣﴾

(۱۵۳)۔ اہلِ کتاب تم سے تقاضا کرتے ہیں کہ اُن پر آسمان سے کوئی کتاب نازل کر لو، پس اُنہوں نے تو موسیٰ سے اِس سے بھی بڑا مطالبہ کیا تھا اور کہا تھا: اللہ کو ہمارے سامنے لا کر دکھا دو، تو اُن کے ظلم کی پاداش میں بجلی (کی کڑک) نے اُنہیں آلیا۔ پھر اِس کے بعد کہ اُن کے پاس کھلی نشانیاں آ گئیں تو بچھڑے کو معبود بنا لیا، پس ہم نے اِس سے بھی در گزر کر لیا۔ اور موسیٰ کو ہم نے نہایت واضح حجت عطا کی۔

---

(۱۵۳)۔ اہل کتاب تم سے ایسا خارقِ عادت معجزہ مانگ رہے ہیں جیسے اِن کے لئے آسمان سے اِن کی نگاہوں کے سامنے ایک کتاب کا اُتارا جانا۔ نہ آپؐ وہ پہلے پیغمبر ہیں اور نہ یہ لوگ وہ پہلے لوگ ہیں جو ایسے فوق العادت اور غیر طبیعی معجزے مانگتے ہیں۔ جاہل قومیں اللہ کو ہمیشہ خارقِ عادت حوادث میں تلاش کرتی ہیں۔ پیغمبر کی حقانیت بھی اُس کی دعوت کے مفہوم اور اُس کی بلند و بالا شخصیت سے نہیں بلکہ اُس کے معجزوں سے پہچانتی ہیں اور صرف اُس صورت میں اُس کی رسالت تسلیم کرتی ہیں کہ وہ اُنہیں حیران کن اور نادر معجزے پیش کرے۔ موسیٰ علیہ السلام کو آپؑ کی قوم نے کہا کہ: ہم صرف اُس وقت ایمان لائیں گے جب خدا کو روبرو اپنے سامنے دیکھ لیں۔ اگر تم واقعی خدا کے پیغمبر ہو تو ہمیں خدا دکھا دو یہی وجہ تھی کہ اُنہیں بجلی کی ایک کڑک نے آلیا۔ پھر اُنہوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا اور یہ بھی اُس کے بعد جب اُن کے پاس واضح نشانیاں آ گئیں۔ اللہ نے اِس سے بھی در گزر کیا اور موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی، تختیوں پر لکھی لکھائی، واضح دلائل رکھنے والی تورات مگر بنی اسرائیل ایمان نہیں لائے۔ جاہل اقوام دلائل سے قانع نہیں

ہوتیں چاہے کتنے ہی قوی اور واضح کیوں نہ ہوں بلکہ معجزے مانگتی ہیں۔ جو لوگ کھلے اور واضح دلائل اور قرآن جیسے عظیم معجزے سے مطمئن نہ ہوں تو وہ دوسرے معجزوں سے بھی مطمئن نہیں ہوں گے۔ کیا موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو کم معجزے دکھائے تھے؛ اِن معجزوں کے باوجود اُنہوں نے اپنے پیغمبروں کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا؟

وَرَفَعۡنَا فَوۡقَهُمُ ٱلطُّورَ بِمِيثَٰقِهِمۡ وَقُلۡنَا لَهُمُ ٱدۡخُلُواْ ٱلۡبَابَ سُجَّدٗا وَقُلۡنَا لَهُمۡ لَا تَعۡدُواْ فِي ٱلسَّبۡتِ وَأَخَذۡنَا مِنۡهُم مِّيثَٰقًا غَلِيظٗا ﴿١٥٤﴾

(۱۵۴)۔ اور اِن سے وعدہ لینے کے لئے ہم نے اِن کے اوپر طور کو اُٹھا دیا اور اِنہیں کہا: اس دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ اور اِن کو کہا: ہفتے کے دن حکم عدولی نہ کرو اور اِن سے مضبوط عہد لے لیا۔

---

(۱۵۴)۔ بنی اسرائیل تورات کو ماننے اور اُس پر عمل کرنے کا وعدہ کرنے پر تیار نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے طور کا پہاڑ اُن کے اوپر معلق کر دیا اور اُن کو کہا کہ فلسطین میں داخل ہو جاؤ مگر مغرور فاتحین کی طرح نہیں بلکہ اللہ کے مطیع اور فرمان بردار بندوں کی طرح۔ وہ اِس بات کے بھی مکلف ٹھہرائے گئے تھے کہ سبت کے دن کا احترام کریں گے اور اِس کو عبادت کے لئے مختص کریں گے مگر اُنہوں نے اپنے تمام وعدوں کو پس پشت ڈال دیا۔

فَبِمَا نَقۡضِهِم مِّيثَٰقَهُمۡ وَكُفۡرِهِم بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ وَقَتۡلِهِمُ ٱلۡأَنۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقّٖ وَقَوۡلِهِمۡ قُلُوبُنَا غُلۡفُۢۚ بَلۡ طَبَعَ ٱللَّهُ عَلَيۡهَا بِكُفۡرِهِمۡ فَلَا يُؤۡمِنُونَ إِلَّا قَلِيلٗا ﴿١٥٥﴾ وَبِكُفۡرِهِمۡ وَقَوۡلِهِمۡ عَلَىٰ مَرۡيَمَ بُهۡتَٰنًا عَظِيمٗا ﴿١٥٦﴾ وَقَوۡلِهِمۡ إِنَّا قَتَلۡنَا ٱلۡمَسِيحَ عِيسَى ٱبۡنَ مَرۡيَمَ رَسُولَ ٱللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمۡۚ وَإِنَّ ٱلَّذِينَ ٱخۡتَلَفُواْ فِيهِ لَفِي شَكّٖ مِّنۡهُۚ مَا لَهُم بِهِۦ مِنۡ عِلۡمٍ إِلَّا ٱتِّبَاعَ ٱلظَّنِّۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينَۢا ﴿١٥٧﴾ بَل رَّفَعَهُ ٱللَّهُ إِلَيۡهِۚ وَكَانَ ٱللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمٗا ﴿١٥٨﴾

(۱۵۵)۔ تو اپنے وعدوں کو توڑنے کے سبب سے اور اللہ کی آیات کے کافر ہونے کی وجہ سے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرنے اور اُن کے اِس قول کی وجہ سے کہ ہمارے دلوں پر غلاف لپٹے ہوئے ہیں۔ بلکہ اللہ نے اِن کے کفر کے سبب اِن (کے دلوں) پر مہر لگا رکھی ہے؛ پس ایمان نہیں لاتے مگر ان میں سے بہت کم۔ (۱۵۶) اور اِن کے کفر اور مریم پر ان کے بہتانِ عظیم کے کہنے کی وجہ سے۔ (۱۵۷) اور یہ بات کہنے کی وجہ سے کہ: ہم نے اللہ کے پیغمبر مسیح ابنِ مریم کو قتل کیا، حالانکہ نہ اِنہوں نے قتل کیا ہے اور نہ صلیب پر چڑھایا ہے، بلکہ اِن کے لئے اشتباہ پیدا کیا گیا اور یقیناً وہ جو اِس میں اختلاف کرتے ہیں، اِس بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں، اٹکل کے علاوہ کوئی علم نہیں رکھتے؛ یقیناً اُنہوں نے قتل نہیں کیا۔ (۱۵۸) بلکہ اللہ نے اُسے اپنی طرف اُٹھالیا اور اللہ باحکمت عزتمند ہے۔

(۱۵۵۔۱۵۸)۔ اِن مبارک آیات میں بنی اسرائیل کے اُن انحرافات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اُن کا مواخذہ کیا اور دردناک عذاب سے دوچار کیا:

- یہ کہ اُنہوں نے اپنے وعدے توڑ ڈالے۔
- اللہ کی آیات کا انکار کیا۔
- انبیاء کے قتل کے درپے ہوئے۔
- اپنے ذہن کے اختراع کردہ جعلی مذہب کی نسبت وہ اندھا تعصب شروع کیا کہ اُس کے خلاف کوئی دلیل سننے پر تیار نہیں تھے۔
- اپنے کفر میں اُس مقام تک پہنچ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر مہر لگادی اور اُن پر ہدایت کے دروازے بند کر دیئے گئے۔
- مریم علیہا السلام پر بدکاری کی تہمت لگائی۔
- عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا فیصلہ کیا اور بڑے فخر کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ ہم نے اُنہیں قتل کر دیا۔ حالانکہ اُسے قتل نہیں کر سکے تھے بلکہ اُن کے بدلے کسی اور کو قتل کر دیا تھا۔ باوجود اِس کے کہ اُن کے قتل کے بارے میں بے یقینی کا شکار تھے مگر پھر بھی ہانکے پکارے کہا کرتے تھے کہ عیسیٰ! وہ جو اپنے آپ کو اللہ کا پیغمبر کہتے تھے، ہم نے اُنہیں قتل کر دیا اور اُن کے جسد کو سولی دے دی۔

وَإِن مِّنۡ أَهۡلِ ٱلۡكِتَٰبِ إِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهِۦ قَبۡلَ مَوۡتِهِۦۖ وَيَوۡمَ ٱلۡقِيَٰمَةِ يَكُونُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيدٗا ﴿١٥٩﴾

---

(۱۵۹)۔ اور اہلِ کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں ہو گا جو اپنی موت سے پہلے لازماً آپؑ پر ایمان نہ لے آئے اور قیامت کے دن آپؑ اُن پر گواہ بنیں گے۔

(۱۵۰)۔ اِس آیت کے دو ترجمے ہوئے ہیں:

- ایک یہ کہ اہل کتاب میں سے ایسا کوئی نہیں ہو گا جس پر اُس کی موت سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت آشکارانہ ہو جائے اور یہ جان نہ لے کہ وہ نہ تو خدا تھا اور نہ خدا کا بیٹا بلکہ اللہ کا بندہ اور اُس کا پیغمبر تھا۔
- عیسیٰ علیہ السلام کے بعثتِ ثانی کے بعد تمام موجود اہلِ کتاب آپؑ کی وفات سے قبل آپؑ پر ایمان لے آئیں گے۔

دوسرے ترجمے میں دو مطالب مقدر مانے گئے ہیں: یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ آمد اور موجود اہلِ کتاب کے الفاظ یا مفہوم۔ اِن مقدرات کے بغیر ترجمہ ناقص رہ جاتا ہے جبکہ پہلے ترجمے میں آیت کے اپنے الفاظ کے علاوہ کوئی لفظ اور مطلب بڑھایا نہیں گیا ہے۔ پہلا ترجمہ اِس لحاظ سے بھی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں کسی حصر اور استثناء کے بغیر تمام اہلِ کتاب کو اشارہ کیا گیا ہے جبکہ دوسرے ترجمے میں صرف اُن اہلِ کتاب کی بات کی گئی ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے وقت موجود ہوں گے اور باقی کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔

قرآن کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتے وقت بہتیرے حقائق انسان کے سامنے کھل جاتے ہیں اور وہ اپنی غلطیوں اور اشتباہات پر متنبہ ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ اسی سورت کی آیت ۹۷ میں اُن لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے جو ہجرت کے بعد دارالکفر ہی میں رہ گئے تھے کہ وہ فرشتوں کی باتوں سے سمجھ جائیں گے کہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھے ہیں، یونہی اللہ کی زمین کو تنگ سمجھ لیا تھا اور ہجرت سے کنارہ کش رہ گئے تھے۔ چاہیے تھا کہ اپنے دین و ایمان کی حفاظت کی خاطر ہجرت کر لیتے اور کفر کے اقتدار سے آزادی حاصل کر لیتے۔

وہ اہلِ کتاب جو عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا سمجھتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ آپؑ کی وجہ سے عذاب اور الٰہی مواخذے سے محفوظ رہ جائیں گے؛ وہ اپنی موت کے وقت جان جائیں گے کہ یہ صرف بے بنیاد آرزوئیں تھیں۔ آپؑ نہ تو خدا تھے اور نہ خدا کا بیٹا اور نہ ہی ہمیں عذاب سے بچانے کا ذمہ دار۔

قیامت کے دن خود ہی یہ بھی دیکھ لیں گے کہ عیسیٰ علیہ السلام اُن کے اعتقادات کے برعکس گواہی دیتے ہیں۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ ٱلَّذِينَ هَادُوا۟ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَٰتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ كَثِيرًا ﴿١٦٠﴾ وَأَخْذِهِمُ ٱلرِّبَوٰا۟ وَقَدْ نُهُوا۟ عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَٰلَ ٱلنَّاسِ بِٱلْبَٰطِلِ ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَٰفِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٦١﴾

(۱۶۰)۔ تو یہودیوں پر ہم نے وہ پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو اُن کے لئے حلال قرار دی گئی تھیں؛ اُن کے ظلم کی وجہ سے اور اللہ کی راہ میں اُن کے بکثرت رکاوٹیں ڈالنے کے سبب۔ (۱۶۱) اور اُن کے سود کھانے کی وجہ سے، حالانکہ وہ اُس سے منع کئے گئے تھے اور ناحق لوگوں کے مال کھانے کی وجہ سے اور اُن میں سے کافروں کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(۱۶۰۔۱۶۱)۔ یہاں کافروں کے اُن بڑے بڑے گناہوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن کی وجہ سے وہ اللہ کے دردناک عذاب کے مستحق قرار پائے:

- وہ ظلم کرتے تھے۔
- خود بھی اللہ کے سیدھے راستے سے انحراف کرتے تھے اور دوسروں کو بھی روکتے تھے۔
- سود کھاتے تھے حالانکہ اللہ نے اُنہیں منع کیا تھا۔
- ناحق اور ناجائز راستوں سے لوگوں کے مال کھاتے تھے۔ دھوکہ، رشوت، شکرانوں کی وصولی، فتوے اور جنت کی اسناد بیچنا۔

لَّٰكِنِ ٱلرَّٰسِخُونَ فِى ٱلْعِلْمِ مِنْهُمْ وَٱلْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ ۚ وَٱلْمُقِيمِينَ ٱلصَّلَوٰةَ ۚ وَٱلْمُؤْتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ وَٱلْمُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ أُو۟لَٰٓئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٦٢﴾

(۱۶۲)۔ لیکن اُن میں سے راسخ علم رکھنے والے اور اُن کے وہ مومن جو اُس چیز پر بھی ایمان لاتے ہیں جو تم پر نازل کی گئی ہے اور تم سے پہلے نازل ہونے والی پر بھی، نماز ادا کرنے والے ہیں، زکواۃ دینے والے اور خدا اور روزِ آخرت پر ایمان رکھنے والے۔ ہم بہت جلد اُنہیں اجرِ عظیم عطا کر دیں گے۔

---

(۱۶۲)۔ اِن میں نیک لوگ بھی ہیں جن کی صفات درج ذیل ہیں:

- اُن کا علم، علم راسخ ہے اور ادھورا اور سطحی علم نہیں ہے۔
- ہر اُس کتاب پر ایمان لاتے ہیں جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہوتی ہے۔
- نماز ادا کرتے ہیں۔
- زکوٰۃ دیتے ہیں۔
- اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔

۞ إِنَّآ أَوۡحَيۡنَآ إِلَيۡكَ كَمَآ أَوۡحَيۡنَآ إِلَىٰ نُوحٖ وَٱلنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعۡدِهِۦۚ وَأَوۡحَيۡنَآ إِلَىٰٓ إِبۡرَٰهِيمَ وَإِسۡمَٰعِيلَ وَإِسۡحَٰقَ وَيَعۡقُوبَ وَٱلۡأَسۡبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَٰرُونَ وَسُلَيۡمَٰنَۚ وَءَاتَيۡنَا دَاوُۥدَ زَبُورٗا ﴿١٦٣﴾ وَرُسُلٗا قَدۡ قَصَصۡنَٰهُمۡ عَلَيۡكَ مِن قَبۡلُ وَرُسُلٗا لَّمۡ نَقۡصُصۡهُمۡ عَلَيۡكَۚ وَكَلَّمَ ٱللَّهُ مُوسَىٰ تَكۡلِيمٗا ﴿١٦٤﴾ رُّسُلٗا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى ٱللَّهِ حُجَّةُۢ بَعۡدَ ٱلرُّسُلِۚ وَكَانَ ٱللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمٗا ﴿١٦٥﴾

(۱۶۳)۔ بے شک ہم نے تمہاری طرف اُسی طرح وحی کی ہے جس طرح نوح اور اُس کے بعد انبیاء کو وحی کی تھی اور ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور اُس کی اولاد، عیسیٰ، ایوب، یونس، ھارون اور سلیمان کو وحی کی تھی اور داؤد کو ہم نے زبور عطا کی تھی۔ (۱۶۴) اور ایسے پیغمبروں کو بھی جن کے قصے ہم اِس سے قبل تمہیں بتا چکے ہیں اور ایسے انبیاء کو بھی جن کے قصے ابھی

تمہیں نہیں بتائے۔ اور موسیٰ سے اللہ نے مخصوص کلام کے ساتھ تکلم کیا۔(۱۶۵)بشارت دینے والے اور خبر دار کرنے والے انبیاء تاکہ لوگوں کے پاس اللہ کے ذمے کوئی حجت باقی نہ رہے اور اللہ باحکمت غالب ہستی ہے۔

(۱۶۳۔۱۶۵)۔ تمہیں دوسرے پیغمبروں کی طرح وحی کی گئی ہے۔ تم سے پہلے بہت سے پیغمبر گزر چکے ہیں، اُن کی ذمہ داری یہ تھی کہ نیکوکاروں کو اچھے مستقبل کی بشارت دے دیں اور بدکاروں کو اُن کی بُری عاقبت سے خبر دار کریں۔ اللہ تعالیٰ نے پے در پے اور زمانے کے ہر پڑاؤ پر اِس لئے پیغمبر بھیجے ہیں کہ اِس طرح لوگوں پر اللہ کی حجت مکمل ہو جائے۔ انسان کے پاس کفر، شرک، ظلم اور انحراف کے لئے کوئی بہانہ باقی نہ رہے اور وہ یہ عذر پیش نہ کر سکے کہ وہ ناسمجھ تھا۔ کسی نے راہِ راست کی طرف اُس کی رہنمائی نہیں کی تھی، حق و باطل کے درمیان تفریق کے لئے اُس کے ہاتھ میں کوئی کسوٹی نہیں دی گئی تھی اور نہ ہی کوئی معیار مقرر کیا گیا تھا۔

پیغمبروں کی بعثت کو اتمام حجت اِس لئے قرار دیا گیا ہے کہ انسان کی ہدایت کے لئے اِس کے بعد اور اِس سے بڑھ کر مزید کوئی اور اقدام نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تو اُسے عقل کی کسوٹی سے نوازا، تمام مخلوقات پر اُسے فضیلت دی، اور اُس کی فطرت میں وہ استعدادات اور ملکہ ودیعت کیا جو راہِ راست کی تلاش میں اُس کی معاونت کرتا ہے۔ اللہ پر ایمان کو اُس کی فطرت کا جزء بنایا، اُس کے ضمیر میں وہ ملامت کرنے اور ترغیب و تحریص دلانے والا ملکہ رکھا جو ہر بُرے کام پر ملامت اور اچھے کام کی تشویق دلاتا ہے۔ نیز اُسے بُرائی سے کراہت پیدا کرنے والے اور نیکی سے محبت اور اُس کے انجام دینے میں احساسِ راحت پیدا کرنے والے احساسات عطا کئے۔ اِس کے بعد جب انبیاءؑ آتے ہیں تو انسان کو اُس خدا کا تعارف کرا دیتے ہیں جس کی وہ تلاش میں ہے۔ اُس کا سویا ہوا ضمیر بیدار کر دیتے ہیں اور اُسے وہ تمام چیزیں سکھا دیتے ہیں جو اُس کی فطرت کا تقاضا ہوتی ہیں۔ اُس کے ضمیر کا وہ زنگ دور اور گرد جھاڑ دیتے ہیں جو غلط ماحول اور گردوپیش کی آلودگی کی وجہ سے اُس پر پڑ چکا ہوتا ہے اور اُسے وہی پیغام پہنچا دیتے ہیں جس کے سننے کا اُس کی فطرت کو انتظار ہوتا ہے۔ تو اِس سب کچھ کے باوجود اگر انسان گمراہی سے باز نہ آئے تو اِس کے بعد صرف ایک چیز باقی رہ جاتی ہے۔ وہ یہ کہ اُس کا اختیار اور آزادی سلب کر لی جائے اور بے ارادہ مخلوق کی طرح زبردستی اُسے راہ راست پر چلایا جائے مگر یہ وہی کچھ ہے جو اللہ کی مشیت نہیں ہے۔ اِس لئے کہ اِس طرح انسان' انسان نہیں رہ پاتا اور اُس کی وہ انفرادیت ختم ہو جاتی ہے جس کی بدولت اُسے تمام مخلوقات پر فضیلت حاصل ہے۔

لَّـٰكِنِ ٱللَّهُ يَشۡهَدُ بِمَآ أَنزَلَ إِلَيۡكَ ۖ أَنزَلَهُۥ بِعِلۡمِهِۦ ۖ وَٱلۡمَلَـٰٓئِكَةُ يَشۡهَدُونَ ۚ وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ شَهِيدًا ﴿١٦٦﴾

(۱۶۶)۔ لیکن اللہ تم پر نازل کی گئی چیزوں کے بارے میں شہادت دیتا ہے کہ وہ اُس کے علم پر مبنی نازل ہوئی ہیں اور فرشتے بھی شہادت دیتے ہیں اور اللہ بطور گواہ کے، کافی ہے۔

---

(۱۶۶)۔ اللہ شہادت دیتا ہے کہ قرآن اُس کی کتاب ہے، اللہ کے علم پر مبنی کتاب، اِس کا ہر بیان اور ہر حکم علم الٰہی سے جنم لینے والا بیان اور حکم ہے۔

إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ وَصَدُّواْ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ قَدۡ ضَلُّواْ ضَلَـٰلَۢا بَعِيدًا ﴿١٦٧﴾ إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ وَظَلَمُواْ لَمۡ يَكُنِ ٱللَّهُ لِيَغۡفِرَ لَهُمۡ وَلَا لِيَهۡدِيَهُمۡ طَرِيقًا ﴿١٦٨﴾ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَـٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٦٩﴾

(۱۶۷)۔ یقیناً وہ لوگ جو کافر ہوئے اور اللہ کی راہ میں رکاوٹ ڈالتے رہے، درحقیقت گہری گمراہی میں پڑ گئے ہیں۔ (۱۶۸) بے شک وہ لوگ جو کافر ہوئے اور اُنہوں نے ظلم کیا تو اللہ ایسا نہیں ہے کہ اُنہیں بخش دے اور نہ ہی ایسا ہے کہ اُن کو راستے کی ہدایت کرے۔ (۱۶۹) مگر جہنم کے راستے کی جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ تو اللہ کے لئے آسان ہے۔

(۱۶۷۔۱۶۹)۔ کفر اور اللہ کے راستے سے انحراف بڑی گمراہی ہے، ظلم ہے، عدل اور حقیقت کی نسبت بھی ظلم ہے اور اپنی عقل و فہم کی نسبت بھی۔ ایسے لوگ الٰہی بخشش سے محروم ہیں اور ہدایت کے تمام راستے اِن پر بند ہیں۔ اِن کے آگے صرف ایک راستہ کھلا ہوا ہے اور وہ ہے جہنم کا راستہ۔

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدۡ جَآءَكُمُ ٱلرَّسُولُ بِٱلۡحَقِّ مِن رَّبِّكُمۡ فَـَٔامِنُواْ خَيۡرًا لَّكُمۡ ۚ وَإِن تَكۡفُرُواْ فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِى ٱلسَّمَـٰوَٲتِ وَٱلۡأَرۡضِ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧٠﴾

(۱۷۰)۔ اے لوگو! بے شک تمہارے رب کی طرف سے یہ پیغمبر حق لے کر تمہاری طرف آیا ہے پس ایمان لے آؤ کہ یہی تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر انکار کرتے ہو تو بے شک آسمانوں اور زمین کا سب کچھ اللہ کا ہے اور اللہ باحکمت علیم ہے۔

---

(۱۷۰)۔ یہ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہے اُسی کی طرف سے یہ حق دین تمہارے لئے لایا ہے، اِس پر ایمان لے آئیں اِس لئے کہ اسی میں تمہاری دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔ اِس سے تمہارا انکار کرنا در حقیقت اُس اللہ کا انکار ہے جو زمین اور آسمانوں کی تمام چیزوں کا مالک ہے اور اُس دین کا انکار کرنا ہے جو علیم اور حکیم اللہ کا نازل کیا ہوا دین ہے؛ وہ دین جس کی بناء الٰہی علم وحکمت پر قائم ہے۔

يَـٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَـٰبِ لَا تَغۡلُواْ فِي دِينِكُمۡ وَلَا تَقُولُواْ عَلَى ٱللَّهِ إِلَّا ٱلۡحَقَّۚ إِنَّمَا ٱلۡمَسِيحُ عِيسَى ٱبۡنُ مَرۡيَمَ رَسُولُ ٱللَّهِ وَكَلِمَتُهُۥٓ أَلۡقَىٰهَآ إِلَىٰ مَرۡيَمَ وَرُوحٞ مِّنۡهُۖ فَـَٔامِنُواْ بِٱللَّهِ وَرُسُلِهِۦۖ وَلَا تَقُولُواْ ثَلَٰثَةٌۚ ٱنتَهُواْ خَيۡرٗا لَّكُمۡۚ إِنَّمَا ٱللَّهُ إِلَٰهٞ وَٰحِدٞۖ سُبۡحَٰنَهُۥٓ أَن يَكُونَ لَهُۥ وَلَدٞۘ لَّهُۥ مَا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي ٱلۡأَرۡضِۗ وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ وَكِيلٗا ﴿١٧١﴾

(۱۷۱)۔ اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کچھ اور نہ کہو، بے شک مسیح ابنِ مریم تو صرف اللہ کا رسول اور اُس کا کلمہ تھا جو مریم کو القاء کیا گیا تھا اور اُس کی طرف سے ایک روح۔ تو اللہ اور اُس کے پیغمبروں پر ایمان لاؤ اور یوں نہ کہو کہ وہ تین ہیں، باز آجاؤ کہ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اللہ تو اکیلا الٰہ ہے، اِس سے منزہ ہے کہ اُس کا کوئی بیٹا ہو، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے سب اُسی کا ہے اور اللہ بطور وکیل کافی ہے۔

---

(۱۷۱)۔ اِس مبارک آیت میں محرف مسیحیت کی تردید کے لئے مختصر اور جامع الفاظ میں ایسا فیصلہ کن اور قاطع استدلال کیا گیا ہے کہ اِس جعلی مذہب کی تردید کے لئے یہ اکیلی بھی کافی ہے۔ کہا گیا ہے کہ:

- اِنہوں نے دین میں غلو سے کام لیا ہے۔
- اللہ کے بارے اِن کا موقف خلافِ حق ہے۔

- مسیح کو الوہیت میں شریک کرتے ہیں حالانکہ وہ پیغمبر تھا، وہ ایک انسان تھا، مریم علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہونے والا ایک انسان۔ اللہ تعالیٰ کے ایک حکم سے بغیر باپ کے پیدا ہوا، اللہ نے اُس میں روح ڈالی اور اُسے زندگی بخشی۔
- یہ نہ تو اللہ کے بارے میں درست اعتقاد رکھتے ہیں اور نہ پیغمبر کے بارے میں۔
- ایک اللہ کے بجائے تین خداوں پر یقین رکھتے ہیں حالانکہ اللہ ایک ہے، نہ اُس کا کوئی شریک ہے اور نہ بیٹا۔
- بیٹا رکھنا تو فنا ہونے والی مخلوق کی بقا کا ذریعہ ہوتا ہے اور شریک رکھنا تو ضعیف اور کمزور حکمران کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ اِس سے منزہ ہے کہ کوئی بیٹا، جانشین یا شریک رکھے۔
- وہ ذات جو زمین اور آسمانوں کی ہر چیز کی مالک ہو کیوں اپنے لئے کوئی شریک، جانشین اور بیٹا مقرر کرے گی؟
- اِنہوں نے اللہ کے علاوہ ایک خیالی معبود اپنے لئے وکیل اور کارساز مقرر کیا ہے حالانکہ اللہ بطور وکیل کافی ہے۔

اس پر تعجب نہ کریں کہ اہلِ کتاب کے مذہبی اکابرین تو عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا دعویٰ کرتے تھے اور اُس پر فخر بھی کرتے تھے تو پھر یہ کس طرح ممکن ہوا کہ ایک دوسرے گروہ نے آکر اُسے اللہ کا بیٹا اور جانشین مقرر کر دیا۔ یہ اِس لئے کہ وہ طاغوت کے دربار کے سرکاری مفتی تھے اور ایک طاغوت ہی کی خوشنودی کے لئے پیغمبر کو باغی قرار دے رہے تھے، پھر جب دوسرا طاغوت آیا تو اُسی مزعوم باغی کو اُنہوں نے اِلٰہ بنا دیا۔ تاریخ کے طویل ادوار میں دین فروش مفتی ہمیشہ یہی کرتے رہے ہیں۔ جب بھی اور تاریخ کے جس موڑ پر بھی کوئی داعی اور مصلحِ ظلم کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا ہے اور اُس نے محکوم اور مظلوم انسانوں کے لئے عدل اور آزادی کا مطالبہ کیا ہے۔ یہ آواز بلند کی ہے کہ انسان تمام کے تمام برابر پیدا ہوئے ہیں، ظلم اور جہل اِنہوں نے خود آپس میں بانٹ رکھا ہے اور خود ہی ایک کو آقا اور دوسرے کو غلام کہہ کر بلایا ہے؛ اُٹھو اور ظلم کا یہ نظام گرادو۔ مظلوموں کے ہاتھ پیروں میں پڑی یہ بیڑیاں توڑ ڈالو، انسان کو اپنے رب کے علاوہ کسی کے سامنے سر نہیں جھکانا چاہیے؛ تو مظلوموں نے اُسے اور اُس کی دعوت کو شک کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ دوسری طرف ظالموں نے اُسے خطرہ سمجھا ہے اور سلطنت کے نظام اور دین و مذہب سے بغاوت کے جرم کا مرتکب قرار دیا ہے۔ یوں وہ مذہبی پیشواوؤں سے واجب القتل ہونے کے فتوے کا سامنا کرتا رہا ہے جبکہ قاضی نے اُسے سزائے موت سنائی ہے۔ آخرکار دار پر چڑھایا گیا ہے، پس از مرگ آگ میں ڈالا گیا ہے اور اس کی لاش سولی پر چڑھائی گئی ہے۔ مگر یہی مزعوم باغی، دھتکارا ہوا اور دار پر چڑھایا گیا مجرم تھوڑے ہی عرصے بعد ایک نئی بیوروکریسی کے لئے اپنے پیشرو رقیب کے خلاف ایک موثر اسلحہ ثابت ہوا ہے۔ اُسے ظلم کے خلاف پرچم قرار دیا گیا ہے، اُس کے مجسمے بنائے گئے ہیں، اُنہی پہلے والے پیشواوؤں کے ہاتھوں ایک پاکباز ہستی قرار دیا گیا ہے اور اُنہی مفتیوں سے اُس کی پرستش کے فتوے جاری کرائے گئے ہیں۔ اب کی بار اُس کے ساتھ ہر مخالفت،

اُس کے خلاف ہر نعرہ اور اُس کی عظمت سے کیا جانے والا ہر انکار نئے نظام اور دین و مذہب کے خلاف بغاوت سمجھا گیا ہے اور اتنا پروپیگنڈہ کیا گیا ہے کہ عوام اُسے خدا سمجھ بیٹھے ہیں۔ نتیجتاً اُس کے مجسمے بنائے گئے ہیں؛ ایک نے اُس کے مجسموں کی دکان سجا کر اُسے اپنی حرفت بنالیا ہے اور انہیں بیچ کر مال کمانے لگا ہے۔ دوسرا کچھ کمانے کے لئے اُسی مجسمے کے آگے سجدے میں گر پڑتا ہے، اُس کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کرنے لگ جاتا ہے اور اُسے مدد کے لئے پکارتے ہوئے اُسے اللہ کا جانشین بنالیتا ہے۔ اِس طرح نئے سیاسی نظام کے ساتھ ساتھ ایک نیا مذہب بھی جنم پالیتا ہے اور پرانے نظام کا باغی نئے نظام کا اِلٰہ بن جاتا ہے۔ دھوکے باز مذہبی پیشوا پہلے اُسے باغی قرار دے کر اپنا اجر کمالیتا ہے اور پھر باغی کو اِلٰہ بنانے کا فتویٰ دے کر بھی اپنی مزدوری کھری کر لیتا ہے۔ کل وہ پہلے والے نظام کے معبد کا مجاور تھا اور آج اُس باغی کی قبر کا مجاور اور متولی بن جاتا ہے۔ یہ طاغوت کے ہاتھوں ہر محرف مذہب کے جنم کی کہانی ہے اور یہی شخصیتوں، قبروں اور بتوں کی عبادت کا قصہ ہے۔ یہی عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی پیش آیا اور حسین رضی اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی۔

حسین رضی اللہ تعالیٰ نے بھی ظالم اور مفسد یزید کے خلاف آواز اُٹھائی۔ کوفے کے لوگوں نے ساتھ دینے کا اطمینان دلایا مگر آپؓ کو کربلا کے میدان میں اکیلا چھوڑ دیا۔ دل آپؓ کے ساتھ تھے مگر تلواریں یزید کے ساتھ مل گئیں۔ آپؓ نے اپنے گھرانے کے ستر افراد کے ساتھ جامِ شہادت نوش کیا مگر جب یزید کے اقتدار کا سورج غروب ہوا اور سلطنت اُس کے گھرانے کے مخالفین کے ہاتھ آگئی، تو حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پس از شہادت نہ صرف امام حسین بن گیا بلکہ امارت اُس کی اولاد کا الٰہی حق قرار پائی۔ نہ صرف آپؓ کی قبر پر مزار بنا بلکہ آپؓ کے والد علی رضی اللہ عنہ کی قبر کی بھی نشاندہی ہو گئی اور وقت کے حاکم نے وہاں بھی مزار بنا دیا۔ قبر کی نشاندہی بھی حاکم وقت کو ایک خواب "رویا" میں ہو گئی، اُس وقت تک اُن کی قبر کا مقام کسی کو معلوم نہیں تھا۔ مزید تعجب کی بات یہ ہے کہ ایک قبر ملنے کے بعد نہ صرف نجف میں بلکہ بہت سارے دوسرے مقامات پر بھی اُن کے مزار تعمیر ہوئے، مزار شریف اور کابل کے قصبہ سخی میں بھی!! جو لوگ یزید کو امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کے فتوے دیتے تھے، یزید کے جانے کے بعد امام حسینؓ کی قبر کے مجاور بن گئے۔ جن کی تلواریں یزید کے لئے بے نیام ہوئیں، آج کربلا کے واقعے کی یاد میں اپنے سینے زنجیروں سے کوٹتے ہیں، کالے کپڑے پہن کر بین کرتے ہیں اور کربلا کی خاک سے سجدے کی مہریں بناتے ہیں!! یہی لوگ ہیں جو اب آپؓ کی اولاد کو واحد حقیقی امام سمجھتے ہیں اور اُن کے ایک چھ سالہ پوتے کو امامِ زمان بنائے ہوئے ہیں؛ اللہ سے دعائیں مانگتے ہوئے کہتے ہیں کہ: اے اللہ امامِ زمان کو ہم سے راضی فرما! اے اللہ روزِ قیامت ہمیں امامِ زمان کے سامنے شرمندگی

سے بچالے! اے اللہ ہماری دعائیں امام زمان تک پہنچادے!! یعنی نعوذ باللہ اب خدا امام زمان کا قاصد ہوا، خدا امام زمان کے دربار کا ایک شفیع ہوا، اللہ سے چاہتے ہیں کہ امامِ زمان کے دربار میں اِن کی شفاعت کرے!!

جس کو محلات اور محلات کے اربابِ اختیار سے کراہت آتی تھی، جو ہر قصر کو ظلم کی نشانی سمجھتا تھا اور اِسی جرم میں مخالفتوں سے دوچار رہتا تھا اور جو ہر اونچی قبر کو مسمار کرنا اپنی ذمہ داری سمجھتا تھا اب اُن کی قبریں ایسے قصر بن چکے ہیں جو نہ فرعون کو اُس کی زندگی میں حاصل تھے، نہ نمرود کو اور نہ ہی یزید کو۔ تعجب ہے، انتہائی تعجب؛ زندہ کے لئے قصر حرام ہے اور مردہ کے لئے جائز اور کارِ ثواب۔

مسیحی عیسیٰ علیہ السلام کا مذہب بھول گئے اور اُن کے مجسمے کو پوجنا اُن کا مذہب قرار پایا اور اِنہوں نے امام حسین کے نانا کے مذہب کو پس پشت ڈال دیا اور امام حسین کی قبر کی عبادت کو مذہب بنالیا۔ ملاحظہ کریں مسیحی صلیب کا طوق گلے میں لٹکائے پھرتے ہیں اور یہ کربلا کی مٹی کی مہر اپنے ماتھے پر لگائے رکھتے ہیں۔

دیکھ لیں یہ ہے سیاست! کبھی پیغمبر کو مذہب کا باغی بنالیتی ہے اور کبھی دیندار باغی کو خدا بنالیتی ہے۔

اگر دھوکے باز مذہبی پیشواؤں اور مکار سیاستدانوں کے مکر عجیب ہیں تو اِن سے کہیں زیادہ اُن لوگوں کی سفاہت حیرت اور تعجب کے قابل ہے جو اِن کے مکر کے دام میں پھنستے ہیں اور کھلے جھوٹ کو مذہب کے نام پر قبول کرلیتے ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہے! جب تک دنیا قائم ہے سادہ لوح اور بیوقوف انسان بھی رہیں گے اور مکاروں کے دام میں اِن کا پھنسنا بھی یوں ہی جاری رہے گا۔ اگر سامری بچھڑے کو معبود بنا سکتا ہے اور ہندو گائے کو! اگر یہود کے مولوی ایک حاکم کے دربار میں مریمؑ کو زنا پر متہم اور اُس کے بیٹے کو ساحر جبکہ دوسرے حاکم کے دربار میں اُسے خدا کی ماں اور اُس کے بیٹے کو خدا کہہ سکتے ہیں تو چھ سالہ غائب بچے کو امامِ زمان بنانا اور خدا کو اُس کا قاصد سمجھنا بھی کوئی اتنی نادر بات نہیں ہے۔

مسیحی عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ آمد کے منتظر ہیں۔ لیکن اگر وہ آئے تو سب سے پہلے یہ اُن کی مخالفت کریں گے، اپنے اجداد کی طرح اُن کے قتل پر کمر بستہ ہوں گے۔ اِن کے اجداد نے اِس لئے اُن کے قتل کا عزم کیا تھا کہ وہ ایک انسان ہے نہ اپنا دفاع کر سکتا ہے نہ اپنے حواریوں کا، پیغمبر کو تو ایسا نہیں ہونا چاہیے، اُسے تو ایک فرشتہ ہونا چاہیے جو پلک جھپکتے اور اُنگلی کے ایک اشارے سے زمین و آسمان میں زلزلہ برپا کرے۔ اِسی طرح اُن کی موجودہ اولاد بھی اُن کو جھوٹا سمجھے گی اور کہے گی کہ: تم وہ عیسیٰ نہیں ہو جس کے ہم منتظر ہیں، تم تو ایک عام انسان ہو، عیسیٰ تو اللہ کا بیٹا ہے اور اُس کے بازوؤں میں خدائی طاقت۔

اگر آج وہ امامِ زمان آجائے جس کے کچھ لوگ منتظر ہیں اور کہے کہ: زمانے کے فرعون اور وقت کے یزید کے خلاف صف آرا ہو جاؤ۔ اسلام کے دفاع کے لئے تیار ہو جاؤ اور اپنے ملک کو صلیبی طاقتوں کے اقتدار سے آزاد کرو تو آپ دیکھ لیں گے کہ سب سے پہلے وہی لوگ اُس کی مخالفت کریں گے جو کہتے ہیں:عجل الله فرجه الشريف:اللہ اُس کی آمد قریب لے آئے۔ یہی لوگ اُسے کہیں گے کہ: تم تو وہ امامِ زمان نہیں ہو جس کے ہم منتظر تھے، تم تو ہم سے ساتھ دینے کی درخواست کرتے ہو اُس سے تو ہم مدد مانگیں گے۔ تم تو ہمیں اُٹھ کر جہاد کرنے کے لئے کہتے ہو، امامِ زمان تو اُنگلی کے ایک اشارے سے زمین و آسمان ہلا سکتا ہے۔

ہم بھی مسیح کی آمد کے منتظر ہیں، مگر ایک انسان مسیح کے۔ وہی جو ایک انسان کی طرح زندگی بسر کرے گا اور اُس کا پہلا کام صلیب توڑنا ہو گا۔ ہم بھی مہدی کے منتظر ہیں مگر ایک انسان اور مجاہد مہدی کے، نہ کہ اللہ کا جانشین مہدی۔ ایسا مہدی جو توحید اور عدل کے لئے جہاد برپا کرے گا اور اُس کی پہلی لڑائی اُن مشائخ سے ہو گی جو مشرک ہو گئے ہیں، جہاد کی مخالفت کرتے ہیں اور دین کو دکان بنائے ہوئے ہیں۔ پس اِن حیرت انگیز باتوں پر تعجب نہ کریں، اِس لئے کہ سیاست پیغمبر کو مذہب کا باغی اور باغی کو خدا اور معبود بنا سکتی ہے۔

لَّن يَسْتَنكِفَ ٱلْمَسِيحُ أَن يَكُونَ عَبْدًا لِّلَّهِ وَلَا ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ ٱلْمُقَرَّبُونَ ۚ وَمَن يَسْتَنكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِۦ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا ﴿١٧٢﴾

(۱۷۲)۔ نہ کبھی مسیح کو اِس سے عار محسوس ہوئی ہے کہ اللہ کا بندہ بنے اور نہ مقرب فرشتوں کو، اور جو اُس کی عبادت میں عار محسوس کرتا ہے اور تکبر کرتا ہے تو عنقریب اِن سب کو وہ (اللہ) اپنے پاس اکٹھا کرلے گا۔

---

(۱۷۲)۔ مسیح نے ہمیشہ یہی کہا ہے کہ: میں اللہ کا بندہ ہوں، اُنہوں نے ہمیشہ لوگوں کو اللہ کی بندگی کے لئے بلایا ہے۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ لوگوں سے عیسیٰ علیہ السلام کی پہلی بات یہی ہوتی تھی:اني عبدالله: میں اللہ کا بندہ ہوں۔ یہ آپؑ کے اُس وقت کا بھی قول تھا جب آپؑ ماں کی گود میں تھے اور اُس وقت کا بھی جب لوگ (اپنے خیال میں) آپؑ کو سولی دینے کے لئے جمع ہوئے تھے۔

فَأَمَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ فَيُوَفِّيهِمۡ أُجُورَهُمۡ وَيَزِيدُهُم مِّن فَضۡلِهِۦۖ وَأَمَّا ٱلَّذِينَ ٱسۡتَنكَفُواْ وَٱسۡتَكۡبَرُواْ فَيُعَذِّبُهُمۡ عَذَابًا أَلِيمًا وَلَا يَجِدُونَ لَهُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٧٣﴾

(۱۷۳)۔ تو وہ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے؛ (اللہ) اُن کو پورا پورا اجر دے گا اور اپنے فضل سے مزید کچھ عطا کرے گا۔ اور وہ جو (اللہ تعالیٰ کی بندگی میں) عار محسوس کرے اور جنہوں نے تکبر کیا ہو تو اُن کو دردناک عذاب کی سزا دے گا اور وہ اللہ کے علاوہ اپنے لئے کوئی دوست اور مددگار نہیں پائیں گے۔

---

(۱۷۳)۔ اللہ تعالیٰ بندے کے ساتھ اُس کے ایمان اور عمل کے رو سے معاملہ کرتا ہے۔ جو ایمان لاتا ہے اور اچھے اعمال کرتا ہے تو وہ نہ صرف اپنا اجر پورے کا پورا حاصل کر لے گا بلکہ اللہ اپنے فضل کے تقاضے کی رو سے اُسے اُس کے اصل حق سے زیادہ عطا کر دے گا۔ اور وہ جو اللہ تعالیٰ کی بندگی میں عار محسوس کرے گا، تکبر میں مبتلا ہو گا اور ایسی بندگی کو اپنی شان سے کمتر سمجھے گا اُس کے حصے میں دردناک عذاب آئے گا۔ نہ اُسے ایسا کوئی دوست ملے گا اور نہ مددگار جو اُسے عذاب سے بچالے؛ یہی عدل کا تقاضا ہے۔ جو اللہ کی طرف اِس کے علاوہ کچھ اور منسوب کرتا ہے وہ درحقیقت اُس کی طرف ظلم اور بے عدالتی کی نسبت کرتا ہے۔ جو یہ یقین رکھتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مسیحیوں کو اللہ کے محاسبے سے بچالے گا اور وہ مسیحؑ کے طفیل جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اُس کی وساطت سے دوزخ سے بچالئے جائیں گے اِس لئے کہ آپؑ نے تمام مسیحیوں کے سارے گناہوں کا فدیہ دیا ہوا ہے تو اُس کے اِس عقیدے میں اللہ تعالیٰ کی طرف ایک بہت بڑی بے عدالتی کی نسبت ہوتی ہے۔ اُس نے اللہ کی تشبیہ دنیا کے کسی ظالم حاکم کے ساتھ دی ہے۔ ایسا حاکم جس کے فیصلے درباریوں کی سفارشوں سے متاثر ہو کر دیئے جاتے ہیں۔ اگر کسی شخص کا اثر ورسوخ، تعلق اور واسطہ اور دربار میں اُس کے دوست اور مددگار اُس کو محاسبے اور مواخذے سے بچاتے ہوں؛ تو یہ تو دنیا کے کسی حاکم کے ساتھ بھی زیب نہیں دیتا؛ زمین اور آسمانوں کے رب کے ساتھ کیسے مناسب ہو سکتا ہے؟

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدۡ جَآءَكُم بُرۡهَٰنٌ مِّن رَّبِّكُمۡ وَأَنزَلۡنَآ إِلَيۡكُمۡ نُورًا مُّبِينًا ﴿١٧٤﴾

(۱۷۴)۔ اے لوگو! یقیناً تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس بُرہان اور دلیل آ گئی اور ہم نے کھلی روشنی تمہارے لئے نازل کر دی۔

(۱۷۴)۔ واضح برہان اور روشن چراغ یہ ماقبل والی آیت بھی ہے اور پورا قرآن بھی۔

فَأَمَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ بِٱللَّهِ وَٱعۡتَصَمُواْ بِهِۦ فَسَيُدۡخِلُهُمۡ فِي رَحۡمَةٖ مِّنۡهُ وَفَضۡلٖ وَيَهۡدِيهِمۡ إِلَيۡهِ صِرَٰطٗا مُّسۡتَقِيمٗا ﴿١٧٥﴾

(۱۷۵)۔ پس وہ جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اُس کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط رکھتے ہیں تو وہ ضرور اُنہیں اپنی رحمت اور فضل میں داخل کر دے گا اور اُنہیں اپنی طرف راہِ راست کی ہدایت دے گا۔

(۱۷۵)۔ یہ واضح برہان اور روشن چراغ تمہارے لئے دو اساسی باتوں کو واضح کر کے دکھا رہی ہے:

- اللہ پر ایمان لاؤ۔
- اللہ کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط کر لو۔

جو کوئی یہ دو کام کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے سرفراز ہو گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کے سیدھے راستے کی ہدایت پالے گا۔

يَسۡتَفۡتُونَكَ قُلِ ٱللَّهُ يُفۡتِيكُمۡ فِي ٱلۡكَلَٰلَةِۚ إِنِ ٱمۡرُؤٌاْ هَلَكَ لَيۡسَ لَهُۥ وَلَدٞ وَلَهُۥٓ أُخۡتٞ فَلَهَا نِصۡفُ مَا تَرَكَۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ إِن لَّمۡ يَكُن لَّهَا وَلَدٞۚ فَإِن كَانَتَا ٱثۡنَتَيۡنِ فَلَهُمَا ٱلثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَۚ وَإِن كَانُوٓاْ إِخۡوَةٗ رِّجَالٗا وَنِسَآءٗ فَلِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ ٱلۡأُنثَيَيۡنِۗ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمۡ أَن تَضِلُّواْۗ وَٱللَّهُ بِكُلِّ شَيۡءٍ عَلِيمُۢ ﴿١٧٦﴾

(۱۷۶)۔ (یہ لوگ) تم سے فتویٰ مانگتے ہیں، اِنہیں کہو: اللہ تمہیں کلالہ (وہ جس کا والد وفات ہو اور اولاد بھی نہ ہو) کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے: اگر کوئی مر جائے اور اُس کا بیٹا نہ ہو اور ایک بہن ہو تو اُس کے لئے اُس کے ترکے کا نصف مقرر ہے لیکن وہ خود اِس بہن کی ساری میراث کا حقدار ہو گا اگر اُس کا بیٹا نہ ہو، لیکن اگر یہ بہنیں دو ہوں تو پھر اِن کا حصہ (بھائی کی) میراث کا دو تہائی ہے اور اگر یہ نرینہ اور زنانہ بھائی بہن ہوں تو مردوں کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہو گا، اللہ تمہارے لئے کھول کر وضاحت کرتا ہے تاکہ بھٹکنے سے بچو اور اللہ سب کچھ بہتر جاننے والا ہے۔

---

(۱۷۶)۔ یہ مبارک سورت عورتوں اور یتیموں کی بحث سے شروع ہوتی ہے اور اِسی موضوع پر ختم ہوئی۔ یہاں اُن لوگوں کی میراث کی تقسیم کی رہنمائی کی گئی ہے جن کے نہ والدین ہوتے ہیں اور نہ اولاد، گھرانہ صرف بہن بھائیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اگر صرف ایک ہی بہن ہے تو میراث کا نصف اُسے ملے گا جبکہ بھائی ایسی بہن کی کل میراث کا حقدار ہو گا۔ اگر میراث دو بہنوں کے لئے چھوڑی گئی ہو تو دو تہائی اِن کا ہو گا اور اگر ایک سے زیادہ مگر بہن بھائی دونوں موجود ہوں تو بھائی کو دو بہنوں کے برابر حصہ دیا جائے گا۔

یہ اُس اللہ کی طرف سے رہنمائی ہے جو تمہاری بھلائی اور مصلحت کو تم سے بہتر جانتا ہے۔

سبحانك اللهم و بحمدك أشهدُ أن لا اله الا أنت استغفرك و اتوب اليك

ایک سوال کا جواب

ادراک اور احساس دل کا کام ہے یا دماغ کا

اِن سورتوں میں کئی جگہ آپ نے دیکھا ہو گا کہ قرآن بعض باتیں دل کے ساتھ منسوب کرتا ہے۔ جیسا کہ کافروں کے بارے میں فرماتا ہے:(لھم قلوب لا یفقھون بھا)، (ختم اللہ علی قلوبھم)۔ ۔ ۔ ۔متعدد دوسری آیات میں بھی اِس سے ملتے جلتے مطالب بیان کئے گئے ہیں۔ دل کے بارے میں قرآن کے اِن ارشادات سے یوں لگتا ہے کہ گویا قرآن کی نظر میں دل ہی احساس اور ادراک کا مرکز ہے حالانکہ علمی تحقیقات بجائے دل کے، دماغ کو احساس اور ادراک کا مرکز گردانتی ہیں اور دل کو صرف خون پمپ کرنے کا ایک آلہ سمجھتی ہیں۔ بیان اور تحقیق کے اِس فرق کو دیکھ کر حقائق سے بے خبر لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن کیوں ہر چیز دل سے منسوب کرتا ہے جبکہ وہ دراصل دل کا نہیں بلکہ دماغ کا کام ہوتا ہے۔ یہ باتیں انسان کے دماغ سے کیوں منسوب نہیں کی گئیں؟ اِس سوال کے جواب اور اِن لوگوں کی تشویش کو رفع کرنے کے لئے درج ذیل وضاحت پیش خدمت ہے:

قرآن نے جو کچھ دل کی طرف منسوب کیا ہے یہ دنیا کے ہر گوشے میں، ہر قوم میں اور ہر زبان میں دل کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ تم ہر جگہ اور ہر کسی سے سن لوگے کہ محبت، نفرت، جرأت، دوں ہمتی، تصدیق اور تکذیب، خوشی اور غم اور اقرار و انکار دل کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ایسا کرنا نہ تو علمی تحقیقات کے خلاف کام ہے، نہ اِس بارے میں قرآن کا بیان قابلِ تعجب ہے اور نہ ہی اِس پر اعتراض کوئی معقول کام ہے۔ یہ باتیں نہ صرف تورات، انجیل، زبور اور تمام دوسری مذہبی کتابوں میں دل کی طرف منسوب کی گئی ہیں بلکہ مارکس، اینجلز اور لینن کی مانند ملحدین کی کتابوں میں بھی دل کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔ تمام شعراء، ادباء، دوسرے مصنفین، علماء، عوام، دیندار شعراء اور علماء اور بے دین شعراء اور سائنسدانوں نے بھی یہی طرزِ بیان اختیار کیا ہوا ہے، یہ کیوں اور کس لئے؟ جواب درج ذیل ہے:

دل دماغ کے لئے آنکھ، کان، ناک، اور جلد کی مانند ایک وسیلہ اور اوزار ہے۔ جس طرح یہ پانچ حواس دماغ کے لئے پہچان اور حواس کے وسائل ہیں تو دل اُس کے فیصلوں کے انعکاس کا وسیلہ ہے جس کے ذریعے وہ اپنے فیصلوں کا اعلان کرتا ہے۔ ہمیں جب اپنی آنکھوں سے کوئی خطرناک چیز نظر آجاتی ہے یا اپنے کانوں سے کوئی خطرناک آواز سن لیتے ہیں یا ناک سے کسی چیز کے جلنے کی بو یا زبان پر کسی تلخ زہریلے ذائقے کی موجودگی کا احساس کر لیتے ہیں تو دماغ فوراً اُس کا ادراک کر لیتا ہے اور

ہمیں اُس خطرے کا احساس دلانے لگ جاتا ہے۔ ہمارا دماغ اِس خطرے کا اعلان ہمارے دل کے ذریعے کرتا ہے۔ اپنا فیصلہ دل کے راستے منعکس کرتا ہے اور اُس کی دھڑکن کی رفتار بڑھا کر اُس خطرے کی پہلی گھنٹی بجا دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انسانی زبانوں میں ڈر اور خوف کا احساس دل کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور تم کبھی بھی کسی کو ڈر اور خوف کا احساس کسی اور عضو کی طرف منسوب کرتے ہوئے نہیں سنو گے۔ جرأت مند کے لئے دلیر اور ڈرپوک کے لئے دل ہارنے یا دل چھوٹا کرنے کی اصطلاحات اِسی لئے وضع کی گئی ہیں۔ محبت اور نفرت کا احساس بھی دل ہی میں ہوتا ہے، جب اپنے کسی پیارے بچے، بچی یا عزیز دوست کا چہرہ یاد آجاتا ہے تو اِس کے ساتھ ہی دل میں ایک مخصوص حرکت کا اِحساس ہونے لگتا ہے، اِسی لئے ہم کہتے ہیں: تمہارے لئے میرے دل میں بڑی جگہ ہے، تم میرے دل کے بہت قریب ہو، اُس کے لئے میرا دل بہت اُداس ہے وغیرہ وغیرہ۔ اِس کے برعکس جب کسی سے نفرت ہوتی ہے تو اُس کا چہرہ یاد آتے ہی ہم اپنے دل میں مخصوص حرکت کا احساس کرتے ہوئے کہتے ہیں، میرا دل اُس سے بھر گیا ہے، میرے دل میں اُس کے لئے کوئی جگہ نہیں رہی۔ آپ کوئی بات سنتے ہیں جو آپ کو ٹھیک لگتی ہے تو فیصلہ تمہارا دماغ کرتا ہے اور بات کانوں کے راستے دماغ تک پہنچی ہے۔ غور اُس پر وہاں کیا گیا ہے مگر اِس غور کا نتیجہ تم اپنے دل میں محسوس کرتے ہو اِسی لئے کہتے ہو کہ یہ بات میرے دل کو اچھی لگی، میرا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ بات درست ہے۔ اِسی طرح غلط بات کے بارے میں کہتے ہو، میرا دل نہیں مانتا، یہ بات میرے دل کو نہیں لگتی، میرے دل کے دروازے اِس کے لئے نہیں کھلتے وغیرہ وغیرہ۔

اِن باتوں کو دل کی طرف منسوب کرنا بالکل ویسے ہی ہے جیسے ہم بینائی کو آنکھوں کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ آنکھیں فقط دو عدسے ہیں جن کے راستے تصویر دماغ کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ دکھائی دینے والی چیز کے بارے میں فیصلہ دماغ کرتا ہے یعنی دیکھنا درحقیقت دماغ کا کام ہے نہ کہ آنکھوں کا۔ اگر تمہارے دماغ کا وہ حصہ مفلوج ہو جائے جس کا کام دیکھنا اور آنکھوں کے راستے سے حاصل ہونے والے برقی سگنلز کے بارے میں فیصلہ کرنا ہے تو تم ٹھیک ٹھاک آنکھیں رکھتے ہوئے بھی کچھ نہیں دیکھ سکو گے۔ اِسی طرح اگر تمہارے دماغ کے اُس حصے میں یا وہاں تک پہنچنے والے اعصابی ریشوں میں کسی دوسرے ذریعے سے برقی ارتعاش پیدا کیا جائے تو تمہیں آنکھوں کے بغیر بھی اُس ارتعاش کے مطابق تصویریں نظر آتی رہیں گی۔ اِسی طرح ہمارے کان درحقیقت دو کھڑکیاں ہیں جن کے راستے آواز کی لہریں دماغ تک پہنچتی ہیں، اِس سے آگے اُنہیں آواز کا قالب دے کر سننا اور اُس کی تشخیص کرنا دماغ کا کام ہے نہ کہ کانوں کا۔ اِسی طرح ہمارے دیگر حواس بھی ہیں جن میں سے ہر ایک 'ایک اوزار (tool) کی حیثیت رکھتا ہے اور اپنے سے متعلقہ معلومات کو اعصاب کے ذریعے دماغ تک پہنچنے کے لئے

مناسب برقی سگنلز کی شکل میں ڈھال کر رپورٹ تیار کرتا ہے۔ رپورٹ وصول کرنے کے بعد تشخیص کا تمام اصل کام دماغ کرتا ہے مگر کوئی یہ نہیں کہتا کہ میں نے اپنے دماغ سے دیکھا ہے یا دماغ سے فلاں بات سنی ہے، یا چکھی اور سونگھی ہے۔ اگر کوئی ایسی بات کرے گا تو لوگ اُس کا مذاق اُڑائیں گے حالانکہ یہ بات بجائے خود غلط نہیں ہوگی، اِس کو قابلِ استہزاء بنانے والی غلطی یہ ہے کہ اُس نے لوگوں کے معمول اور عادت کے خلاف بات کی ہے۔

آپ خود سوچ کر بتائیں کہ آپ خوف کا احساس کہاں کرتے ہیں، دل میں یا دماغ میں؟ محبت کا احساس اپنے جسم کے کس حصے میں کرتے ہیں، دل میں یا دماغ میں؟ کسی بات کی حقانیت پر مطمئن ہونے کا احساس کہاں ہوتا ہے دل میں یا دماغ میں۔ یہ اور اِس طرح کی دوسری بہت ساری چیزیں ہم دل میں محسوس کرتے ہیں اور اِسی لئے اُنہیں دل کی طرف منسوب کرتے ہیں؛ قرآن نے بھی یہی کیا ہے اور تمام انسان بھی یہی کام کرتے ہیں۔

قرآن میں دل کی طرف منسوب کئے گئے امور نہ صرف مطابقِ حقیقت اور واقعیت ہیں بلکہ انسانوں کی عمومی عادات اور معمولات کے عین مطابق اور دنیا کی تمام زبانوں میں دل کی طرف منسوب کردہ امور ہیں۔

سبحانك اللهم و بحمدك أشهدُ أن لا اله الا أنت استغفرك و اتوب اليك